سیرۃ النبی ﷺ پر ایک بہترین اور جامع کتاب

3

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

فہرست

فہرست 1
تقدیم 33
رحمۃ للعالمین اور اس کا مصنف مرحوم 33
باب اول 38
خصائص النبی ﷺ 38
فصل اوّل 39
خصوصیاتِ وجودِ گرامی 39
(الف) اسمِ ہمایوں: مُحَمَّدٌ 39
(ب) رسول اللہ کا علم 41
رسول اللہ کی اطاعت 41
۲: تم میں سے ایک رسول 45
نبی کو معبود بنانے کی غلط روِش 46
۳: نامعلوم چیزوں کا علم 47
۴: شرحِ صدر 48
شرحِ صدر کے معنی اور اسوۂ حسنہ 50
۵: بوجھ اُتارنا 51

بوجھ کیا تھا؟ 52

بوجھ اُتارنے کی صورت 53

۶: رفعِ ذکر 54

پرائے بھی ذکر جمیل پر مجبور 55

رفعِ ذکر اور کتبِ سابقہ 57

۷،۸،۹: تعلقِ خاطر، حسنِ انجام، رضامندی 58

۱۰: نبیِ اُمی 62

اُمی ہونے کے معنی 63

۱۱: عطائے کوثر 67

۱۲: فتحِ مبین و مغفرت ذنب 72

۱- مقدم و مؤخر ذنب سے مراد 72

فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ 74

فتحِ مبین ہونے کے معنی 76

ذنب سے مراد 77

الزامات و اتہاماتِ قوم 79

۱) اتہامات قبل از ہجرت 79

۲) الزامات بعد از ہجرت 79

۳)مومنین پر الزامات 79
آیت کا مفہوم 80
۲-اتمامِ نعمت 80
۳-صراطِ مستقیم کی ہدایت 81
۴-نصرت الٰہیہ 81
[ایک شبہ کا ازالہ] 83
۱۳: نبی ﷺ کا وار، اللہ کا وار 85
فصل دوم 89
خصوصیاتِ رسالت 89
۱۴: تلاوتِ آیات 89
۱۵: نامعلوم کی تعلیم دینا 91
۱۶: تعلیمِ کتاب وحکمت 99
پیچیدہ مسائل کا عملی حل 99
احکام وشرائع کی حکمتیں بتانا 102
امراضِ جسمانی وروحانی کا علاج 103
۱۷: بوجھ اور طوق اُتارنا 104
قوموں کے آصار واغلال 104

(الف)عرب 105

(ب)یہود 109

(ج)نصاریٰ 112

(د)ہندو اقوام 115

(ھ)مجوس 117

۱۸: قابل اقتداء نمونہ ﷺ 118

۱۹:امت کی فکر 120

کفار و مومنین دونوں پر رحم 121

۲۰:اُمت کی بھلا چاہنا 126

۲۱:مؤمنوں سے انتہائی پیار 129

۲۲:آپ ﷺ کی رسالت سب کے لیے 132

۲۳:آپ ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے 136

۲۴:ختم نبوت 140

۲۵:رحمۃ للعالمین 146

۲۶:سابقہ انبیاء کی موافقت 164

نوح علیہ السّلام 165

ابراہیم علیہ السّلام 165

اسحاق علیہ السّلام 166
یعقوب علیہ السّلام 166
یوسف علیہ السّلام 167
داؤد علیہ السّلام 167
سلیمان علیہ السّلام 168
ایوب علیہ السّلام 169
موسیٰ علیہ السّلام 170
ہارون علیہ السّلام 170
زکریا علیہ السّلام 170
یحییٰ علیہ السّلام 171
عیسیٰ علیہ السّلام 172
الیاس علیہ السّلام 173
اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام 173
الیسع علیہ السّلام 174
یونس علیہ السّلام 175
لوط علیہ السّلام 175
فصل سوم 178

خصوصیاتِ نبویہ از احادیث مصطفویہ 178
۱-نصرت بالرُّعب 179
۲-رُوئے زمین کا مسجد و طہور ہونا 182
۳-حِلتِ مغانم 183
۴-عطائے منصبِ شفاعت 185
۵-بعثتِ عامہ 189
۶-جوامع الکلم کا عطیہ 189
خصوصیتِ معراج 191
تعدّدِ معراج 191
تعین زمانہ 192
راویانِ احادیثِ معراج 193
واقعاتِ معراج 198
سات آسمانوں پر اولوالعزم انبیاء کی ملاقات 200
سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور 201
فرضیت نماز 202
سات آسمانوں پر آٹھ انبیاء کی ملاقات کا راز 203
قرآن کریم اور معراج شریف 206

بیداری وخواب کی بحث 209
معجزاتِ نبویہ ﷺ 212
فصل اول 212
معجزہ کیا ہے؟ 212
معجزہ کے لغوی معنی 212
معجزہ کے اصطلاحی معنی 212
معجزہ کی تعریف 213
تین نقطہ ہائے نظر 213
دوسری تعریف 214
قرآنی اصطلاح: ''آیت'' 214
عقل کا فیصلہ 216
نبی ﷺ کے چند معجزے 218
۱-نَبْعُ الْمَآءِ: پانی کا معجزہ 219
سحر اور معجزہ میں فرق 223
۲-دودھ کی برکت 226
۳-تکثیرِ طعام 230
۴-نباتات پر اثر 233

۵-حیوانات پر اثر 237
۶-افلاک پر اثر (معجزۂ شقِ قمر) 239
معجزہ کی توثیق 241
شبہات اور ان کا ازالہ 242
معجزات از قسم پیشین گوئی 246
تمہید 246
عہدِ مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں۔ 246
۱-آنے والے واقعات کی خبر 248
۲-ایک صدی کے دوران پیش آنے والے واقعات کی خبر 248
(۱) جہاد بحری کی اطلاع 248
(۲) [بدامنی میں امن کی] پیشین گوئی 249
(۳) فتوحاتِ ممالک کے متعلق پیشین گوئی 250
(۴) فتح مصر کی پیشین گوئی 251
(۵) عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیشین گوئی 251
(۶) سراقہ بن مالکؓ اور کسریٰ کے کنگن 252
۳-سیکڑوں سال پہلے کی پیشین گوئیاں 253
۳۹۳ سال پیشتر کی پیشین گوئی 254

۶۵۴ سال پہلے کی پیشین گوئی 255
۶۵۶ سال پہلے کی پیشین گوئی 256
۷۰۰ برس پہلے کی پیشین گوئی 256
۸۵۵ سال پیشتر کی پیشین گوئی 257
۱۳۴۸ سال کی پیشین گوئی 257
زمانۂ حال کی پیشین گوئی 258
۲- پیشین گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے۔ 259
معجزاتِ نبوی ﷺ از قسمِ دعا 260
حضور ﷺ کی قبولیت دعا کے چند نظائر 260
۱- بارش کی دعا 261
۲- قتل سے مصون رہنے کی دُعا 261
۳- دُعائے عفّت 262
۴- [تباہی کی دعا] 264
۵- [بُجیر بن بُجرۃ کے لیے دعا] 264
۶- سائب بن یزید کے لیے دُعا 265
۷- عبدالرحمن بن عوفؓ احد العشرۃ المبشرۃ کے لیے دُعا 265
۸- انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دُعا 266

۹-مالک بن ربیعہ سلولی کے لیے دُعا 266
۱۰-تکبر کی سزا 266
۱۱-شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ 267
اسماءالرسول ﷺ 267
۱-[محمد:] 268
مُحَمَّد اَحْمَد 269
اخلاقیاتِ نبوی ﷺ 298
فصل اول 298
سنتِ مصطفویہ وطریقۂ محمدیہ 298
۱-[معرفت، اصل پونجی] 299
[علم اور معرفت میں فرق] 299
[معرفت کی نشانیاں] 301
۲-[عقل، دین کی جڑ] 302
۳-[محبت، بنیاد ہے] 305
[حُبّ کی لغوی تحقیق] 305
[محبت، قرآن وحدیث میں] 306
[محبت کے مدارج] 309

[محبّتِ الٰہی کے اسباب] 310

۴-[شوق، سواری ہے] 312

۵-[ذکر، مونس ہے] 313

[قرآن مجید اور ذکر] 314

[احادیث مبارکہ اور ذکر الٰہی] 316

[ذکر کے طرق، اقسام اور مراتب] 320

۶-[اعتماد، خزانہ ہے] 321

۷-[غم، رفیق ہے] 322

۸-[علم، ہتھیار ہے] 324

[علم کے مدارج] 325

۹-[صبر، لباس ہے] 328

[قرآن میں صبر کی توصیف] 328

[صبر کی اہمیت] 332

[صبر کے معنی] 332

[صبر کی اصناف] 333

[صبر کی حالتیں] 333

[صبر کا مفہوم] 334

فریاد، صبر کی نفی نہیں 335
الصَّبْرُ رِدَائِی کی عملی تصویر 335
۱۰-رضائے الٰہی، غنیمت ہے 336
۱۱-[عاجزی، فخر ہے] 340
[عجزِ نبوی سے مراد] 340
[عجز وافتقار پر افتخار] 340
۱۲-[زُہد، پیشہ ہے] 342
[زُہد کا مفہوم] 342
[زُہد کی قسمیں] 342
[زُہدِ نبوی سے مراد، اعتمادِ تام] 343
۱۳-[یقین، روزی ہے] 343
[یقین کے مراتب وعلامات] 344
[نبی ﷺ اور صحابہؓ کی غذائے یقین] 345
۱۴-[صدق، ساتھی ہے] 346
[مقاماتِ صدق] 346
۱۵-[طاعت، عزت ہے] 348
۱۶-[جہاد، آپ ﷺ کی خصلت] 349

[جہاد کی قسمیں اور مشکلات] 349

[شوقِ جہاد اور اس کے نتائج] 350

۱۷-[نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک] 351

[نماز کی اہمیت] 351

[نماز کے فوائد] 352

خصائص القرآن 354

فصل اوّل 355

ضرورتِ قرآن 355

[جملۂ معترضہ، ہندوؤں کی جہالت] 356

[نزولِ قرآن کے بعد دنیا کی ترقی] 357

فصاحت وبلاغتِ قرآن 357

[الف: ناقابلِ شکست چیلنج] 357

ب:[بے نظیر قادر الکلامی] 358

ج:[وسعتِ موضوعات ومضامین] 359

د:[اختصارِ الفاظ وجامعیت معانی] 360

فصل دوم 371

معانیِ عالیہ ومضامینِ نادرہ 371

الف: وُسعت 371
ب: عمدگی 371
فصل سوم 374
تاثیرِ قرآن 374
فصل چہارم 376
نمونۂ تعلیم 376
فصل پنجم 378
قبولیتِ قرآن 378
فصل ششم 380
خصوصیاتِ قرآن مجید 380
۱-[خطاب کا عام ہونا] 380
۲-[تعلیم کا جامع ہونا] 381
۳-[علوم عقلی اور علوم اُخروی کا مجموعہ] 382
۴-[رنگ و نسل اور زمان و مکان سے بالاتر] 382
۵-[دیگر مذاہب حقہ کی تعریف] 383
۶-[قولِ فیصل کی صفت] 383
۷-[ایک ہی رسول کا لایا ہوا] 384

۸-[اسلوبِ کلام کا حسن] 385
بائبل کا اسلوب 386
ویدوں کا اسلوب 387
فصل ہفتم 388
قرآن مجید کا مصنف 388
[عیسائی محققین سے چند سوال] 388
[بائبل میں قرآن کی خوشخبری] 389
قرآن کی پیشین گوئیاں 391
فصل اول 392
قرآن کے متعلق 392
۱-[قرآن کی بے مثالی] 392
عہدِ نبوت [کے لیے چیلنج] 392
عہدِ حاضر [کے لیے چیلنج] 393
[۲-حفاظت قرآن] 393
ب:[قرآن کا حال] 400
نقشہ شمارِ حروفِ تہجی 400
امیر المومنین عثمانؓ اور حفاظت رسم الخط قرآن 401

نقل اور طریقِ وجادہ 402
اعتراض اور اس کی اصلیت 402
نماز اور قراءت 402
نسخہ جاتِ قرآنی کی اشاعت 403
حضرت عثمانؓ سے مسائل فقہ میں جمہور کا اختلاف 403
حضرت عثمانؓ اور اہلِ مصر کی بغاوت 403
خلافتِ مرتضویؓ اور مصحف عثمانیؓ 404
رفعِ مصحف کا واقعہ صفین میں 404
۳-[جمعِ قرآن کی ضمانتِ ربّانی] 404
۴-[حفظ قرآن] 405
۵-[حفظِ قرآن کی آسانی] 406
۶-[قرآن کی اشاعت] 406
۷-[باطل سے محفوظ] 407
فصل دوم 408
اسلام کے متعلق 408
۱-[غلبہ اسلام] 408
جنوبی عرب اور عیسائیت 408

عرب اور یہودیت 408
مشرقی عرب اور مجوسیت 409
عرب وسطیٰ اور بت پرستی 409
عرب اور مذاہب متعددہ 409
۲-[حیاتِ نبوی میں اسلام کا اتمام] 409
وعدہ کی زمین پر موسیٰؑ داخل نہ ہوئے 409
داؤدؑ خدا کا گھر نہ بنا سکے 410
مسیحؑ کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا 410
مادی دنیا کی انتہائی بلندی سے روحانیت کی آواز 410
۳-[دین کی اشاعت واستحکام] 411
[دوسری قوموں کی حالت] 412
[اسلام کی پانچ خوبیاں] 413
[دورِ نبوی میں اشاعت اسلام] 413
قیامِ مکہ کے ایام میں اشاعت 413
قیامِ مدینہ میں اشاعت 414
[خلافتِ راشدہ میں اشاعت اسلام] 414
دورِ صدیقی میں اشاعت 414

[دورِ فاروقی وعثمانی میں اشاعت:] 414
[اُموی دور میں اشاعت:] 414
[مغلوں کا قبولِ اسلام] 415
[مخالفانہ حملے اور اسلام کی اشاعت] 415
یونانی فلسفہ اور ہندو توہمات 415
یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید 415
حالیہ عہد میں اسلامی ترقی 415
۴-[اشاعت اسلام اور دلائل حقانیت] 416
فصل سوم 417
مسلمانوں کے متعلق 417
۱-[مسلمانوں کا غلبہ] 417
۲-[مسلمانوں کی حکومت] 418
۳-[مسلمانوں کی دنیوی ترقی] 419
۴-مہاجرین کے متعلق تین پیشین گوئیاں 420
۵-[تنگ دستی کے بعد غنا] 421
۶-[باطل کا قلع قمع] 422
۷-[دنیا و آخرت کا اجر] 423

۸-[تدریجی ترقی] 423
۹-زید بن حارثہؓ[پر انعامات] 424
۱۰-[غیر عرب مسلمانوں کی اسلامی خدمات] 425
۱۱-[خلافتِ راشدہ کے متعلق] 426
[الف:]الارض کی خلافت 427
[ب:انتخاب من جانب اللہ] 427
وعدے کی سرزمین؛عام یا خاص: 427
[ج:خوف کے بعد امن] 429
[د:خلفا کی عبادت گزاری] 430
[ہ:شرک سے اجتناب] 431
[و:انکارِ خلافت کی سزا] 431
خلفائے راشدین کی تعداد 431
۱۲-[اولین مسلمانوں میں فتنۂ عام] 432
فصل چہارم 434
منافقین کے متعلق 434
۱-[بے یار و مددگار رہیں گے] 434
۲-[ان] کو دُگنی مار پڑے گی 434

۳-[یہ]خسران میں رہیں گے 435
۴،۵-[منافقین کا تعارف اور انجام] 435
فصل پنجم 438
کفار کے متعلق 438
۱-مستہزئین مکہ کے خلاف پیشین گوئی 438
۲-[کافر دشمنوں کا، دوست بننا] 440
۳-[کفار کی، دخولِ کعبہ سے محرومی] 443
۴-[کفار کی رُسوائی] 443
۵-[مسلمانوں سے مرعوبیت] 444
۶-اہل مکہ کے خلاف دو پیشین گوئیاں 445
۷-ابولہب کے متعلق 445
۸-ابولہب کی بیوی سے متعلق 447
فصل ششم 448
یہودیوں کے متعلق 448
۱-[مسلمانوں کے ہاتھوں شکست] 448
۲-[زندہ رہنے کی تمنا] 449
۳-[ذلت ورُسوائی ان کا مقدر ہے] 450

۴-[باہمی عداوتِ ابدی] 452
فصل ہفتم 453
عیسائیوں کے متعلق 453
۱-[دنیوی ترقی] 453
۲-[عداوتِ باہمی] 454
۳-[اسلام سے قرب] 454
فصل ہشتم 456
غزوات کے متعلق 456
۱-غزوۂ بدر 456
۲-غزوۂ خیبر 457
۳-غزوۂ احزاب 459
فصل نہم 461
مخلّفین جہاد کے متعلق 461
۱-[حضور ﷺ کی معیت سے محرومی] 461
۲-[مستقبل میں سخت مقابلے کا سامنا] 462
فصل دہم 465
متفرق پیشین گوئیاں 465

الف: یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر 465
[منافقین کی وعدہ خلافی] 465
ب: [یہود کا کفر اور ان کی متبادل قوم] 466
ج: ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں [اضافہ] 467
د: [ایک آیت، چار اقوام، دو پیشین گوئیاں] 470
اقوامِ سابقہ کا معجزانہ تذکرہ 471
باب دوازدہم (۱۲) 474
خصائص الاسلام 474
فصل اول 474
[اسلام، دینِ توحید] 474
[تمام انبیاء کی دعوت: مسئلۂ توحید] 474
[اسلام کی تعلیم: مسئلۂ توحید] 475
[اسلام کی توحید اور عقل] 476
[اسلام میں توحید کی جامعیت] 476
[۱-توحید عبادت واستعانت:] 477
[۲-توحید فی العلم:] 477
[۳-توحید فی القدرت:] 478

[۴-توحید فی الذات والصفات:] 479
خصائص الاسلام 483
فصل دوم 483
[اسلام، مذہبِ روحانیت] 483
[روحانیت اور دوسرے مذاہب] 484
[اسلامی روحانیت، احسان] 485
عبودیت [اور اس کے مظاہر] 486
فناوبقا [کی تشریح] 487
[فناوبقا کا مسئلہ اور توحید] 487
[فانی، معبود نہیں ہو سکتا] 489
[مقاماتِ فناوبقا] 490
فصل سوم 492
[اسلام، اخلاقِ حسنہ کا معلم] 492
[اخلاقِ رذیلہ اور اُن کے اثرات] 492
[اخلاقِ حسنہ کے سرچشمے اور اُن کے نتائج] 493
[اخلاقِ حسنہ کی فضیلت واہمیت] 495
[اخلاقِ حسنہ کا تعلق] 496

[اخلاقِ حسنہ اور اہلِ حاجت] 497
[اخلاقِ حسنہ کی وسعت و عملیت] 498
حکمِ اوّل: 498
حکمِ ثانی: 498
حکمِ ثالث: 498
حکمِ رابع: 499
[افرادِ معاشرہ کے متعلق اخلاقِ حسنہ] 499
قوم اور ملک کے متعلق اخلاق 500
غیر مذاہب والوں سے [اچھا] سلوک 501
فصل چہارم 502
[رحم و عدلِ الٰہی کا مسئلہ اور اسلام] 502
[عیسائیت کے دو اُصول] 502
[اسلام کی اصلاحات] 502
[عدل و رحم کے لیے حقوق کی تقسیم] 503
فصل پنجم 504
[علم اور علماء کی حمایت و قدر دانی] 504
[اسلام سے پہلے دنیا کی علمی حالت] 504

[اسلام اور فضیلت علم، دو مثالیں] 504

[فضیلت علم اور قرآن] 505

[قرآن میں حضور ﷺ کا منصب:] 507

[اسلام اور اشاعت علم] 507

[انبیاء کا وصف اعلیٰ، علم] 508

[توحید و رسالت پر اہلِ علم کی گواہی] 509

[اسلام کی طرف سے علمی دلیل کا مطالبہ] 509

[اسلام اور مسلمانوں کی علمی فیاضی] 510

[اسلام میں علوم کی قسمیں] 511

تذئیل، [اسلام میں غیر مسلم علماء کی قدر دانی] 512

[دوسرے مذاہب میں مسلم علماء کا مقام] 513

[عیسائیت میں علماءء کے ساتھ سلوک] 513

فصل ششم 516

[اسلام اور عمل] 516

[سعی و عمل اور اسلام کی تعلیم] 516

اصولِ ارث و مواریث [اور اہمیتِ عمل] 518

[چند دیگر مالی احکام اور اہمیتِ عمل] 519

[سیرتِ صحابہؓ اور اہمیتِ عمل] 520
[الف: عبدالرحمن بن عوفؓ] 520
[ب: زبیر بن العوامؓ] 521
[اسلام اور دیگر مذاہب میں کسبِ مال] 521
[اسلام اور مذہبی اعمال] 522
فصل ہفتم 524
[اسلام اور اُخوت] 524
[اسلام کی بے نظیر اُخوت] 524
مواخاتِ مکہ 525
مواخاتِ مدینہ 525
مواخات کا اثر 528
قرآنِ مجید میں مواخات کا ذکر 528
[اخوان، انصار و مہاجر کی فضیلت] 530
[اُخوتِ اسلامی کی چند بے نظیر مثالیں] 531
فصل ہشتم 533
[شرفِ انسانی کی رفعت] 533
[پرانے مذاہب میں انسانیت کا، فروتر مقام] 533

[انسانی عظمت سے انکار کے نتائج] 535
[الوہیت وانسانیت کے مقام کا تعین] 536
فصل نہم 538
[تعصب سے بالاتر] 538
[تعصب کے معنی] 538
[اسلام کی بے تعصبی کا ثبوت] 538
[نبی ﷺ اور مسلمان خلفا کی بے تعصبی] 540
[ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ سلوک] 541
[اورنگ زیب کی بے تعصبی] 541
[مسلمانوں کی ہندوستان سے بے تعصبی] 542
[جہاد اور اسلام کی بے تعصبی] 543
[مسلمانوں کا مشن اور اللہ کی مدد] 544
[عیسائیت کا تعصب] 545
[دیگر مذاہب والوں کا تعصب] 546
فصل دہم 548
[اسلام، دین محبت] 548
[صفاتِ الٰہی اور محبت] 548

[اللہ تعالیٰ کی صفت ودود اور محبت] 551
[محبت الٰہی کے مستحق لوگ] 552
[محبت الٰہی سے محروم لوگ] 552
[محبت اور احادیث رسول ﷺ] 553
[محبت کے اثرات اور تقاضے] 556
[لفظ محبت کی معنوی گہرائی] 557
فصل یازدہم (۱۱) 558
[اسلام، مساوات کا بانی] 558
[سلطنت برطانیہ میں مساوات کا حال] 558
[اسلامی مساوات کے شاندار نمونے] 559
فصل دوازدہم (۱۲) 566
[اسلام، جمہوریت کا بانی] 566
[اسلام اور شوریٰ] 566
[ویٹو پاور کا خاتمہ] 567
فصل سیزدہم (۱۳) 569
[اسلام، قومیت سے بالاتر ہے] 569
[قومی امتیاز کی تین بنیادیں] 569

[ان بنیادوں کا انہدام] 570
فصل چہاردہم (۱۴) 571
[اپنے مرکزِ اوّل میں اب تک قیام] 571
[دیگر مذاہب اپنے مراکزِ اوّل سے محروم] 571
[کسی ملک پر قبضۂ اغیار کے اثرات] 572
[اسلام کی، ان اثرات سے حفاظت] 573
فصل پانزدہم (۱۵) 574
[اسلام اور تمدُّن] 574
[مذاہب قدیمہ کی تمدن سے دوری] 574
[اسلام کے اُصولِ تمدن] 575
فصل شانزدہم (۱۶) 579
[اسلام کی فیض رسانی] 579
[تہذیب پارسی اور اسلام کا فیض] 579
[تہذیب ہندی اور اسلام کا فیض] 580
[تہذیب رومی اور اسلام کا فیض] 581
[آزادی و مساوات کا اسلامی فیض] 581
[تحدیدِ ازواج کا اسلامی فیض] 582

[حرمت شراب کا اسلامی فیض] 582
[سلطنتِ جمہور کا اسلامی فیض] 583
[تثلیث اور اسلام کا فیضِ توحید] 584
فصل ہفدہم (۱۷)..... 585
[اسلامی ہدایت، کل عالم کے لیے] 585
[مذاہب قدیمہ کا محدود خطاب] 585
[محدود خطاب کے نتائج] 585
[اسلام کا خطابِ عام] 587
[دین ابراہیمی اور اہل کتاب کی باہمی چپقلش] 587
[اسلام کا فیصلہ] 588
[دلیل نصاریٰ اور اسلام کی حقانیت] 589
[وحدانیتِ ربانی اور اسلام کی دعوتِ اتحاد] 590
فصل ہشدہم (۱۸) 591
[اسلام، نیکی کا مذہب] 591
[اسلام میں نیکی کا وسیع تصور] 591
[اسلام میں نیکی کے اُصول] 592
فصل نوازدہم (۱۹)..... 594

[اسلام، پارسائی کا مذہب] 594
[ام الخبائث، شراب اور سابقہ مذاہب] 594
[الف-عیسائیت] 594
[عیسائی معاشروں پر شراب کے اثرات] 594
[ج-ہندومت] 595
[اسلام اور شراب] 595
[اسلام اور زنا] 596
[اسلام کی پارسائی پر اعتراض کرنے والوں کی حالت] 597
[اسلام کی پارسائی کی مسکت دلیل] 597
[تعدُّدِ ازواج کا اعتراض] 598
[تعددِ ازواج اور عدل کی شرط] 598
فصل بستم (۲۰) 599
[اسلام، سچائی کا مذہب] 599
[سچائی کی تعریف] 599
[قرآن وحدیث میں صدق کا بیان] 599
فصل بِست ویکم (۲۱) 603
[اسلام اور حسن وجمال] 603

[حسن و جمال کے مفہوم میں اختلاف] 603

[اسلام کا تصورِ حسن و جمال] 603

انسانی حُسن و جمال 604

صورت کی خوشنمائی 604

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا 605

فہرست کتب 607

قصیدہ 610

تقدیم

رحمۃ للعالمین اور اس کا مصنف مرحوم

از علامہ سید سلیمان ندویؒ

آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرتِ نبوی کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی۔ اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صرف ایک آواز مخالفت میں اُٹھی۔ یہ مولوی ان شاءاللہ خاں مرحوم ایڈیٹر وطن کی آواز تھی۔ انھوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چوں کہ اس کے لکھنے کا ارادہ کررہے ہیں، اس لیے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں اربابِ شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی۔ پھر یہ کس کو خیال آسکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیر باد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنادے گا۔ خدا کے سامنے میں اس کی دی ہوئی اس عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصے میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے میں سب سے پہلے 1916ء میں واقف ہوا، جب کہ حافظ عبدالحلیم صاحب تاجر کانپور نے اپنے وطن بسّی میں سرہند کے قریب، جو ریاست پٹیالہ میں واقعہ ہے، ایک یتیم خانے کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ مرحوم اس زمانے میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے۔ وہ بھی ریاست کے دوسرے عہدے داروں کے ساتھ بسّی کے جلسے میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ

اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ یہ طرفین کی محبت کا پہلا تخم تھا، جو مجدد الف ثانی کی سرزمین میں ہم دونوں نے بویا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے، مگر ان کی طرف سے انکسار و تواضع نے اور میری طرف سے اعتراف اور اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجرِ طوبیٰ کے سایے میں ہم نے بارہا آرام پایا۔

ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یک جائی نصیب ہوتی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس منؤ کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڑھ آکر دارالمصنفین میں بھی دو راتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث ہیں۔ ایسے خاموش آمین بالجہر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطف روحانی اُٹھایا۔ میں نے حیرت سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ تو مدت العمر سے ہے۔''

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یک جا تھی۔ وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے۔ تبلیغ کے دل دادہ تھے۔ صلح پسند اور خاکسار تھے۔ علم کی نمائش پسندِ خاطر نہ تھی اور ان سب سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذاتِ پاک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شیفتگی اور عقیدت تھی۔ دو حج کیے اور آخر دوسرے حج میں دیارِ حبیب میں اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کی اور عبودیت کا سر اُس آستانۂ اقدس پر اس طرح جھکایا کہ پھر نہ اُٹھایا۔ عشقِ باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی سعادت یہ بخشی کہ اس سرزمین میں ان کو ہمیشہ کے لیے جگہ دی، جس کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ان کی رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل میں اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں، مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف رحمۃ للعالمین ہے، جس کے دو حصے خود ان کی

زندگی میں چھپ چکے تھے اور اب یہ تیسرا حصہ [جدید جلد دوم، باب پنجم ومابعد] ان کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس حصے کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے امتیازی خصوصیات ہیں۔ ناظرین دیکھیں گے کہ ایک عاشقِ رسول کے قلم نے عشق و محبت کے نشۂ سرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ دری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔ افسوس کہ یہ چشمۂ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا، مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتیٔ ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے تیرتے ابھرتے رہیں گے۔

مرحوم نے رحمۃ للعالمین لکھی۔ رب العالمین نے اس دنیا میں اس کو قبول کے شرف سے ممتاز کیا۔ امید ہے کہ اس کی رب العالمینی اور اس کے رسول کی رحمۃ للعالمینی دوسری دنیا میں بھی اس کی چارہ نوازی کرے گی۔

رحمۃ للعالمین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔ مصنف مرحوم کو توراۃ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے ان کو پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر ان کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو تو خصائص محمدی کے بیان میں ہے، مگر در حقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جس کی بنا پر اس کو ''دین کامل'' کا خطاب ملا ہے۔ اسی طرح اس میں آں حضرت ﷺ کے وہ فضائل و محامد درج ہیں، جن کی بنا پر آپ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پُر فخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔

مصنف کے دلائل ایسے دل نشین اور طرزِ ادا ایسا متین ہے کہ ان کی یہ تصنیف ہر صاحبِ ذوق کے لیے باعثِ تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانۂ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریقِ تبلیغ

میں انقلاب پیدا کیا ہے، مصنف مرحوم نے اس کی پوری نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ اُلوف التحیات والسلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے، مرحوم نے اس کا پورا استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کارآمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریقِ تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے، مگر جس طرح خود مصنف مرحوم اس وصف میں ممتاز تھے، اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیازِ خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرہ اور احقاقِ حق کی روداد وں سے لبریز ہے، تاہم کہیں تہذیب اور مذاقِ سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ.

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو باک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف مرحوم کے جلائلِ اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا اور غالباً یہی ان کا ایک کام ان کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا۔

کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام ناظرین کے علاوہ اسلامی مدارس و مکاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسی قدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اس کے مضامین سے مستفید اور اس کے مطالب سے بہرہ مند ہوں گے۔

کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قلم کا خیر جاری رہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشے میں آسودہ ہے مگر ان کے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں اس کی بہار ان شاء اللہ سدا قائم رہے گی اور ان کی خوشبو ایمان کے مشّامِ جاں کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔

ناظرین! میں ساتھ دست بدعا ہوں کہ مرحوم کو رضائے الٰہی کی بہشت جاوید میں درجاتِ عالیات نصیب ہوں، کہ ان کے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکریہ ہو سکتا ہے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۹ محرم ۱۳۵۲ھ

باب اول

خصائص النبی ﷺ

خصوصیات نبوی ﷺ کے متعلق متقدمین کی بھی چند کتابیں ہیں، جو اسی زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے موزوں کہی جاسکتی ہیں۔ مع ہذا جو کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے، اُسی کو دہرانا متلاشیانِ مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی ﷺ کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہٰذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف "ما حاضر" کی تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیاتِ قرآنیہ سے کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب [ﷺ] کی خصوصیات کا جاننے والا اور وہی اس کنز مخفی کی مفتاح فرمانے والا ہے۔ کمیِ علم یا سُوءِ فہم کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے:

اوّل: خصوصیات وجود گرامی ﷺ

دوم: خصوصیات نبوت، جس کے فیضان میں عالم وعالمیان بھی داخل ہیں۔

آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ کی توضیح کی گئی ہے۔

نیز اسمائے مبارکہ میں سے چند اسماء عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہذا کو ختم کیا گیا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

فصل اوّل

خصوصیاتِ وجودِ گرامی

ا: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (الفتح ۲۹:۴۸) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

آیت بالا میں نبی ﷺ کا نام بھی ہے اور حضور ﷺ کا منصب بھی بتایا گیا ہے۔ ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کی مظہر ہے۔

(الف) اسمِ ہمایوں: مُحَمَّدٌ

نبی ﷺ کی رفعت شان کے اظہار میں حضور ﷺ کا نام ہمایوں بھی اپنے اندر خصوصیت رکھتا ہے۔ واضح ہو کہ انبیائے کرامؑ میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمّٰی کے کمالاتِ نبوت کا شاہد عدل ہو۔ بطورِ نمونہ چند اسما کا ذکر کیا جاتا ہے:

آدم کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابوالبشر کا یہ نام اُن کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوح کے معنی آرام ہیں۔ باپ نے ان کو آرام وراحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں۔ ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔

یعقوب، پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسوؔ کے ساتھ 'توآم'، [جڑواں] پیدا ہوئے تھے۔

موسیٰ، پانی سے نکالا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

یحییٰ، عمر دراز۔ بُڈھے ماں باپ کی بہترین آرزؤں کا ترجمان ہے۔

عیسیٰ، سرخ رنگ۔ چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسمائے بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کسی طرح مسمّٰی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔ مگر اسم مُحَمَّدٌ کی شان خاص ہے۔

حضور ﷺ کا ذاتی نام مُحَمَّدٌ بھی ہے اور اَحْمَد بھی۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدتِ مادہ موجود ہے یعنی حمد سے بنے ہیں۔ اب معنیٰ حمد کا سمجھنا ضروری ہوا۔

جب صفات میں کمال اور نعوت میں جلال اور فطرت میں احسان بر غیر اور فیضانِ عالم کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام ''حمد'' ہو گا۔

ثناو تکریم، رفعتِ شان و رفعتِ ذکر اور استلزام جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا حرفِ لام یہی بتلا رہا ہے اور اسم پاک حَمِیْد بھی اس راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسان المؤید بروح القدس ؓ نے اپنے مشہور قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ

مُحَمَّدٌ، حَمَّدَ (مضاعف) سے مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں، ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں، زمرۂ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہلِ زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی اُن سجایا و شیم [اخلاق و عادات] کے مداح ہیں، جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بدرجہ اُتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی ''مقام محمود'' والے ہیں اور ''لِوَاءُ الْحَمْدِ'' حضور ﷺ ہی کے رایتِ شاہی کا نام ہے۔ حضور ﷺ کی اُمت کا نام بھی انہی مناسبات سے حَمَّادُوْنَ ہے۔

محمد و احمد کے معنی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل الارض والسماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو، اور احمد وہ ہے جس نے رب السموات والارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض والسموات سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک عَلَم بھی ہے اور صفت بھی۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالاتِ نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

یہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاءؑ کے اسماء ساکت وخاموش ہیں۔

(ب) رسول اللہ کا عَلَم

اسم پاک کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کا عَلَم بھی سورۃ الفتح[۴۸:۲۹]، آل عمران [۳:۱۴۴] میں موجود ہے۔

رسول بروزنِ فعول بمعنی مرسل ہے۔[لفظ] اللہ کی طرف مضاف [منسوب] ہونے سے اس کے معنی یہ ہوگئے ہیں کہ اُس کی رسالت صرف من جانب اللہ ہے، وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بشکل مضاف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا، وہاں مُعَرَّف باللام [الف لام کے ساتھ معرفہ] مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

رسول اللہ کی اطاعت

آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اور آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تنزیل سے آشکارا ہو گیا کہ فرقانِ حمید میں جہاں کہیں بھی اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی وحی موجود ہے اور جتنی آیات اس کی ہم معنی پائی جاتی ہیں، اُن سے حضور ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات مقصود ہے اور حضور ﷺ ہی کو رب العالمین نے مطاعِ عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہلِ اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانے میں یہ عقیدہ مُحْدَثہ [نیا] ایجاد کیا گیا کہ رسول سے مراد آیاتِ الٰہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہٰذا اطاعتِ قرآن فرض ہے اور اطاعتِ محمد ﷺ فرض نہیں۔[1]

---

[1] [یہاں مصنف مرحوم کا اشارہ فتنۂ انکار حدیث کی طرف ہے۔ ہمارے دور میں منکرین حدیث، اہل قرآن کہلائے مگر علمائے حق نے ان کا پردہ چاک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت'' ایک حوالہ کی کتاب (refernce کی) حیثیت رکھتی ہے۔ (مدوّن)]

آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (جو زیبِ عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآنِ مجید سے اس مسئلے [کو] حل کیا جائے۔

اہلِ ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیائے کرامؑ پر یا اُن ملائکہ پر، جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے، فرمایا گیا ہے، لیکن لفظِ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا۔ آیاتِ ذیل پر غور کرو:

حضرت نوحؑ کی زبان سے [فرمایا گیا:]

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (الاعراف۷:۶۱) اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

حضرت ہودؑ کی زبان سے [ارشاد ہوا:]

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (الاعراف۷:۶۷) اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰؑ کی زبان سے [نقل ہوا:]

یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ [الاعراف۷:۱۰۴] اے فرعون! میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ (الصف۶۱:۵)

جب موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت مسیحؑ ۔۔۔ [کے بارے میں کہا گیا:]

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ (النساء۴:۱۷۱) سوا اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول ہے۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔ (المائدۃ۵:۷۵) مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۔ (الصف۶۱:۶) عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت جبریلؑ کی زبان سے [فرمایا گیا:]

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ [مریم ۱۹:۱۹] مریم [سے جبریلؑ نے کہا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں۔

آیاتِ بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوحؑ و ہودؑ موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور جبریلؑ کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔

فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی ﷺ کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ساتھ رسول بمعنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔

ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمۂ رسول اللہ کا ہونا حضور ﷺ ہی کے لیے ثابت ہے، وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہو سکتی۔

۱- لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ (الفتح۴۸:۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے، الکتاب کا نہیں۔ خواب نبی ﷺ نے دیکھا تھا، قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

۲- اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (المنافقون۶۳:۱) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہاں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اس کے رسول ضرور ہیں۔

منافقوں کا آنا جانا دربارِ نبوی میں تھا۔ وہ لوگ نبی ﷺ کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی ﷺ کی جانب ہے۔ تین جگہ حرف "ك" خطاب موجود ہے۔

۳- بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰۤی اَهۡلِیۡهِمۡ اَبَدًا (الفتح۴۸:۱۲) ہاں تمہارے برے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنبوں میں نہیں آئیں گے۔

جانا، لوٹ کر آنا، بچ رہنا، کنبہ دار ہونا، یہ صفات قرآن کے نہیں ہو سکتے۔ غور کرو کہ رسول کو یہاں کنبہ دار، صاحب اہل وعیال بھی کہا گیا ہے، جیسا کہ دیگر مومنین کو بھی کنبہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو تو ایسی آیات بھی متعدد ملیں گی کہ نبی ﷺ کا ذکر بشمول ذکر قرآن پاک ہے۔

(الف) یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ (المائدۃ۵:۶۷) اے رسول پہنچا دیجیے جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔

یقیناً قرآن مجید مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی ﷺ وہ رسول ہیں جو آیت بالا میں مخاطب ہیں، جسے بَلِّغۡ فرمایا وہ فرضِ تبلیغ اُن پر عائد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بھی غور کرو کہ اِلَیۡكَ کا مخاطب بھی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کون ہے جس پر نزولِ قرآن ہوا۔

(ب) كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡكُمۡ اٰیٰتِنَا (البقرۃ۲:۱۵۱) ''ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے اور وہ ہماری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے۔''

اٰیٰتِنَا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرۡسَلۡنَا رَسُوۡلًا کا مصداق کون ٹھہرا۔ وہ مِّنۡكُمۡ والا کون ہے جسے قریش میں حسب ونسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب ونسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

(ج) لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِیۡزٌ (التوبہ۹:۱۲۸) شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔

قرآن مجید کی ایسی کون سی شخصیت ہے جو نوعِ بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔ المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم و علَم بیان فرمانے کے بعد حضور ﷺ کا رسول ہونا اور پھر بحکم الٰہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا، مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی اَلْقُرْاٰن رَسُوْلُ اللّٰہِ موجود نہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ بتلا دیا کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیاں کے مخدوم و مطاع ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ[1] کا طغرا حضور ﷺ ہی کے لیے ہے اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[2] کا فرمان واجب الاذعان حضور ﷺ ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور ﷺ کی شان بلند کو نہایت ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیاتِ بالا سے ثابت ہو گیا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وہی عبداللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، مکی المدنی الامی الہاشمی القرشی الکنانی العدنانی فخر اسماعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ اور بشارت عیسیٰ مسیحؑ ہیں، جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انقراضِ عالم و عالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت میں ہے۔

۲: تم میں سے ایک رسول

رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (البقرۃ۲:۱۵۱) وہ رسول تم میں سے ہے۔

---

[1] [النساء۴:۶۴] ہم نے ہر ایک رسول کو اس لیے بھیجا کہ اُس کی اطاعت ہمارے اذن سے کی جائے۔

[2] [النساء۴:۸۰] جس نے اس رسول کی اطاعت کی اُسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

یہاں مِنۡکُمۡ کے مخاطب قریشِ مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مخدوم و مطاع مانے جاتے تھے۔ نیز اس کے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔ لہٰذا قابل غور ہے کہ مِنۡکُمۡ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟ واضح ہو کہ حضور ﷺ سے پیشتر دنیا کی مشہور مشہور اُمم نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنس انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

نبی کو معبود بنانے کی غلط روِش

ہندوؤں میں 32 کے قریب ایسے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ اوتار کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنی ہیں کہ خود خدا منش (انسان) کے چولے میں آیا۔ یعنی ایشر نے تشکل مادی اختیار کر کے جامۂ مخلوق پہن لیا ہے اور پھر انسان یا شیر یا خوک یا کچھوا وغیرہ بن کر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کیے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح کو اوتار ہی کا درجہ دیا۔

اہلِ تبت نے دلائی لامہ کو خالقیت کی مسند پر بٹھلایا۔

اہلِ انگلستان نے کنگ آرتھر کی کرسی کو معصوم و غیر معصوم کی شناخت کا آلہ ٹھہرایا۔

اہلِ ناروے کا دوڈن بت صدیوں تک یورپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی النقوا بیگم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزندانِ نور قرار دیا۔

زنانِ مصر نے بھی جمال یوسفی دیکھا تو جھٹ اُن کے بشر ہونے کی نفی کر کے اُن کو فرشتۂ بزرگ کا لقب دیا۔

حضور ﷺ نے اس روِش کا خاتمہ کیا

ان حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا اعلیٰ ترین درجہ قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ مِنۡکُمۡ نے ایک طرف انسان کا اَشۡرَفُ مَا کَانَ ہونا بتلایا اور دوسری جانب ان کوتاہ بینوں کو نظر بلند پرواز کا ہم عنان بنایا۔ توہمات کے بادل چھٹ گئے، ظنون و اوہام کا پردہ پھٹ

گیا، ناواقفیت کا حجاب اٹھ گیا اور نقش حقیقت لوحِ قلب پر جا گزیں ہوا، کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقتدار فوق الطبیعات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ اس لیے سرورِ کائنات ہیں کہ کمالاتِ عبدیت کا اتمام و احتشام حضور ﷺ ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا [بنی اسرائیل ۱۷:۹۳] نہیں ہوں میں مگر بشر اور رسول۔

پس مِنْكُمْ نے درجۂ بشریت کو بالاتر بنا دیا ہے اور نبی ﷺ کی ذاتِ ہمایوں کو کوتاہ بینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع و اعلیٰ ثابت کیا ہے، جس سے حضور ﷺ کا رسول رب العالمین اور مبشر اجمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

۳: نامعلوم چیزوں کا علم

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ [النساء ۴:۱۱۳] تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔ اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔ دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوتِ شنوائی و بینائی یعنی حِسیّات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواسِ انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم پا جانا" رکھا جاتا ہے۔

انبیاءؑ کی تعلیم اُن کے قلب سے شروع ہوتی ہے۔ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ [البقرۃ ۲:۹۷] لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (الاعلیٰ ۸۷:۶) ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔

تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلّم یا متعلّم میں نہیں پائی جا سکتی۔

جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کو غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں احوالِ ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبارِ مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہدِ حال کے احکام بھی بکثرت ہیں، تب یقین ہو جاتا ہے کہ النبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لیے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو اَن پڑھ ہونے پر فخر تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متحدہ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ پھر چالیس سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلّم سے ناآشنا بھی رہی۔ لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تَلَمُّذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کے دفتر کھول دیے۔ آیتِ اوّلین اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (العلق ۹۶:۱-۲) ”پڑھ، اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا“ پر نگاہ ڈالیے کہ حضور کی الف، با، تا، حقیقتِ خلقتِ انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلۂ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔ لہٰذا آیتِ بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

۴: شرحِ صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (الانشراح ۹۴:۱) کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھول دیا۔

شرحِ صدر کے متعلق ایک اور روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انسؓ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی ﷺ کے عالمِ صغر سنی سے ہے، جب کہ حضور ﷺ دائی حلیمہؓ کے قبیلے میں تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے سینۂ مبارک میں اثر مخیط بھی دیکھے تھے۔[1]

---

[1] [اس روایت کا آخری حصہ مسلم میں موجود نہیں ہے۔ امام حاکم نے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ صحیح الاسناد ہے مگر صحیحین نے اسے تخریج نہیں کیا۔ دیکھیے: المستدرک، کتاب التفسیر، باب تفسیر الم نشرح۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۸۔ (مدوّن)]

شرحِ صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ہے، جس میں شقِ صدر شبِ معراج کو بمقامِ حطیم ہوا تھا۔[1] قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے، وہ روایتِ بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور باایں ہمہ وسیع تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱- فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (الانعام ۶:۱۲۵) جس شخص کو اللہ راہِ راست دکھانا چاہتا ہے اُس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بھچا ہوا کر دیتا ہے۔

۲- اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر ۳۹:۲۲) بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

۳- وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ (النحل ۱۶:۱۰۶) لیکن جس کا سینہ کفر کے لیے کھلا ہے، اُن پر اللہ کا غضب ہے۔

۴- وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (الشعراء ۲۶:۱۳) میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں۔

۵- قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۔ (طٰہٰ ۲۰:۲۵-۲۶) کہا: اے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنادے۔

آیت اوّل میں شرحِ صدر اُسی حالت کو فرمایا گیا ہے، جب ہدایتِ الٰہی توفیقِ راہ اور رفیقِ سالک ہو جاتی ہے اور سینہ میں دینِ صحیحہ کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔

---

[1] [بخاری، کتاب مناقب الانصار، بَابٌ فِي الْمِعْرَاجِ، ۳۸۸۷۔ مسلم، کتاب الایمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، ح ۴۱۶۔]

آیت دوم میں ہے کہ رغبتِ صحیحہ اور شوقِ اصلی کے بعد دینِ حق حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکاتِ دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔

آیتِ سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بجانب کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا اور غضبِ الٰہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

آیت چہارم و پنجم موسیٰؑ کے متعلق ہیں، جب اُن کو تبلیغ و انذار کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا، تب اُنہوں نے اسی خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بارِ خدمت سے بھنچا جاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ جب اُن کو اطمینانِ مزید من جانب اللہ عطا فرمایا گیا، تب انہوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

پنجگانہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جائے اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے جو ہدایت و نور تک فائز ہو جانے کے لیے کافی ہو۔

شرحِ صدر کے معنی اور اسوۂ حسنہ

نبی اللہ کے لیے شرحِ صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ و انذار کے لیے ہمت عالی اور عزمِ راسخ اور استقامت محکم حاصل ہو۔ کسی بادشاہِ جبروت، کسی کافر کی فرعونیت کا رعب سینہ صافی پر سایہ فگن نہ ہو سکے۔ اپنی تنہائی، بے کسی، بے سر و سامانی کا خیال بھی اُٹھ جائے۔

اب آیت زینتِ عنوان[1] کو سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور ﷺ کو قُمْ فَاَنْذِرْ[2] کا فرمان ملا تو حضور ﷺ نے کوئی عذر نہیں

---

[1] [مراد آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح ۹۴:۱) ہے۔ مصنف نے اس کو بحث کا عنوان بنایا تھا۔ یہ تدوینِ نو میں عنوان کے بعد پہلی آیت ہے۔ (مدوّن)]

[2] [المدثر ۷۴:۲۔ اُٹھو، اور خبردار کرو]

کیا، کسی خوف وہراس کا اظہار نہیں فرمایا۔ تکذیب کا خوف، قتل کا ڈر، قلب پاک کے نزدیک بھی نہیں آ سکے۔ موسیٰ ؑ کو تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا، لیکن نبی ﷺ کے معاندین میں سیکڑوں ہی فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومت منتظمہ کا حکمران تھا، اس لیے اس نے قتلِ موسیٰ کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا:

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۙ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۫ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ۔ ([الشعراء] ۲۶:۳۴-۳۶) فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادو گر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمہارے ملک سے نکال دے، اب تم بتلاؤ کہ مشورہ کیا ہے؟ سرداروں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دیجیے۔

مگر عرب کے سفاک و خونریز تو نہ کسی کونسل کی رائے کے پابند تھے اور نہ کسی سے مشورت کرنے کے روادار۔ نبی ﷺ حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغِ قوم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ سینہ جو اَب تک علومِ درسیہ سے بھی خالی تھا، نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاروں در ہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلتے اور اہل دنیائے دنی کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ پر تدبر کرنے والا جب دیکھے گا کہ شرحِ صدر وہ مقام رفیع ہے جس کے لیے موسیٰ ؑ کو خود طلب و مسألت کرنی پڑی اور نبی ﷺ کو قبل از سوال یہ عطیہ عطا ہوا اور پھر خود رب العالمین نے حضور ﷺ سے اس کی تصدیق کا سوال بطورِ استفہامِ تقریری فرمایا۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیتِ علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

۵: بوجھ اُتارنا

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ ([الانشراح] ۹۴: ۲) ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ پر سے اُتار دیا۔

وِزْر بارِ گراں کو کہتے ہیں۔ حَمْلِ وِزْرٍ کسی دوسرے کو بارِ گراں سے سبک دوش کر کے خود اُس کی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ انہی معنی میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰیۚ [الانعام ۶:۱۶۴] کوئی گنہگار کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔

وَزِیر، وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مرجع ہوتا ہے۔

موسیٰؑ پر جب بارِ نبوت ڈالا گیا تو اُنہوں نے دعا کی تھی:

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی۔ (طٰہٰ ۲۰:۲۹-۳۰) میرے کنبہ میں سے ایک کو میرا وزیر بنادے میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایان ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ فرائضِ نبوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ موسیٰؑ نے تو پہلے ہی دن وزیر ملنے کی درخواست کر دی تھی، مگر نبی کریم ﷺ نے اس میدان میں یکہ و تنہا قدم رکھا تھا، اور آفتابِ عالمتاب کی طرح فضا میں چھائے ہوئے تاروں کی کثرت پر، یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذاتِ واحد عَلَم توحید اور رایتِ تبلیغ [عَلَم و رایت: جھنڈا] کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس طاعت و فرماں برداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کی اعانت فرماتا اور حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبانِ عرب میں مُوازَرت بمعنی معاونت مستعمل ہے۔ وَازَرْتُ فُلَانًا مُوَازَرَةً کے معنی ہیں اَعَنْتُهٗ عَلٰی اَمْرِهٖ یعنی اُس کے کام میں مدد کی۔

بوجھ کیا تھا؟

مفسرین کے اقوال متعدد ہیں اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیبِ کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَۙ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَۙ کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتوں کے درمیان میں ہو۔

اس وِزْر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیت سے ہو سکتا ہے:

۱- لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء ۲۶:۳، الکھف ۱۸:۶) کیا تم اپنی جان کو اُن کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

۲- فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (یٰسٓ ۳۶:۷۶) اُن کی باتوں سے آپ کے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیے۔ ہم اُن کی چھپی اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔

اہلِ ضلالت کا کفر پر لزوم، شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، تقلید آباء پر اصرار، تحقیقِ حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطیل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، سبعیت [درندگی] کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا سننا، دیکھنا، حضور ﷺ پر بارِ خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور ﷺ کے رحم پرور دل پر سخت صدمہ تھا۔

بوجھ اُتارنے کی صورت

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اعانت سے حضور ﷺ کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیلتی گئی۔ کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے ان پاکیزہ منش لوگوں کو اُبھارا اور خدمتِ عالی میں اُن کو پہنچایا، جو اسلام کے لیے سابقین اوّلین ٹھہرے۔

اُنھوں نے نہ صرف اپنے لیے غذائے رُوح حاصل کی، بلکہ سینۂ نبوی سے وہ دردِ دل بھی اخذ کیا جو کہ دردمندوں کا غمگسار ٹھہرا اور مجروحوں کا چارہ کار بنا۔ مثلاً صدیق الاُمّت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُموی، فہری، تیمی، مخزومی، اسدی، عدوی قبائل میں نورِ تبلیغ پہنچایا۔ حبشی، بربری، سوڈانی، [کنیز] و غلام کو مُّسْفِرَةٌ ۔ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (روشن، خندہ رُو، بشارت یافتہ چہرے [والوں]) کی جماعت میں داخل کیا۔

خاتم الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آلِ ہاشم و آلِ بنو طالب میں نصرت و معیت کا آوازہ لگایا۔ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ریگستان میں اور عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

یہ وہ نظارہ تھا جس نے حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا جو حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بازو کی قوت اور کمر کی صلابت واستقامت اور قلب کا سکینہ بن گیا تھا۔ فی الحقیقت یہ وہ کمال ہے جو سیدنا ومولانا محمد النبی الامی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

۶: رفعِ ذکر

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۹۴: ۴) اور ہم نے تیرا نام بلند کر دیا۔

بحر الکاہل کے مغربی کنارے سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارے تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے جس نے صبح کے رُوح افزا جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خموشی میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی سُریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔[1]

یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو اُن کی ہستی کے بہترین آغاز وانجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔ کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے؟!

آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اُس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز وشب اسی طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہ ہائے گوش کو چیرتا ہوا قعرِ قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں، وہ

---

[1] بغوی نے باسناد ثعلبی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریلؑ سے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا۔ إِذَا ذُكِرْتَ مَعِيَ۔ [یعنی جب میرے نام کے ساتھ تیرا نام بھی ذکر ہو] ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی میں اذان واقامت تشہد و خطبہ مراد ہیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں:

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ — مِنَ اللهِ مَشْهُورٌ يَلُوحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهِ — إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ: أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ — فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

اعلان صرف اُس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اُس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بے شک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اُسی بر گزیدۂ اَنام کے نامِ نامی کو حاصل ہے جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی کہ اُس کے نام کو برکت دی جائے گی۔[1]

پرائے بھی ذکر جمیل پر مجبور

طامس کارلائل کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ و زبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے۔ وہ ''ہیروز آف ہیروز'' لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہِ انبیاء میں سے صرف حضور ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰؑ کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے، جو آج تک بحیرۂ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں، ناواقف ہے؟!

کیا وہ داؤدؑ کو نہیں جانتا، جنہوں نے بنی اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائیدار کیا کہ اُن سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندانِ یعقوبؑ نے کبھی نہ دیکھا تھا؟! کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤدؑ نے عبادت و موسیقی کو جمع کر کے ہَوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا؟! موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اُچھل پڑنا چاہیے تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل [کو] یسعیاہ کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں جو اَناجیل متی [و] یوحنّا کی تصانیف کا مایۂ خمیر ہیں؟!

---

[1] [کتاب یسعیاہ، باب ۱۹، درس ۲۴-۲۵ میں اس طرح کے خیالات ملتے ہیں لیکن بظاہر وہ آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی معلوم نہیں ہوتی۔ (مدوّن)]

کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی اُن برکات سے بے خبر تھا جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و اکرام پر آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل و صلب سے بچالیا تھا، جس نے سیکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا؟!

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا جس نے اسیری سے رہائی پاکر اتنا بڑا ایوانِ یروشلم تعمیر کر دیا تھا جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ سمجھا جاتا تھا؟!

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریاؑ کی کہانت[1] اور حضرت یوحنّا بپتسمہ دہندہ کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا؟!

ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے عزیزو! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہِ انبیاءؑ میں سے صرف حضور ﷺ سرورِ کائنات ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کارلائل کو انبیاء میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ ہی کے نام پر اُسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکماء و شعراء اور فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہٰذا ہماری دلیل اور بھی متین و وقیع ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی موَرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت محمدیہ ﷺ کو دیکھا، تب اُسے ہزاروں سال کے

---

[1] لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار عن الغیب میں آتا ہے اور اسی لیے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیاءؑ کی پیشین گوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اس لفظ کا استعمال یہاں انہی معنی میں کیا ہے۔

عہدِ وسیع کے آسمان پر اور کوئی بھی کوکب نبوت نظر نہ آیا، جسے اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعتِ ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی، کیمبرج یونی ورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلّمہ استاد، جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے، ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سیکڑوں انبیاء کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی ﷺ ہی کے وجودِ باجود کا ذکر کر سکا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو قرآن حکیم میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳:۲۱) تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔

رفعِ ذکر اور کتبِ سابقہ

رفعتِ ذکر کا بیان جس طرح اہلِ ایمان کرتے ہیں اُسے بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ہم نے موجودہ بائبل سے ثابت کر دیا ہے [کہ] سیدنا ابراہیمؑ سے لے کر یعقوبؑ و موسیٰؑ، داؤدؑ سلیمانؑ، یسعیاہؑ، یرمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحییٰؑ و عیسیٰؑ نے محامدِ محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیبِ بدیعہ اور علاماتِ متنوعہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

انجیل اول کے مصنف سینٹ متی نے ان چند پیشیں گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیحؑ کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اُس کا موازنہ کرے اور پھر اُن آیات بینات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور نبی ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو محبت صادقہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل اُن کو مضامین بائبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر

سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیحؑ کی ذات گرامی سے تھا۔ ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیحؑ ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیش گوئیوں کو لیتے ہیں جو جناب متی کے زمانے تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصداق نبی ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سُن رکھیں کہ اسی موجودہ بائبل کے اندر نبی ﷺ کا مبارک نام مقامِ ولادت اور دارِ ہجرت اور حضور ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور ﷺ سے برسرِ پیکار آنے والی قوموں کے نام اور اُن کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں [کہ وہ] وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی صحیح تفسیر ہیں، اور اُن سے یہ امر بوضوحِ تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور ﷺ کی رفعتِ ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔ بے شک اس فضیلتِ علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور ﷺ کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ

۷، ۸، ۹: تعلقِ خاطر، حسنِ انجام، رضامندی

۱- مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (الضحیٰ ۹۳:۳) تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا، نہ تجھ سے ناراض ہوا۔

۲- وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ ۹۳:۴) آخرت تیرے لیے اُولیٰ سے بہتر ہے۔

۳- وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ ۹۳:۵) تیرا رب تجھے اتنا کچھ دے گا کہ تو راضی [و] خوش ہو جائے گا۔

ہر سہ آیات سورۂ والضحیٰ کی ہیں۔ علماءِ مفسرین کا اتفاق ہے کہ ابتدائے بعثت میں اوّل اوّل کلامِ الٰہی کا نزول ہوا اور اس کے بعد وحی میں ابطاء (دیر و درنگ) ہوا۔ وحی کا رُک جانا، نبی ﷺ کی طلبِ صادق کی ترقی اور شوق کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے [کہ] طلب واشتیاق تردد واضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب وروح پر وحیِ ربانی نے جو بابِ علوم وحقائق کھول دیا تھا، اُس کے لیے بیش از بیش کیوں طلب نہ بڑھ جائے۔

زمانِ ہجر بڑھتا گیا تو اشتیاقِ صادق میں گوناگوں توجیہات پیدا ہونے لگیں۔

۱-ابتدا تو خود اُس دل رُبا نے کی ہے!!

۲-اُس نے خود اپنے پیام سے مجھے شاد کام فرمایا!

۳-پھر اب یہ خاموشی کیسی؟!

۴-نہیں، اُس بارگاہِ عالی کی جانب لفظ خاموشی کا اطلاق بھی کیوں صحیح ہو؟!!

۵-یہی داخل ادب ہے کہ میں اُس کے کسی سبب کو اپنی ہی طرف منسوب کروں!

۶-کیا مجھے اسی نشے میں، اسی تڑپ، اسی سوز، اسی گداز میں چھوڑ دیا جائے گا؟!

۷-اس حالت کا خاتمہ کب تک ہوگا؟!

یہ وہ خیالات ہیں جو محب صادق کے دل میں جوش زن ہو سکتے ہیں۔ آخر انتظار کا زمانہ ختم ہوا۔ بارگاہِ قدسی سے ایسے خیالات کا ازالہ کیا گیا جن کو شوق وارادت کی مجموعی حالت نے پیدا کر رکھا تھا یا سوز وگداز نے قالبِ قلب کو گرما رکھا تھا۔

پیارے! تودیع کسے کہتے ہیں؟!

قَلٰی کا ذکر کیا؟-!

جس مالک کی ربوبیت نے تجھے پالا پوسا ہے،

جس نے از آدم تا ایں دم وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کے اطوار میں تیری نگہداشت فرمائی ہے،

جس نے ایامِ یتیمی میں تیری حفاظت دُرِّ یتیم کی طرح کی ہے،

جس نے عیال کی کثرت میں تجھے اس کے جنجال سے پاک رکھا ہے،

جس نے کوہِ حرا کو تیرے لیے طور بنا دیا ہے،

جس نے آگ کے ظاہری چمک کے بغیر تیری آنکھوں کے نور سے، تیرے قلب کو سرور سے، تیری روح کو راح سے، تیرے ایمان کو ایقان سے معمور، بھرپور اور نوڑ علیٰ نور کر دیا ہے،

اس کی طرف سے وَدَاع وقَلیٰ تو ہو ہی نہیں سکتا۔[1]

اچھا، اب ہم تمہیں ایک مژدۂ روح پرور سے شاد کام کرتے ہیں کہ ''اب آنے والا زمانہ گزرے ہوئے وقت سے خوش تر و نکو تر[2] ہو گا۔''

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ[3] تو اس درگاہ کی بسم اللہ تھی، آئندہ معارف و حقائق کے دروازے کھلے رہیں گے اور انوار و برکات اور مشاہدات و تدلیات کے ترشّحات چمن آرائے نبوت ہوں گے، نصر و تمکین کا نشان سربلند ہو گا، فراوانی علوم اور کثرتِ مومنین کا نظارہ خوش آیند۔

---

[1] صحیحین میں جندب ابن سفیان بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو یا تین شب بوجہ شکایت جسمانی بستر سے نہ اٹھے تھے۔ ایک عورت نے آکر کہا کہ محمد ﷺ میں سمجھتی ہوں کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا اور علیحدہ ہو گیا۔ کیوں کہ وہ دو تین شب سے تیرے پاس نہیں آیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قلیٰ کا لفظ اس کافرہ نے استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ردّ میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ [بخاری میں یہ روایت چار مقامات پر آئی ہے۔ کتاب الجمعۃ، باب ترک القیام للمریض، ح ۱۰۵۷، کتاب التفسیر، بَابُ مَا وَدَّعَكَ۔۔۔ ح ۴۵۶۹، ایضاً، ح ۴۵۷۰، كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، بَابُ كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ۔۔۔ ح ۴۶۰۰۔ مسلم میں دو مقامات، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ مَا لَقِيَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَذَى الْمُشْرِكِينَ، ح ۳۳۵۴، اور ۳۳۵۵ پر موجود ہے۔ بخاری کی ایک روایت (ح ۴۵۷۰) میں تو یہ عورت کوئی مسلمان معلوم ہوتی ہے، باقی روایتوں سے کافر عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ مگر ان میں سے کسی روایت میں بھی عورت کے قول میں وَدَّعَكَ یا قَلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ (مدوّن)]

[2] [نکو تر، فارسی کا لفظ ہے، بمعنی زیادہ اچھا] آیت بالا میں لفظ آخرت کے معنی عالمِ آخرت دار الجزاء یقینا ہیں، لیکن اس لفظ کا اطلاق وسیع معنی میں بھی ہوا ہے۔ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ (العنکبوت ۲۰:۲۹) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۔ (ص ۳۸:۷) لہٰذا آخرت کا ترجمہ زمانہ مابعد بھی ہو سکتا ہے۔ خازن نے تحریر فرمایا ہے: وَحَمْلُ الْآخِرَةِ عَلَى ظَاهِرِهَا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَعًا أَوْلَى.

[3] [العلق ۹۶:۱] اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل و تنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا۔ بائبل میں پہلے سے یہ پیشیں گوئی موجود تھی، حکم پر حکم، حکم پر حکم، تھوڑا یہاں، تھوڑا وہاں۔

عطا و نوال کی مقدار کو خود جناب رسالت مآب ﷺ کی خوشنودی و رضا پر مقرر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف قلق و اضطراب کے ازالے کی حد تک مقصود کیا گیا، بلکہ خود طلب و شوق کی فراخی اور دل و روح کی خوشنودی کو اس کی حد بتلایا گیا۔

یہ انتہا تھی فضل و اکرام کی، یہ حد تھی تکمیلِ کمالات کی۔

یہی نبی ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار کو خود حضور ﷺ کی خوشنودی و رضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔

اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور ﷺ کے اصحاب کو بھی خلعتِ رضوان سے مشرف فرمایا ہے:

(الف) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح[۱۸:۴۸]) اللہ مومنوں سے رضامند ہوا، جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔

(ب) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البینۃ[۸:۹۸]) اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

فرمایا:

(ج) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (التوبۃ[۲۰:۹]) ایمان لانے والے جنہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں مال اور جان سے جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی اپنی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ (التوبة[۹:۲۱]) اُن کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنات کی بشارت دیتا ہے۔ بہشت، جس میں دائمی نعمتیں ہیں، اُن کے لیے ہوں گے۔

فرمایا:

(د) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (التوبة[۹:۷۲]) اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلند تر کامیابی ہے۔

فرمایا:

(ھ-) رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدة۵:۳] میں خوش ہوں کہ اسلام تمہارا دین ہو۔

ہمارا یقین و ایمان ہے کہ یہ شان نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمن اور خوشنودیٔ منان کا گراں مایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا اور اس طرح پر وہ وعدۂ صادق پورا کیا گیا، جو آیت زیب عنوان میں ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى [الضحیٰ۹۳:۵] تیرا رب تجھے وہ کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔

اس کا مکمل نظارہ اہلِ ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کریں گے، جب کہ اُن کے طلب و سوال اور وہم و گمان سے بھی سیکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائے گا۔

۱۰: نبیِ اُمی

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ (الاعراف[۷:۱۵۷]) وہ نبی اُمی ہیں۔

یہ محقق ہے کہ سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے سوا الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام کو اور سابقہ اُمم کو بتلایا گیا ہے۔

اُمی ہونے کے معنی

علماء نے اسم اُمی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ ناظرین کے لیے اُن پر عبور موجب فرح و سرور ہو گا۔

(الف) اُمی، امّ القریٰ کی نسبت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام اُم القریٰ فرمایا ہے:

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ۔ (الانعام ۶:۹۲) کہ تو اُمّ القریٰ کو اور اس کے گرداگرد کی بستیوں کو ڈرائے۔

مشہور قدیم جرمن مورخ سپرینجر اور سکریدر کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے جو اولادِ سام کا اصلی وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایاتِ صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی "بلدہ مکہ معظمہ" ہے جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا اور بربریت و توحش کو چھوڑ کر عمران و تمدّن کی زندگی میں داخل ہوئے۔

الغرض تاریخ اور روایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ "امّ القریٰ" ہے۔ اب سیدنا ابراہیمؑ کی دعا کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ انھوں نے بنائے مکہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ۔ (البقرہ ۲:۱۲۶) اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنائیو، اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔

دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ (البقرہ ۲:۱۲۹) ان میں ایک شاندار رسول بھی، جو انہی میں سے ہو، مبعوث کیجیو۔

دعائے خلیل میں دو باتیں عجیب ہیں:

۱- اس بستی کے رہنے والوں کے لیے جہاں کی زمین ناقابل زراعت ہے، میوہ جات و ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔

ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آرہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں، ترکاریوں اور گوناگوں میوہ جات سے بھرے نظر آتے ہیں۔ یہ علامتِ ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من وعن شرفِ قبولیت بخشا۔

۲۔یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراکِ جسمانی یا لذائذِ کام ودہن تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا بلکہ روحانیت کے لیے دُعا کے الفاظ زیادہ پُرزور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل کا رسول مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا۔ اُس کے [قومی] ونسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بستی کے سردار تھے۔ لہٰذا اُمّ القریٰ کی نسبت سے اُسے اُمی کہنا درست ٹھہرا۔

(ب) [اُمی امت سے ہے] اُمت کی ''ت'' بوقتِ نسبت گر گئی ہے، جیسے مکہ سے مکی۔ اندریں صورت اسم اُمی اس حدیث صحیحہ کی تفسیر ہے جو صحیح مسلم میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہے۔

اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبْعًا[1] کثرت اُمت کے لحاظ سے میں سب انبیا سے بڑھا ہوا ہوں۔

(ج) اسم اُمی، اُمّ کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ نبی ﷺ بوجہ پاکیٔ فطرت و عصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔ اُم المومنین عائشہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعارِ ذیل نبی ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سن کر آقائے نامدار نہایت مسرور الوقت ہوئے تھے۔[2]

وَمُبَرَّءٌ مِّنْ کُلِّ غُبَرٍ حَیْضَةٍ ۔۔۔ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مِغْیَلِ
وَاِذَا نَظَرْتَ اِلٰی اَسِرَّةِ وَجْهِهٖ ۔۔۔ بَرَقَتْ بُرُوْقُ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

---

[1] [مسلم، کِتَابُ الْإِیمَانِ، بَابٌ فِی قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ: أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ أَشْفَعُ، ح۲۸۹]

[2] خصائص الکبریٰ، جلد اول، ص ۲۰ بروایت خطیب ابن عساکر و دیلمی۔

(د) اُمی، اُمّ کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کی لوح قلب پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملکِ عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچے کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔ یہودیوں نے اسی لیے اہلِ عرب کا نام اُمّیون رکھ دیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔ (آل عمران[۳:۷۵]) یہودی کہتے ہیں کہ ہم اُن اُمی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔

یہی نام اہلِ عرب کے لیے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا (الجمعة[۶۲:۲]) اللہ وہ ہے جس نے اُمّیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔

یہی لفظ اہلِ کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ۔ [البقرة[۲:۷۸]] یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔

الغرض لفظ اُمی سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ طرز و طریق خواندگی اہلِ دنیا سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (العنکبوت[۲۹:۴۸]) اے رسول! قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دستِ راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا، تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔

معنی بالا کے لحاظ سے اسم ''النبی الامی'' حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی، نبأ سے ہے اور نبأ واقعۂ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علومِ عالیہ اور وقائعِ عظیمہ کی اطلاع اہلِ علم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو علومِ عالیہ اور شرائعِ عالیہ اور نوامیسِ ربّانیہ کی اطلاع براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو ''نَبَاوَۃٌ'' سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ ''نَبَاوَۃٌ'' کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو جہاں کوئی انسان اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفائے ربّانی ہوتا ہے۔

النبی الامی کے وصف نے بتلادیا کہ حضور ﷺ حرف شناسی و خط کشی سے تو دُور ہیں اور باایں ہمہ علومِ عظیمہ و آیاتِ کاملہ کا صدور حضور ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہلِ سیرت جانتے ہیں کہ حضور کو ''النبی الامی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا، بلایا جاتا اور حضور ﷺ اسی طرزِ خطاب سے خرسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہلِ زمانہ کا حال دیکھو کہ جوں ہی کسی شخص کو ذرا شُدبُد کہنے کی لیاقت ہوئی تو وہ اپنے لیے فاضل، اکمل، الوذعی، المعی، علامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتا ہے اور یہ ہر ایک صاحبِ قلم و زبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اُس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے۔ لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں، جن کو ہر وقت خواندگی کا اعتراف اور اُمی ہونے کا اقرار ہے۔

اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علماء سیکڑوں فلاسفر حاضر ہوتے، زانوئے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم و فہم اور حضور ﷺ کا عرفان قطرہ و قلزم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ تمام دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق، محامد اعمال تدبیرِ منزل، سیاستِ مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلّی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اُس کی درس گاہِ قدس کے

دروازے کبھی بند نہیں ہوتے، وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے، وہاں ایک صحرا نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بہ آنِ واحد اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت اُمی لقب سے عَلَّمَنِی رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ[1] کا نور ظہور بخش ہے اور وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔

(ہ۔) لقب اُمی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اوّل الانبیاء ابوالبشر آدمؑ سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبداللہ عیسیٰ بن مریم تک جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور ﷺ کے نعوتِ عالیہ اور اوصاف جلیّہ بیان کیے۔ الف سے آدم، میم سے مسیح مراد ہے اور یائے نسبت اس راز کی کاشف ہے۔

اُمی و گویا بزبانِ فصیح از الف آدم و میم مسیح[2]

۱۱: عطائے کوثر

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر ۱۰۸:۱) [ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔]

کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لیے ہے۔ جب اُسے بھی بروزنِ مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَلْكَوْثَرُ الْخَیْرُ الْكَثِیْرُ الَّذِیْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ۔ قَالَ اَبُوْ بِشْرٍ: قُلْتُ لِسَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ: اِنَّ اُنَاسًا یَّزْعُمُوْنَ اَنَّهٗ نَهْرٌ فِی الْجَنَّةِ۔ فَقَالَ السَّعِیْدُ: اَلنَّهْرُ الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ مِنَ الْخَیْرِ الْكَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاهُ اِیَّاهُ۔[3] ابو بشرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے انہوں نے ابن

---

[1] [تَنْزِیْهُ الْمَوْضُوْعَاتِ لِلْفَتَّنِی، ص۸۰]

[2] مخزنِ اسرار نظامی گنجوی۔

[3] [بخاری، کتاب التفسیر، باب۔۔۔، ح۴۵۸۴، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابٌ فِی الْحَوْضِ، ح۶۰۹۲]

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشرؒ کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیرؒ سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ سعید نے جواب دیا: ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے [جو] اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

حوضِ کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔[1] لہٰذا حوضِ کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیبِ عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیا کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

۱- ازاں جملہ: اُمت محمدیہ ایسی نبوت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔ اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔[النساء ۴:۸۰] ''جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، کا فرمان صادر ہوا۔

اور اسی نبوت کے گل ہائے رنگین میں سے ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔[النساء ۴:۶۴] ''ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لیے بھی کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت میں کی جائے، کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔

- صاحبِ کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ فِي الْحَوْضِ، ح ۶۰۹۴۔ مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابُ إِثْبَاتِ حَوْضِ نَبِيِّنَا ﷺ وَصِفَاتِهِ، ح ۴۲۵۸۔ اس موضوع پر حضرت کے علاوہ دوسرے صحابہؓ سے بھی متعدد مضامین پر مشتمل احادیث منقول ہیں۔ (مدوّن)]

- صاحبِ کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربّانی فرمایا گیا۔
- صاحبِ کوثر کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخِ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت، انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔

رب العالمین کے کلام پر غور کرو، وہ یہ بھی فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔[آل عمران ۳:۱۸] اللہ کی شہادت ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔

نیز وہ یہ بھی اعلام فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۔[المنافقون ۶۳:۱] اللہ کی یہ بھی شہادت ہے[1] کہ محمد، اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔

جب ربّ المشرقین وربّ المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدّق و مؤکد فرماتا ہے تو نبوتِ محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

۲-ازاں جملہ: کوثر سے مراد اسلام ہے۔

- وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔
- وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلام فرمایا۔
- وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور اصلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

۳-ازاں جملہ: کوثر سے مراد کثرتِ اُمت محمدیہ ہے۔ یہ کثرت حد و عدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فی یومٍ ترقی پذیر ہے۔ ۱۸۸۱ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔

---

[1] [مولف نے اس جگہ يَعْلَمُ کی جگہ يَشْهَدُ لفظ لکھا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ (مدوّن)]

چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دوچند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحرِ فنا میں گر رہی ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سُوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

۴-ازاں جملہ: کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔

- یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد، جس کی مدح و ثنا کے استیفا سے عاجز ہے۔ عمرِ نوح اور فہمِ جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصرِ اَسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔
- بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزاتِ انبیا کا اظہار ایک وقتِ خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہدِ مبارک میں اُس معجزہ کا وجود و نمونہ پایا جاتا تھا۔
- موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا، پھر اژدہا کا سیرتِ اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہِ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔

وہی عصا بنی اسرائیل کے لیے انفجارِ ماء کا آلہ بنا۔ ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصارہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

- قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ ہے، دائمی معجزہ ہے، ابدی معجزہ ہے۔ اس کا اعجاز ہر وقت، ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالمِ دین اس کے معجزہ ہونے کی براہینِ صادقہ ہر وقت و ہر حین پیش کر سکتا ہے۔ بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمن ہونا ضروری تھا۔

۵- [ازاں جملہ:] کوثر سے مراد وہ فضائلِ کثیرہ اور محامد جملہ اور نعوت متکاثرہ ہیں، جو وجودِ باوجود مصطفوی میں مندرج و منطوی تھے۔

- انابت آدم...اور...استقامت نوح
- حلم اسماعیل...و...علمِ خلیل
- درس ادریس...و...تنفیث شیث
- حقانیت اسحاق...اور...عاقبت بنی یعقوب
- نورانیت یوسف...و...صالحیت صالح
- ہدیٰ ہود...اور...جمعیت شعیب
- لطافتِ لوط...اور...عبرت عزیر
- شکوہ سلیمان...و...اندوہِ یحییٰ
- دادِ داؤد...و...دعائے یونس
- ایاب ایوب...و...ذہاب زکریا
- امامتِ ہارون...و...ایناس الیاس
- زہد عیسیٰ...و...علوِّ موسیٰ
- احسانیت لقمان...و...انقیادِ خضر
- مساعی الیسع...و...کفالیّت ذوالکفل عَلَیْہِمُ السَّلَامُ

یہ ایسے الوانِ گوناگون ہیں جو الٰہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں۔ رحمۃ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

۶- [ازاں جملہ:] کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔

- یقیناً حضور سیدُ ولدِ آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو یٰسٓ کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔
- بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ مشعلِ ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دُور فرمایا۔
- حضور ﷺ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشمِ کور سَواد کو بینائے حقائق بنایا۔
- حضور ﷺ ہی وہ نور بحت ہیں کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔
- حضور ﷺ ہی وہ عبدِ کامل ہیں کہ انسانیت کو تختِ سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر، نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور اُمید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگانِ جمال حضور ﷺ کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشانِ خشک زباں حضور ﷺ کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ [آمین]

۱۲: فتحِ مبین و مغفرت ذنب

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا [الفتح ۱:۴۸-۳][1]

آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور اُس کے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں:

۱- مقدم و مؤخر ذنب کا غفران

۲- اتمام نعمت

۳- صراطِ مستقیم کی ہدایت

۴- نصر عزیز کی یاوری و معیت

۱- مقدم و مؤخر ذنب سے مراد

---

[1] مخزنِ اسرار نظامی گنجوی۔

علماءِ کرام نے ذنب ماتقدم وماتاخر پر خوب بحث کی ہے اور اُن کا غفران بتلایا ہے۔

(الف) کسی نے ماتقدم ... سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا اور معنی یہ بتلائے کہ امورِ جاہلی کے غفران کی خبر دی گئی ہے۔

امام سُبکی کا اس پر اعتراض ہے کہ نبی ﷺ تو کبھی قبل از نبوت بھی امورِ جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا، ناکردہ فعل کے غفران کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

(ب) زمخشری اور بیضاوی نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العالمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف وعنایت بنادیا۔

امام سبکی کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے، عصمت انبیاءؑ کا مسئلہ مسلّمہ ہے۔ انبیاء سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے نہ صدور صغائر۔ لہٰذا یہ توجیہہ بھی نادرست ہے۔

(ج) سُبکی نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی نے انہی معنی کی تحسین و تعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ ازراہِ تشریف وتکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثباتِ ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

د- قاضی عیاضؒ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

ہ- تفسیر خازن میں عطا خراسانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم وحواؑ کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد اُمت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے ناظرین کو جو قول پسند ہو، اسے قبول کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علماءِ کی اس قدر شرح وبیان کے بعد بھی کچھ باقی رہ جاتا ہے۔

وجہ اشکال ایک تو یہ ہے کہ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ سے بظاہر اثباتِ ذنب واضح ہوتا ہے اور یہ بالاجماع عقیدۂ جمہورِ اُمت کے خلاف ہے۔

اور اشکالِ دوم کی وجہ یہ ہے کہ لِيَغْفِرَ کے حرفِ لام کو بمعنی ''کہ'' بیان کیا گیا ہے اور اس وقت یہ دشواری آپڑتی ہے کہ فتح مکہ کو سبب مغفرت قرار دینے میں کیا علاقہ ہے یا کیا خوبی ہے۔

فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ

متعدد علماء کے اقوال عدیدہ کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اس بارے میں معنی مزید بیان کرنے کی بھی گنجایش ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظ فَتْحًا مُّبِيْنًا سے مراد فتح مکہ لینا ہی غلط ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں نیز سنن ترمذی میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ کا نزول صلحِ حدیبیہ کے انجام پر ہُوا تھا۔[1]

ہم اہیانِ رسولِ پاک کو اس امر کا رنج و قلق تھا کہ قریش نے نبی ﷺ اور اصحاب النبی کو مقامِ حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ نہ طوافِ کعبہ نصیب ہوا اور نہ قربان گاہ تک قربانی کے جانور پہنچے۔ حتی کہ اُسی میدان میں قربانیاں کی گئیں اور احرام کھولا گیا۔

الغرض اس ناکامی کو مسلمان نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے۔ مگر وہ معاہدہ جو اسی مقام پر فریقین کے درمیان طے ہو گیا تھا، اس کی اہمیتِ قانونی، اخلاقی، آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکار فرمایا جو انعقادِ صلح سے مترتب ہونے والے تھے۔

---

[1] [اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی، تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمھیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔ (ترجمۂ قرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)]

صحیح بخاری (باب عمرۃ الحدیبیہ) میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراد فتح مکہ سمجھتے ہو۔ہاں فتح تو وہ یہی ہے مگر ہم (گروہِ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔[1]

روایت بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدۂ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام "فتح مبین" ہے۔

اس جگہ معاہدۂ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کیے جاتے ہیں:

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَسُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو (کمشنر قریش) کے درمیان ہوا، یہ کہ:

۱- عَلٰى اَنْ يُّخَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفُ بِهٖ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبَلِ سال آئندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے نہ روکا جائے گا۔

۲- وَلَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفُ فِي الْقِرَابِ، يَخْلُوْنَ لَهٗ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہوں گے بجز تلوار کے جو میان سے باہر نہیں نکالی جائے گی۔مکہ مسلمانوں کے لیے تین دن تک خالی چھوڑ دیا جائے گا۔

۳- وَلَا يَخْرُجُ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتَّبِعَهٗ وَاَنْ لَّا يَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا اس وقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانے کا ارادہ بھی کرے تو اُسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اصحابِ محمد ﷺ میں سے کوئی مکہ رہنا چاہے تو اُسے نہیں روکا جائے گا۔

---

[1] [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، ح۳۸۵۴، کتاب التفسیر، بَابُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا، ح۴۸۵۷۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیہ، ح۳۳۴۱۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن من رسول اللہ ﷺ، باب ومن سورۃ الفتح، ح۳۱۸۶]

۴-وَعَلٰی اِنْ جَآءَ الْقُرَیْشَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَرُدُّوْہُ اِلَی الْقُرَیْشِ اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا وہ اس کو واپس نہ کریں گے۔

۵-وَمَن جَآءَ الْمُسْلِمِیْن مِنَ الْقُرَیْشِ یَرُدُّوْہُ اِلَی الْقُرَیْشِ لیکن اگر قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو وہ اس کو واپس کر دیں گے۔

۶-وَعَلٰی مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْ عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَّعَھْدِہٖ دَخَلَ فِیْہِ وَمَنْ دَخَلَ فِیْ عَقْدِ قُرَیْشٍ وَّعَھْدِھِمْ دَخَلَ فِیْہِ۔ قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمد کی طرف داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کی جانب کو پسند کرے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گیا ہے۔

۷-وَعَلٰی اَنَّ الْحَرْبَ تُوْضَعُ بَیْنَھُمْ عَشْرَ سِنِیْنَ۔ دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔

۸-وَعَلٰی اَنَّ بَیْنَنَا عَیْبَۃً مَکْفُوْفَۃً فِیْ صُدُوْرٍ سَلِیْمَۃٍ آپس کے سب جھگڑے فراخ حوصلگی کے ساتھ طے کیے جایا کریں گے۔

فتحِ مبین ہونے کے معنی

معاہدۂ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سٹیٹس مین (مدبر و سیاست دان) دیکھے گا تو سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے بہت ہی دب کر، بلکہ گھٹیا شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔ لیکن ہادیٔ اسلام نے اسی کو فتح مبارک بتلایا اور قرآنِ حمید نے اسی کو فتح مبین فرمایا۔ وہ کھلی فتح کیا ہے؟!

(الف) وہ یہ ہے کہ کینہ توز، جنگ آور قریش نے دس سال تک چپ رہنے، جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔

(ب) وہ فتح یہ ہے کہ جانبین میں آمد و رفت کی راہ کھل گئی۔

(ج) وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ حقیقتِ اسلام کو سمجھنے کے بعد جھوٹے شکوک زائل ہونے لگے اور ظنون باطل ٹھہرے۔

(د) لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروز مندی پر بھی کیا جاتا ہے اور حل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

(ہ) اسلام کے لیے یہی فتح مبین تھی کہ اشاعتِ اسلام کی دشواریاں جاتی رہیں۔

ذنب سے مراد

اب آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے:

(الف) اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزیٔ احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

(ب) اس کے معنی الزام بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذَنَبٌ بفتحتین کو دیکھتے ہیں، جس کے معنی ''دُم'' ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذَنْب بفتح [اول] وسکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذَنوب بفتح اول، اُس ڈول کو کہتے ہیں جو رسّی کے سرے پر بندھا ہوا ہو۔ یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔ لہٰذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ ''گناہ'' کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی ''گناہ'' خدا کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو، موسیٰؑ فرماتے ہیں:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۔ (الشعراء ۲۶:۱۴) انھوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلے میں موسیٰؑ نے کسی گناہِ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، لہٰذا اس کا ترجمہ ''الزام'' بھی صحیح ہے۔

قانوناً لفظ ''الزام'' اور لفظ ''جُرم'' کے معنی میں بہت تفاوت ہے۔ ''الزام'' کا اطلاق اُس نسبت جرم پر کیا جاتا ہے کہ بادیٔ النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعلِ ممنوعہ ملک یا قانون کے مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جا سکے اور ''جُرم'' کا اطلاق اُس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔

موسیٰؑ پر فرعونیوں نے قتلِ عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اُس کی سزا قتل و قصاص تھی۔ موسیٰؑ فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو ''نیت'' کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً [ہلاکت کا ذریعہ] ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اُس کا [ذریعۂ ہلاکت] ہونے کا ظنِ غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰؑ کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰؑ پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ ۳۲۳ تعزیراتِ ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا، اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

(ج) حدیث میں ہے: اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ[1] جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے: اَیْ غِلٌّ وَّشَحْنَاءُ یعنی ذنب کے معنی یہاں کینہ اور تنگ دلی ہیں۔

---

[1] [بخاری، کتاب الصلح، ح۲۵۰۱، کتاب الشروط، ح۲۵۲۹۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیہ، ۳۳۳۶۔ ابوداؤد کتاب الجہاد، بَابٌ فِي صُلْحِ الْعَدُوِّ، ح۲۳۸۴۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۴، ص۲۰۰۔ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج۳، ص۳۳۳۔ کتاب المغازی للواقدی، ج۲، باب غزوۃ الحدیبیہ۔ المنتظم لابن الجوزی، ج۳، بَحْثُ سَنَةِ سِتٍّ مِنَ الْهِجْرَةِ، غزوۃ الحدیبیہ] [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، ح۳۸۳۵] [شعب الایمان للبیہقی، شعبہ ۳۹، فَصْلٌ فِي الْمُصَافَحَةِ وَالْمُعَانَقَةِ. قِصَّةُ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمُعَانَقَةِ]

(د) قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ [محمد۴۷:۱۹] یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

الزامات واتہاماتِ قوم

ان جملہ امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زیب عنوان میں ذنب بمعنی الزامِ قوم ہے، اور مَا تَقَدَّمَ سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ماتأخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔ علماء ئے سیرت آگاہ ہیں کہ نبی ﷺ پر کفار نے جو جو الزامات واتہامات لگائے تھے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔

۱) اتہامات قبل از ہجرت

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے۔ یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے۔ اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھنت پڑھاتا رہتا ہے وغیرہ، وغیرہ۔

۲) الزامات بعد از ہجرت

یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے۔ مکہ کو اُجاڑنے والا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو مائی سے جدا کرنے والا ہے۔ ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا۔ قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا وغیرہ، وغیرہ۔

۳) مومنین پر الزامات

مومنین پر ایسے ہی الزامات لگائے جایا کرتے۔ بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کمینے ہیں، غلام ہیں، ناقابل التفات ہیں۔ آیت تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ [ھود۱۱:۳۱][1] میں انھی اُمور کی طرف اشارہ ہے۔ اجی! یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

---

[1] یہ اُن کی نگاہوں میں حقیر ہیں۔

آیت لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا [المنافقون ۶۳:۷][1] میں یہی بات اُن کی بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی ﷺ کے حضور میں سفیرِ قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کے رُودرُو مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ اس کا جواب سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

آیت کا مفہوم

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبینہ کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اُٹھ جائیں گے، دب جائیں گے، زیرِ خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غَفَرَ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں، صداقتِ رسول آشکار ہو گی، بصارت کھل جائے گی، بصیرت بیدار ہو گی، اتہامات و الزامات کی لغویت کا خود اُن لوگوں کو اقرار بہ ندامت و انفعال کرنا ہو گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مترتب ہو گئے تھے۔

۲۔ اتمامِ نعمت

بشارت دوم وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ [الفتح ۴۸:۲][2] ہے۔ یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمامِ نعمت ہو گا۔ آیت بالا میں جس کا سالِ نزول ۶ ہجری ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ

---

[1] جو شخص رسول ﷺ کے ارد گرد ہیں، ان کو خرچ نہ دو، یہ منتشر ہو جائیں گے۔

[2] اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کرے گا۔

دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدۃ۵:۳][1] میں جو ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو نازل ہوئی، اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔

اتمامِ نعمت کے معنی میں اتمامِ اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر رُکی ہوئی تھی، وہ روک اٹھ گئی تھی۔ موانعات کے دُور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے۔ پھر پچاسوں اور سیکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

۳۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت

بشارت سوم وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا [الفتح ۴۸:۲][2] ہے، جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگِ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہِ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا، وہ صاف ہو جائے گی، اور حضور ﷺ کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکانِ راہ کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

۴۔ نصرت الٰہیہ

بشارت چہارم وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا [الفتح ۴۸:۳][3] ہے جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہو گا۔

یعنی نصرتِ الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہو گی۔ قلوب میں کشش، ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سیکڑوں، سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جویا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے، حتیٰ کہ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

---

[1] میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی کامل نعمت کا اتمام کر دیا۔

[2] سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ تجھے لیے چلے گا۔

[3] اللہ تیری مدد زبردست نصرت کے ساتھ فرمائے گا۔

۔[النصر ۱۱۰:۲] [1] کا نظارہ چشمِ ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔ نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے:
اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ [التوبۃ ۹:۴۰] اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے تو اس کی مدد اُس وقت بھی کی جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا اور رسول اُس وقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اُس وقت غار میں تھے۔

ہاں! نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی اور صدیق دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار بر سرِ غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرتِ ربانی کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گئے ہیں۔

غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا۔ قریش کے انعام اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو میل کا راستہ سیکڑوں اعداء دین کا روکا ہوا تھا۔ پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر بخوش اسلوبی طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے مدلجی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو منہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرۂ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اس امیان تک لے جاتا ہے اور اہلِ مدینہ اس نعمتِ خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے، حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اُس نظارہ سے جس کی خبر حبقوق نبی نے دی تھی، پتھرا جاتی ہیں۔

اب چھ سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی امّ القُریٰ اور اس کے حوالی میں قدرتِ ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمامِ نعمت اور ہدایت راہِ مستقیم اور نصرت و عزت کے معنی سیرت رسول

---

[1] اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

پاک ﷺ میں ہمیشہ سے مشکلاتِ اشاعت کی دُوری اور موانعات تبلیغ کا اندفاع رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلائے کلمۃ الحق اور ظہورِ صداقت و بُروزِ حقیقت رہا ہے۔

بے شک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ﷺ ہی کی حیاتِ طیبہ میں من جانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے لہٰذا آیات زیب عنوان حضور ﷺ کی رفعتِ شان اور منصبِ عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کو مبرہن کرنے والی ہیں۔

[ایک شبہ کا ازالہ]

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے۔ نہیں، ہر گز نہیں۔ تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مدح علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے۔ اگر وہ ذاتِ قدسی، جسے رب العالمین نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ [الاحزاب ۳۳:۲۱] [1] فرما کر اہلِ عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمت انبیاء کے کیا معنی رَہ سکتے ہیں۔

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحبِ مقامِ محمود ہیں، منزلت وسیلہ کے سریر آرا ہیں، شفیع المذنبین ہیں۔ شفاعتِ کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے۔ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِیَدِیْ حضور ﷺ ہی کا مرأتِ کمال ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعتِ کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہو گیا کہ اعدائے دین نے جو الزامات سرورِ کائنات پر لگائے تھے، اُن کا ازالہ بھی حضور ﷺ کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعتِ اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العنکبوت ثابت ہوئیں۔

---

[1] تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔

قریش نے سمجھا تھا کہ جب نو مسلم لوگ اکسراڈیشن کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر و ستم اور بند و قید کے خوف سے آیندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہو گا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترکِ اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آکر جملہ حقوق شہریت سے متمتع رہ سکیں گے اور مسلمان اُن کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعتِ اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملادیا اور العلیم الحکیم نے اُسی معاہدہ کو فتحِ مبین اور نصرِ عزیز بنادیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ بھی نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جو رات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے، اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیائے رُوحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دُور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی اور مسیلمہ، سجاح کی نبوتِ کاذبہ کے دعاوی مفاکِ ہلاک میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشانِ قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بطور مجرم حاصل کیے جائیں گے، وہی لوگ حبس و زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے۔

جو لوگ ''اسلام بزورِ شمشیر'' کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور بایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت و حفاظت و جنبہ داری کا فائدہ اٹھایا ہو۔

المختصر، آیات زیب عنوان سے نبی ﷺ کی خصوصیات بخوبی آشکار ہیں اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَحَبِیْبِہٖ وَاٰلِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

۱۳: نبی ﷺ کا وار، اللہ کا وار

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (الانفال۸: ۱۷) جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔

یہ آیت سورۂ انفال کی ہے، سعید بن جبیرؒ نے حبر الامت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۂ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس واقعہ کی طرف آیتِ بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوۂ بدر ہی کے واقعات میں سے ہے۔ اہلِ تفسیر واہلِ مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا: الٰہی! یہ قریش ہیں، فخر وغرور میں چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول کے مکذب۔ میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں۔ جبریلؑ آئے۔ کہا: حضور! ایک مشتِ خاک لیجیے اور قریش کی جانب پھینک دیجیے اور نمونۂ قدرتِ باری ملاحظہ کیجیے۔

نبی ﷺ نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھر لی اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری۔ اس لشکر خود سَر میں ایک ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جن کے کبر وافتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی اور ان بے بصرانِ حقیقت کو بتلا گئی کہ جو رسول پاک ﷺ کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ اُن کے لیے سُرمہ بنے۔

واقعۂ عجیب تھا کہ ایک مشتِ خاک اور ایک ہزار اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے۔ اس لیے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دستِ قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقلِ انسانی کے لیے اعجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ مَا رَمَیْتَ کی نفی اور اِذْ رَمَیْتَ کے اثبات میں اور وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کے نتیجہ سے اتحادِ ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ گئے کہ یہی وہ آیت ہے جو حقیقتِ محمدیہ کے چہرہ سے بُرقع کشا ہے۔ مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کے خلقِ عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کی عفو اور در گزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لیے تعجب خیز تھا کہ محمد ﷺ تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے۔ ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اُٹھتا نہ تھا، ہم لوگوں نے تیرہ سال تک مکہ میں سُن سُن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں اُف تک نہ کرتے تھے، ہاتھ کو جنبش دینا تو کُجا، زبان کو بھی ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد ﷺ کو کیا ہو گیا کہ اس کی عادت بدل گئی، کیا اس کی فطرت میں بھی تبدیلی آ گئی؟ کیا اب بھی خُلقِ محمدیہ کو دنیا کے لیے نمونہ بنایا جائے گا؟

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں کہ اُس کے حبیب ﷺ پاک کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں، جھٹ اس کی نفی فرما دی اور بتلا دیا کہ اخلاقِ محمدیہ ﷺ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلّمہ ہیں، مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی ﷺ کا ذاتی فعل شامل نہیں۔ نبی ﷺ نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیر انداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے۔ لہٰذا ہمارے رسول ﷺ کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی ایک شان سمجھو۔

اِذْ رَمَیْتَ میں فعل کا اثبات اُسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور مَا رَمَیْتَ میں فعلِ نبوی کی نفی اُسی حقیقت پر ہے جو تیر انداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہٰذا آیت کا محل اصلی ''ذبّ رسُول ﷺ'' ہے اور اہلِ اسلام کے لیے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے اُن اعتراضات کی جواب دہی لازم و واجب ہے جو حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری و کوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔

کمان کو تیر انداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد و حلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے۔ ہاں آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے۔ اسی سورۂ انفال کو پڑھو کہ کفارِ مکّہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی:

اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال ۸:۳۲)

الٰہی! یہ محمد ﷺ کی نبوت اور تیرا نام لے کر آیاتِ قرآنی کی تلاوت اگر درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔

دیکھو، ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسیں اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد ﷺ سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبولِ حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔

ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ حقانیت اسلام کے لیے انھوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا۔ لہٰذا رسول کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشتِ خاک ان پر پھینک دو۔ جب یہ مشتِ خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی تو اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں۔

لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لیے اُن کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی۔ اسی توجیہہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رمی حجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے براءت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں، جو بوجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دُور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی اُن سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کا بمقامِ منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذِ حکم الٰہی پر بکمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزندِ خلیل اور دعائے ابراہیمؑ نے بھی بدر میں اُسی نمونہ کا اتباع فرمایا۔ سیدنا ابراہیمؑ ایک شریر النفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ فخر الانبیاء کی ایک ہی مشتِ خاک نے ایک ہزار طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرما دیا۔

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراست ! کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ اُو

الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائصِ خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

فصل دوم

خصوصیاتِ رسالت

۱۴: تلاوتِ آیات

یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ ۔(آل عمران۳:۱۶۴،الجمعۃ۶۲:۲) نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے چاہا کہ خدمتِ اسلام میں وہ کام کریں، جو سخت مشکل ہو۔ مسلمانوں نے بتلایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید کا سنانا ہے۔ یہ دُھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچے اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو اُن کا سارا بدن لہولہان تھا اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو آیاتِ قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا اور نبی ﷺ ہر روز اسی کام میں لگے رہتے تھے۔ آبادیٔ مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور ﷺ پہنچتے تھے اور قرآن سناتے تھے۔ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیامِ الٰہی پہنچاتے تھے۔

آبادی سے باہر بھی جتنے رستے آنے جانے والوں کے تھے، اُن سب پر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں حضور ﷺ جا پہنچتے تھے اور قرآن کی تلاوت سے آنے جانے والوں کے کانوں میں حکمِ الٰہی ڈالتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا، جہاں حضور ﷺ نہ پہنچے ہوں اور حضور ﷺ نے تبلیغ بذریعہ تلاوت اور اشاعت بذریعہ دعوت نہ فرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرّہ ذرّہ اور طائف کا پتّہ پتّہ حضور ﷺ کی تلاوت کا گہوارہ ہے۔

غور کرو، اس گوہر مقدس کی جرأت و فتوت، نجدت و جلالت پر کہ رزم گاہِ عالم میں جملہ افرادِ عالم بلکہ اقوامِ عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے، ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے، ہر ایک کا شیشۂ پندار سنگِ براہین سے توڑتا ہے، ہر ایک کے بتِ بطلان کو سندانِ حقانیت پر پھوڑتا ہے۔ اُسے نہ ضرب کا ڈر، نہ ضرر کا غم، نہ خوف و خطر کا اندیشہ۔ اس کا سینہ و جگر نیزہ و تیر سے دل نہیں چراتے۔ اُس کی زبان بیانِ توحید سے بند نہیں ہوتی۔ اُس کی سر گرمیاں لوگوں کی سرد مہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طمع، حکومت کی للچاہٹ اسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن، دشوار اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی کریم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جسے حضور ﷺ نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک غفلت زدہ کو خواب سے چونکایا اور بالآخر سب کو بیدار کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کا عمل سہل و آسان سمجھتا ہے تو اُسے بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مخالفین کے زمرے میں تلاوت کا کام فی الواقع آج بھی آسان نہیں اور اب اگر کسی قدر سہولت پیدا بھی ہو گئی ہے تو یہ اُسی تلاوت نبوی کی برکت اور اثر ہے، جس کے لیے حضور ﷺ خود گوناگوں مصائب اور بوقلموں نوائب کی برداشت کر چکے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں:

(الف) خود اپنے لیے پڑھنا، اس کے آداب الگ ہیں، مثلاً تحسینِ صوت، حضورِ قلب، معانی پر تفکر و تدبّر، حقائق و معارف کی غوّاصی۔

(ب) دوسروں کو پڑھ کر سنانا، وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفینِ دین، جن کے کان سننے سے اور دل سمجھنے سے سخت منکر ہوں۔ اُن کو اس طرح پر سنانا کہ ثوابِ ابدی، عذابِ اُخروی، نعمائے الٰہی، رضوان ربّانی سننے والے کو مشکل نظر آنے لگیں، بدن لرز جائے اور دل کانپ اُٹھے، آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رُک جائے۔ یہ کام بے شک بدرجہ

کمال حضور ﷺ ہی کے کرنے کا تھا اور قرآن گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام کو نہایت ہی عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا اور اسی لیے حضور ﷺ کا یہ طریق ''خصوصیت'' میں داخل ہوا۔

۱۵: نامعلوم کی تعلیم دینا

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ ۲:۱۵۱) نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

آیت کا خطاب جملہ اہلِ عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی۔ مسیحؑ جیسے صادق اللہجہ نے استعداد مخاطبین اور قابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے یہ اعلان فرمادیا تھا:

اِنَّ لِیْ اُمُوْرًا كَثِيْرَةً اَيْضًا لِاَقُوْلَ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تَسْتَمِلُوْا الْاٰنَ وَاَمَّا مَتٰى جَآءَ ذٰلِكَ رُوْحُ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْشِدُكُمْ اِلٰى جَمِيْعِ الْحَقِّ[1]

اُردو انجیل کی عبارت یہ ہے:

''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی۔''[2]

مسیح کا قولِ بالا بتلا رہا ہے کہ جتنی تعلیم انھوں نے قوم کو دی، وہ کم تھی بہ نسبت اس تعلیم کے جو باقی رَہ گئی تھی۔ اس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تعلیم کا سبب یہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک ایم اے پاس استاد کسی پرائمری کلاس کو تعلیم دینے لگے اور وہ اُن کو بہت سی علمی باتیں نہ بتا

---

[1] یوحنا ۱۶ باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۷۱ء۔

[2] نقل از بائبل اُردو، مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء۔ یہ واضح رہے کہ الفاظ ''بتادے گی'' بصیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ اردو زبان میں روح مونث ہے، ورنہ آنے والے کا نام روح الحق ہے اور بصیغہ مذکر عربی عبارت میں موجود ہے۔ (محمد سلیمان)

سکے اور نہ سمجھا سکے، اس لیے کہ شاگردوں کی سمجھ ناقص ہے۔ بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ مسیحؑ جیسے نیک اُستاد کی تعلیم کا حصہ اور بہت بڑا حصہ دنیا کو اس وقت نہ مل سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی زمانے میں پورا کیا گیا؟ جہاں تک ہم کو عیسائی عالموں سے معلوم کرنے کا اتفاق ہوا، وہ بتاتے ہیں کہ پینتی کاسٹ کے دن اس کمی کو پورا کر دیا گیا۔

پینتی کاسٹ کا ذکر کتابِ اعمال کے دوسرے باب میں ہے اور اُس کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رفع مسیح سے پچاس دن بعد کا ہے، الغرض پہلے ہی سال کا۔ پینتی کاسٹ کے معنی کتاب احبار (موسیٰؑ کی تیسری کتاب) کے باب ۲۲ میں یہ بتائے گئے ہیں کہ عید فصح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اس پینتی کاسٹ کے دن مسیح کے بارہ شاگرد جمع تھے۔ اُن کو ایک زور کی آواز سنائی دی اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھے اور یہ سب غیر زبانیں بولنے لگے۔ آواز سن کر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے، ایک دوسرے سے گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے اور لوگوں نے ٹھٹھے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں، تب پطرس نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے تم پر بھیجوں گا؟ پطرس کی تقریر کے بعد تین ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔[1]

پینتی کاسٹ کے دن جو کچھ ہوا، اُس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور کی ضرورت ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ مسیح کی پیشین گوئی جو باقی ماندہ صداقت کی مکمل تعلیم کے متعلق

---

[1] خلاصہ از [بائبل، کتابِ اعمال]، درس ۱-۴۲

تھی، کب پوری ہوئی۔ پینتی کاسٹ کے دن تو حضرت پطرس نے عین اس وقت جب کہ وہ رُوح القدس سے بھرپور تھا، یہ بتلادیا تھا کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔ اب انصاف کا مقام ہے کہ پطرس مع روح القدس ظاہر کر رہا ہے کہ یوایل نبی کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور پادری بتلاتے ہیں کہ نہیں، بلکہ مسیح کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

کیا پادری کا یہ کہنا پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا اور پطرس مع روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جائے گا؟

میں کہتا ہوں کہ نہیں، ہر گز نہیں، لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ پینتی کاسٹ کے دن مسیحؑ کی پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی اور مسیحی علماء اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے۔ جب مسیح کی پیشین گوئی پوری ہوئی ہو۔ ساری دلیل کا لُب لباب یہ ہوا کہ عیسائیوں کو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زیب عنوان بتلاتی ہے کہ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کی تعلیم نبی ﷺ ہی نے دنیا کو دی تھی۔ اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح نے تو فرمایا تھا کہ روح الحق اس کامل صداقت کی تعلیم دے گا جو مسیح نہیں دے سکے تھے اور اس پینتی کاسٹ کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔ پطرس نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیشین گوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا، مگر تعلیم کچھ بھی نہیں دی گئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان مکمل ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں کی حالت سنو۔ وہ یہود جو موسیٰؑ کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔ وہ یہود جو غرورِ کتاب دانی اور نخوتِ کتاب داری سے سرشار تھے، قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرما دیا تھا کہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۸۵] یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔

جب اہلِ کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیحؑ کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت ہو چکے تو ضرور تھا کہ دُنیا کو کبھی مکمل تعلیم دی جاتی۔ نبی ﷺ کے عہدِ نورانی میں وہ وقت آگیا کہ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کی کمی کو پورا کیا جائے۔

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی ادھورے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں اُن سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو گیا۔ لہٰذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہلِ عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا وہ منصب عالی ہوا کہ سب کو ایسی تعلیم دیں جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیحؑ کی پیشین گوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے کہ اس پیشین گوئی میں اسم ''روح الحق'' کا استعمال ہوا ہے اور اناجیل اربعہ میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم ہذا کا استعمال نہیں ہوا۔ دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے۔ پینتی کاسٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ ہر دو مقامات کا فرق بھی صراحتاً بتا رہا ہے کہ ''روح الحق'' اور ہے اور ''روح القدس'' اور۔

''روح القدس'' کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں تو کیا کریں، مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی مسیحی کو نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت بھی یہ موجود نہیں کہ اُسے راست بازی کی وہ باقی ماندہ تعلیم روح القدس سے مل گئی ہے، جسے حضرت مسیحؑ ادھورا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور ﷺ سرور کائنات ہی کو حاصل ہے۔

ناظرین دریافت کر سکتے ہیں کہ امورِ کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی اُن سے خالی ہیں۔ اس کا جواب ناظرین کو ہمارے دوسرے مضمون ''خصائص القرآن'' سے ملے گا، اُسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علمِ لدُنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ اُن میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو؟ جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے بہت پیشتر کا ہے۔ پس وہ لوگ مسیحؑ کی کئی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے۔

لہٰذا نبی کریم ﷺ ہی وہ سریر آرائے علوم ہیں، جو فرشِ خاک پر بیٹھے اور خاکی و نوری انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا کہ یہ خاک کے ذرّہ ہائے بے مقدار آسمانِ علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔ نبی ﷺ اور سیدنا مسیحؑ کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ مسیحؑ کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کر لو کہ کتنے شاگرد اُن کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جاسکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انھوں نے جناب مسیحؑ کے حالاتِ زندگی کی اشاعت کی ہے اور بس۔ نبی ﷺ کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ:

ابو بکرؓ و عمرؓ ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم،
ابو عبیدہؓ و خالدؓ ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی،
معاذؓ و ابو درداءؓ بیان دین و دانش کی،
سلمانؓ و ابو ذرؓ زہد و قناعت کی،
علی مرتضیٰؓ و ابن مسعودؓ حقائق علمیّہ کی،
عثمان غنیؓ و ابن عوفؓ پرورش یتامیٰ کی،
زید بن ثابتؓ و اُبی بن کعب انصاریؓ فرائض الٰہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہِ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشت زارِ علوم کے لیے بارانِ رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روایات کا شمار ۲۲۱۰ ہے اور ابن عمرو انس بن مالکؓ کی مرویات بھی اسی کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابوہریرہؓ کی روایات کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ کہلاتے ہیں، جن کے نام مکثرین روایات کی تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس، جابر بن عبداللہ و ابوسعید خدریؓ، تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر ایک طالب علم، استادِ عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ۔ [البقرۃ ۲:۷۸] کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی اَن پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔

لیکن نبی ﷺ کے طفیل نہ صرف یہی لوگ دُرِ وہ عُلیائے علوم کو پہنچے، بلکہ ان کے شاگرد بھی وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ [الجمعۃ ۶۲:۳] کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی کی جود و عطا نے علم کو عام بنایا اور اُسے رفعتِ کمال پر بھی پہنچایا۔ یہ حضور ﷺ ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے جنھوں نے اسپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، تیونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار میں سیکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیے تھے، جن میں جملہ اقوام (مسلم و غیر مسلم) کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے، انکار نہیں کہ اسلامی ممالک تمام یورپ کے اُستاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اُس روش اور طریقہ کو دیکھیں جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں اُن کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اُس فراخ دلی و وسعتِ خاطر کا اندازہ لگائیں جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علومِ جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں اُن کا معمول بہ رہا ہے تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنھوں نے ابتداً دنیا میں علوم کو پھیلایا۔

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضور ﷺ ہی کے سُنن ہدیٰ کا بیان اور حضور ﷺ ہی کے اسوۂ حسنہ کی برہان ہیں، اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل واحتشام اعلیٰ کے ساتھ حضور ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔ غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا، اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج واشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومینس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے، اسے خدا کی کمانِ جنگ بتانا یا انتقامِ الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا۔ وہ جیل ہی میں مرا۔ اُس کے لاشہ کو اور اُس کی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا اُس میں اُس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا۔ گویا مساعیٔ صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔

برونو کو ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اُس نے دنیا کو عالمِ اسباب کہہ دیا تھا یا اُس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا تھا۔

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا، مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے، قتل کر دیے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لے گئی تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی، حتیٰ کہ بادشاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدّر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدایش، باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔

کرونیال اکسیمینس نے ۸ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ اُن کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو۔

کلفان نے سیر فیٹ کو جلاڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس نیقہ کے انعقاد سے بھی پیشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔ اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اسی گناہِ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔ فابتی بھی ۱۷۲۹ء کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔

پادری لوتیرار سطو کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک، خنزیر کہا کرتا تھا۔

علم برادرانِ اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی کہ وہ علوم اقوامِ غیر یا ممالکِ غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔ ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون پورٹ، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔

مسلمانوں میں یہ روشنی اُسی منبع نور سے آئی جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ زیبِ عنوان ہے۔ ناظرین کو تاریخ عالم کے تفحص سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضور صاحبِ معراج ﷺ ہی کے فرقِ مبارک پر تاباں و درخشاں ہے۔ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

۱۶: تعلیمِ کتاب و حکمت

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (البقرۃ[۲:۱۲۹]) ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

قبل ازیں تحریر ہو چکا کہ الکتاب قرآن مجید ہے اور تعلیم الکتاب کی تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ شامل ہیں۔ لہٰذا خصوصیت ہذا کے تحت میں ''تعلیمِ حکمت'' کا مذکور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ [البقرۃ۲:۲۶۹] جسے حکمت دی گئی اُسے خیر کثیر دی گئی۔

آیت بالا سے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ اور محاسنِ کثیرہ کا نام ''حکمت'' ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ۔ (لقمان[۳۱:۱۲]) ہم نے لقمانؑ کو حکمت عطا فرمائی تھی۔

قابل غور یہ امر ہے کہ ''الکتاب'' اور ''تعلیم الکتاب'' کے بعد اب کون سی بات رہ گئی تھی، جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔

پیچیدہ مسائل کا عملی حل

واضح ہو کہ ہدایات واضحہ اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقع پر مختلف الامزجہ لوگوں کی حالت بھی، مختلف ہوا کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر بھی حل کر کے صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔

۱- نبی ﷺ رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہودانِ یثرب اور مومنینِ اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر اُن کو بھی اتحاد مدنیت میں شامل فرما لیتے ہیں۔ معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ اِنَّهُمْ اُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ وَاِنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَّعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَاِنَّ بَيْنَهُمْ لَنَصْرًا عَلٰى مَنْ حَارَبَ اَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ[1]

"یہ تحریر محمد النبی ﷺ کی جانب سے ہے کہ مومنین و مسلمین مکہ و یثرب ایک قوم واحد ہوں گے اور جو جو لوگ ان کا اتباع کریں گے اور اُن کے مجاہدات میں شامل ہوں گے وہ سب ہی اس وحدت میں شامل ہوں گے۔ یہودانِ بنی عوف بھی مومنین کی معیت میں قوم سمجھے جائیں گے۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی امداد کا طریق جاری ہوگا، خواہ کوئی بھی اس معاہدہ والوں کے خلاف لڑنے کو آئے۔"

غور کرنے والا جب الفاظِ معاہدہ کی گہرائی کا اندازہ کرے گا تو اُسے یہ فعل عین حکمت نظر آئے گا۔

۲- سرور کائنات ﷺ نے مدینہ پہنچ کر اُن سب راستوں پر آباد قبائل سے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں، معاہدہ باہمی کا قائم و مستحکم کر لینا ضروری خیال فرمایا۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدات اسی حکمت پر مبنی ہیں۔

۳- صلح نامہ حدیبیہ میں مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ لکھا گیا تھا۔ قریش کا کمشنر معاہدہ اس پر معترض ہوا، وہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور کاتب نبی بھی اس مقدس کتاب پر اتنا ہی جما ہوا ہے، جتنا یہ کلمۂ پاک اس کے دل پر مرتسم ہے۔ یہ تکرار یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ صلح نامہ کا ناتمام رَہ جانا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں "محمد رسول اللہ ﷺ" بھی ہوں اور "محمد بن عبداللہ" بھی۔ لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے۔ اس حکمت سے سارا مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔

---

[1] [البدایۃ والنہایۃ، ج۳، ص۲۷۵۔ سیرۃ ابن ہشام، ج۱، ص۵۰۳]

۴- کفار مکہ نے کفّار یثرب کو لکھا کہ وہ مہاجرین وانصار سے جنگ شروع کر دیں۔ اگر یثرب والوں نے ایسا نہ کیا تو مکہ والے خود حملہ کر کے اپنے مخاطبین کو فنا کر دیں گے۔ اہلِ یثرب پر دھمکی کا یہ جادو چل گیا اور انھوں نے مہاجرین وانصار پر حملہ کی تیاری کر لی۔ نبی ﷺ یہ اطلاع پا کر اہلِ یثرب کے پاس گئے اور یوں تقریر فرمائی:

"تم اہلِ مکہ کی چال کو نہیں سمجھتے، وہ تمہارے ہاتھ سے تمہارے اعزہ واقارب کو، جو مسلمان ہو گئے ہیں، قتل کرانا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر تم کو اہلِ مکہ سے جنگ کرنی پڑی تو وہ مقابلہ اغیار سے ہو گا۔"[1]

اس مختصر تقریر نے عجیب اثر کیا اور اہلِ مدینہ میں جو اندرونی جنگ شروع ہونے والی تھی، رُک گئی۔ اس حکمت نے اہلِ اسلام کے ہجرت گاہ کو اندرونی بے امنی سے محفوظ کر دیا۔

۵- طائف وحنین کے لوگ مسلمانوں پر حملہ آورانہ بڑھے تھے۔ اُن کو بمقام اوطاس شکست ہوئی اُن کی فوج طائف کے قلعہ میں حصار بند ہو گئی، محاصرہ کیا گیا۔ جب محصورین کو محاصرہ کی سختی محسوس ہونے لگی اور اندر کے آدمی یگاں یگاں قلعہ کی دیوار پھاند پھاند کر بھاگنے لگے تو نبی ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دیا۔ اس حکم سراپا رحم کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد طائف کی تمام آبادی مسلمان ہو گئی۔

۶- ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا۔ نبی ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ عرب کو روما کی فوجوں کا آماجگاہ بنا دیا جائے، خود آگے بڑھے اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیش قدمی اور جرأت کا گہرا اثر پڑا اور اُس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

---

[1] [ابوداؤد، كِتَابُ الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَيْءِ، بَابٌ فِي خَبَرِ النَّضِيرِ، ح ۲۶۱۰]

۷- سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں سے ۳۶۰ بت تو نکال دیے گئے، مگر خود عمارتِ کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور ﷺ کی نبوت و بعثت سے پانچ سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنا منشا بطور استحسان تو ظاہر فرمادیا کہ عمارت کا بنائے ابراہیمی پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے کہ ابھی قوم کی دین داری حداثت میں ہے، عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنھوں نے اس عمارت کے لیے مالی، بدنی امداد دی تھی اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ ان لوگوں کو اُس عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی ﷺ نے دل داری و دل دہی کی بنیان کو مضبوط فرمایا اور اینٹ پتھر کی عمارت کے لیے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور اُس کی اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیوں کر جملہ معاملاتِ تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

احکام و شرائع کی حکمتیں بتانا

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے احکام شرائع کو علل و حِکم پر مبنی ٹھہرایا تھا اور اُن احکام کی علّت و حکمت کا اظہار بھی فرمادیا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب خصوصیت حضور ﷺ کی حکمت آموزی کی تھی، ورنہ حضور ﷺ سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی، بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت، اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا، جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ شریعت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو اِدھر سے اُٹھا کر اُدھر رکھ دے۔ اگر غلام نے پتھر اُٹھا دیا تو فرماں بردار سمجھا گیا اور نہ اٹھایا، تو نافرمان قرار دیا گیا، حالانکہ اس حکمت سے نہ آقا کا کوئی اصلی مقصود تھا اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اُس کی تعمیل یا عدمِ تعمیل میں مضمر تھا۔

امراضِ جسمانی وروحانی کا علاج

ہاں دیکھو، کہ نبی ﷺ نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے۔ عضو عضو پر وارد ہونے والے امراضِ روحانیہ کا ذکر فرمایا۔ پھر اُن کا علاج اور علاج میں مفرد و مرکب اشیاء کا استعمال سکھایا ہے۔ صحت قلب کی حفاظت کرنے والی، حیاتِ روحانی کو نشوونما دینے والی، روحانیت کے اعضائے رئیسہ کو قوی و چُست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔ تکمیلِ نفس کے بعد حضور ﷺ کی تعلیم حکمت کا دورِ ثانی شروع ہوتا ہے اور تدبیر منزل و ترتیب عائلہ کے مفصّل احکام ملتے ہیں۔

دورِ ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے۔ اقوامِ عالم اور بُلدانِ جہاں کے واجبات و حقوق سے عالم دو عالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ جملہ مساعی بطور معلّم حکمت ہیں اور اہلِ بصیرت و دانش کو اقرار کرنا پڑے گا کہ حضور ﷺ کے برابر اس فرض کو اور کسی نے بھی اس حُسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماء اللہ الحسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی ''حکیم'' ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ - [یس ۱:۳۶-۲] اور اس کتابِ حکیم نے حضور ﷺ کو معلم حکمت بتلایا ہے۔ تو ان حوالہ جات سے اول تو حکمت و دانش اور علم و دانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے منصبِ عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تعلیمِ حکمت کے متعلق مجھے نبی ﷺ کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیے۔ مضمونِ حدیث کی ہمہ گیری اور صاحبِ ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا

اندازہ ناظرین خود فرمالیں گے۔ كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ إِذَا وَجَدَهَا أَخَذَهَا[1] حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو، جہاں پاؤ، اپنا اُسے مال سمجھو۔

۱۷: بوجھ اور طوق اُتارنا

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف۷:۱۵۷) اور ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اور پھندے کھول دیتا ہے جو اُن پر پڑے تھے۔

آیت بالا سے روشن ہے کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا اور اُن کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ اُن بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی ﷺ ہی نے آزاد فرمایا تھا اور ایسا کرنا حضور ﷺ کی نبوتِ عامہ کا لازمہ ہے۔

نبی ﷺ کی نبوت عرب و عجم پر عام ہے، اور حضور ﷺ کی دعوت میں كَافَّةُ النَّاسِ شامل ہیں۔ لہٰذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کے لیے [یہ جاننا] ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی دنیا بھر کی ساری اقوام کیسی کیسی قیودِ بے جا میں گرفتار تھیں۔

قوموں کے آصار و اغلال

ہم مختصراً عرب، یہود و نصاریٰ، مجوس و ہنود کا ذکر کریں گے۔ یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزلت دی جاسکتی ہے۔

---

[1] [ترمذی، كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ، ح۲۶۱۱۔ ابن ماجہ، كِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ الْحِكْمَةِ، ح۴۱۶۹۔ ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا. ابن ماجہ میں فَحَيْثُ کی جگہ حَيْثُمَا کا لفظ ہے۔ علامہ البانیؒ نے ترمذی کی حدیث کو صرف ضعیف اور ابن ماجہ والی حدیث کو ضعیف جداً کہا ہے۔ (مدوّن)]

(الف) عرب

عرب بدکاری و زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور اپنے افعال قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے اُن کو اپنے اشعار کے ذریعہ مشتہر کیا کرتے تھے۔ شراب اور سخت نشیلی عرقیات کا استعمال عام تھا۔ مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں ان پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔ لونڈیوں کو، جو قینات کہلاتی تھیں، گانے بجانے، ناچنے کے لیے پالا کرتے تھے، اُن کی زناکاری کی آمدنی کو اُن کے آقا اچھی آمدنی سمجھا کرتے تھے، جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں اُن کو قینات میں داخل کیا جاتا تھا۔

عورت کسی جانور کا دودھ نہیں دوہ سکتی تھی۔ اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کر بیٹھتی تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔

مالِ وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے۔ تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔

بیوہ عورت پر متوفیٰ شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا، عورت خوش ہو یا ناخوش، وہ چادر والے کی بیوی بن جاتی تھی۔ سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسی طرح قابض ہو جایا کرتے تھے۔

عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں۔ مرد و زن جسم کو نیل سے گودا کرتے، عورتیں مصنوعی بال لگاتیں، دانتوں کو درانتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بنا کر جوانوں کو جُل دیا کرتی تھیں۔

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہِ عمیق میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے۔ اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اس کو اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا،اور محرم و غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لیے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔ قمار بازی نہایت دل پسند شغل تھااور مشہور مشہور لوگوں کے گھر ''قمار خانہ عام'' سمجھے جاتے تھے۔

ارواح خباثہ کا اعتقاد عام تھااور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے۔ خیالی و وہمی دیوتااور دیویاں مانی جاتی تھیں۔اُن کی شکلیں اور صورتیں عجیب عجیب بناتے اور اُسی کے موافق اُن کے بت گھڑے جاتے تھے، پھر مندروں میں استاپن کیے جاتے اور پوجے جاتے تھے۔ عموماًہر ایک قبیلہ اپنااپنابت الگ تجویز کیا کرتا تھااور اپنی قسمت اُسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا۔ اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہو جاتی تو اُس کے بتوں سے بھی عداوت و نفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑدوڑپر بازی لگانے کا بہت رواج تھا۔اسے رہان کہتے تھے۔ گھوڑدوڑ میں تین یاسات گھوڑے شامل کیے جاتے تھے۔ گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنااختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔ اگرچہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر و مباہات سمجھا جاتا تھا مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔اس حق کو آقادوسرے کے پاس فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی،اُن کو سجدہ کیا جاتا،اُن کی منت مانی جاتی،اُن کے نام پر قربانیاں کی جاتیں۔اُونٹ، گائے، بکری کا پہلوٹا بچہ اُن کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا۔ اگر اس حصہ کی پیداوار کسی ارضی و سماوی حادثہ سے ماری جاتی تو زمین کے دوسرے حصہ کی پیداوار سے اس کی کمی کو پورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے۔ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے۔ ٹوٹکے، منتر مانے جاتے تھے۔ اُن کی عقل و فکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک، دو دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔ عرب کے ملحق الحدود ملکوں میں جو جو فواحش اور قبائح موجود تھے، اُن کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔ حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے۔ ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل و حقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت، منافرت اور جنگ کا موجب بن جاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل و دماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلے میں حریت رائے کا وجود گم تھا۔ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قبائل اپنے ملحق الحدود اقوام غیر سے ساز باز رکھا کرتے۔ فارس، رُوما، حبش کو اپنے ہی ملک پر چڑھا لانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

اُن کے مشہور مشہور بت مندرجہ ذیل تھے:

۱- ہُبل: یہ بہت لانبا تھا۔ یہ بت خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار کی منڈیر پر نصب شدہ تھا۔ عرب کے تمام قبائل اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں تھے۔ جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اُعْلُ هُبَلْ ہی کا نعرہ لگایا تھا۔ میں نے ۱۳۳۹ھ میں باب السلام سے باہر پتھر کا ایک لمبا ستون پڑا ہوا دیکھا تھا جس کے اوپر سے قدم رکھتے ہی لوگ آتے جاتے تھے۔ عام طور پر مشہور تھا کہ یہ ستون اُسی بت ہُبل کا ایک حصہ ہے۔ اس کے تین پہلو نمایاں تھے، اُن پر کوئی مورت نہ تھی۔

۲- وُدّ ، ۳- سواع، ۴- یغوث، ۵- یعوق، ۶- نسر: حضرت شیثؑ کے پوتوں، پر پوتوں کے نام ہیں لوگوں نے ان کے بت تیار کر رکھے تھے، قبیلہ بنو کلب ''وُدّ'' کو، بنو مدلج ''سُواع'' کو،

بنو مراد ''یغوث'' کو، بنو ہمدان ''یعوق'' کو اور بنو ہمدان کی دوسری شاخ ''نسر'' کو معبود سمجھا کرتے تھے۔

۷-لات: لفظ اللہ کا مؤنث بنایا گیا ہے، اسے ''ربّہ'' بھی کہا کرتے تھے۔

۸-منات: لفظ منّان کا مؤنث ہے، کوہِ مشلل پر اس کا بت تھا۔ ان دونوں بتوں کی خدائی تمام عرب میں مسلّمہ تھی۔ ہذیل و نزار، اوس و خزرج منات کے خاص پوجا کرنے والے تھے۔

۹-عُزیٰ: لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔ بنو شیبان خصوصیت سے اس کی پرستش کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ موسم گرما میں خدا اسی کی استھان میں رہا کرتا ہے۔ بنو کنانہ بھی اسی کے معتقد تھے۔

۱۰-دوّار: نوجوان عورت کا بت تھا۔ اس کے گرد اگرد چکر لگایا کرتے۔

۱۱-اساف بن یعلیٰ اور ۱۲-مسّماۃ نائلہ بنت زید بن جرہم: یمن کے باشندے تھے۔ ان کے باہمی تعلقات گندے تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر یہ مرتکب کبیرہ ہوئے۔ ان کو سزا دی گئی اور ان کے لاشے تشہیر و رسوائی کے لیے بلاد فن رکھے گئے۔ اساف کو کوہِ صفا پر اور نائلہ کو کوہِ مروہ پر۔ لاشے گل سڑ گئے تو ان کے بت بنا کر رکھ دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد لوگ ان دونوں کی پرستش کرنے لگے۔[1]

۱۳-عبعب: ایک بڑا پتھر تھا، قربانی چڑھانے کا استھان۔

۱۴-عم انس: زراعت کا دیوتا۔ جیسے یوپی کے صوبہ میں ایک فرضی نام ماموں اللہ بخش بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی یہ ایک بت کا نام تھا۔ ایک بار بایّام قحط اس بت کی رضامندی کے لیے ایک سو بیل (گاؤنر) اس کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے۔ اس کے حالات وفد خولان نے اسلام لانے کے بعد نبی ﷺ کے حضور میں گزارش کیے تھے۔

---

[1] ماخوذ از اغاثۃ اللہفان، ص ۳۱۰

۱۵-ذوالکفین: لکڑی کا بت تھا۔ قبیلہ دوس کا معبود۔ طفیل بن عمرو بن صمصمہ نے اسلام کے بعد اسے آگ لگا کر راکھ بنایا تھا۔

۱۶-فلس: قبیلہ طے کا بت تھا، جلایا گیا۔

۱۷-سعد: بنی ملکان بن کنانہ کا بت۔

۱۸-ذوالشریٰ: بنو حرث بن شکر کا بُت

۱۹-بہم: بنو مزینہ کا بت۔

۲۰-شعیر: بنو غزہ کا بت۔

۲۱-ذوالخلصہ: تاج پوش عورت کی شکل میں قبیلہ خُثعم و بجیلہ کا معبود۔

ان بتوں کی پرستش میں جن تکالیف اور مصائب نے اہلِ عرب کو اپنا شکار بنا رکھا تھا انہی کو آیت پاک میں ''اِصر'' اور ''اغلال'' فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان بندشوں سے نجات ملی تھی۔

(ب) یہود

اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔ یہود اگرچہ صرف اُسی ایک قبیلہ کو کہنا چاہیے تھے جو یہودا، پسرِ یعقوبؑ کی اولاد ہیں، لیکن اب یہ نام بعرفِ عام اُن بارہ قبائل کا ہو گیا ہے جو دوازدہ اسباط بنو اسرائیل ہیں۔ ذیل میں اسرائیل (یعقوبؑ) کے سب فرزندوں کے نام بترتیب ولادت تحریر کیے جاتے ہیں:

نمبر شمار	نام	نام کے معنی	والدہ کا نام
.1	روبن	اُنْظُرْ ابْنًا (بیٹا دیکھو)	لیاہ بیگم
.2	شمعون	سماعت	لیاہ بیگم
.3	لاوی	جفت	لیاہ بیگم
.4	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
.5	دان	منصف	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
.6	نفتالی	کشتی گیر یا پہلوان	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
.7	جد	عسکر	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
.8	آشر	نصیب [خوشی]	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
.9	اشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
.10	زبون	رفیق	لیاہ بیگم
.11	یوسف	مزید	راخیل بیگم
.12	بن یمین	دست راست کا فرزند	راخیل بیگم [1]

یہودیوں کی عزت و شہرت داؤدؑ کے عہد سے بڑھ گئی تھی۔ اُن کے فرزند سلیمانؑ کے عہد میں ہر بر یہود اپنی خوشی سے اُٹھتا بیٹھتا تھا۔

---

[1] ماخوذ از زرقانی و اغاثۃ اللہفان، فقط منہ۔

سلیمانؑ کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ان کے فرزند رحبعام سے دس اسباط علیحدہ ہوگئے۔ رحبعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رحبعام کی اولاد ''شاہانِ یہودا'' اور دوسری شاخ ''شاہانِ بنواسرائیل'' کہلائے۔ وہ یروشلم جسے خدا نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا، چالیس سال ہی کے بعد پھر مردود ربانی ٹھہرا۔

یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو، پھر وہ ہمیشہ کے لیے مصیبتوں کی داستان بن گئی۔ ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا۔ اُس وقت سے اُن کی تاریخ اسیری، مظلومی، جلاوطنی، غلامی کے واقعات سے لبریز ہے۔ یہ عہد سلطنت نیرو (بادشاہِ روما) یعنی ۷۰ء فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا۔ وہ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا [الاحزاب ۳۳:۶۱] کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اول عیسائی ہو گیا تو یہودیوں کی حالت آشیائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ کی سی تھی۔ اُن کی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ اُن کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری کے حقوق حاصل نہ تھے۔ دینی حالت بد سے بدتر تھی۔ موسیٰؑ کلیم اللہ کے عہد سے لے کر عیسیٰؑ کلمۃ اللہ کے زمانے تک انھوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب وتذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھلائی تھی۔ کتاب تورات ان میں موجود نہ رہی تھی، اس لیے حلال و حرام اور سخط و رضا کا بیان صرف اَحبار کے اخبار و اعتبار پر رہ گیا تھا اور یہ لوگ اکل سُحت، مردار خوری اور اخذ ربٰو (سود خواری) میں اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ فتاویٰ شرعیہ فروخت ہوتے تھے اور امیر و غریب کے مقدمات مقدارِ ثبوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رُسل و انبیاء بکثرت و تواتر بھیجے، لیکن اسرائیلیوں نے کبھی ان کی نہ وقعت کی اور نہ نصرت، بلکہ بعض اوقات انبیاء کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹلے۔

توہمات نے روحانیتِ مذہبی کو فنا کر دیا تھا اور خود گھڑت ''زہد و اتقا'' نے شریعت کو ان کے حق میں لعنت ٹھہرایا تھا۔ سیدنا مسیح ان کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مخذول قوم کے اغلال و اِصر کو دُور کر دینے کا عزم فرمایا اور از راہ ترحّم چاہا کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت کی جگہ عطا فرمائیں۔ اس مبارک خیال سے حضور ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی ایک معاہدۂ بین الاقوامی منعقد فرمایا اور معاہدہ میں یہود کو تمدن کے حقوقِ مساویانہ سے معزز فرمایا۔

اُن کی دینی حالت کو درست فرمانے کی طرف توجہ کی گئی یعنی اَحبار کے خود ساختہ فتاویٰ سے اُن کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا اور یہود کے مقدماتِ باہمی میں تورات کے احکام بینہ کے مطابق فیصلے صادر کیے۔ یہ جملہ تدابیر اس قوم کی اغلال و اِصر سے رہائی دلانے کے لیے تھیں۔

شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدت و سختی بہت زیادہ تھی۔ مثلاً توبہ کے لیے خودکشی، یا تحریم دیت، یا تحریم غنیمت، یا سبت کا قطعاً ترک عمل، یا نماز کا کنیسہ سے باہر عدم جواز، وغیرہ وغیرہ۔ اِن احکام میں سہولت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اِصر و اغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا۔

(ج) نصاریٰ

حضرت مسیحؑ نے اپنے لیے بارہ شاگرد چن لیے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط کے سامنے مسیح کی تعلیم کے گواہ ٹھہریں۔ ایسے کامل استاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح نے کئی بار اِن سے فرمایا کہ اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے۔ مسیح ان کو ملامت فرمایا کرتے، کیوں کہ مسیح کے ساتھ ایک وقت بیدار رَہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رَہ سکتے تھے۔

حضرت مسیحؑ کی تشریف بری کے بعد ان بارہ شاگردوں کے درمیان عقائد اور اعمال کے متعلق سخت اختلافات نمودار ہو گئے۔ [مثلاً]:

الف: احکام شریعت (توراۃ) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

ب: اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے یا نہیں؟

ج: ختنہ صرف اسرائیلیوں کے لیے ہے یا ہر ایک شخص کے لیے جو عیسائیت میں داخل ہو؟

ان مسائل پر خوب گرما گرم بحثیں ہوا کرتیں۔ پولوس یہودی جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا بلکہ مسیحؑ کی موجودگی میں خود مسیحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا، اب عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت اُن بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی، اس لیے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردانِ مسیحؑ کو دبا لیتا تھا اور اُس تعلیم کے مقابلے میں، جس کی بابت مسیحؑ نے ان کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا، ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔

پولوس ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت میں بالاتر درجہ دیا اور شریعت کی حرام کردہ اشیا کو نئی نسل کے لیے حلال ٹھہرا دیا۔

پولوس نے اپنی زندگی میں یہ ایسی نظیر قائم کر دی تھی جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے شمعِ راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے اور پھر جو کوئی اُس اعتقاد محدثہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا، اسے تلوار اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیحؑ کی الوہیت و ابنیت کا تھا۔ کسی نے مسیحؑ کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا اور کسی نے مسیحؑ کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا۔ کسی نے مسیحؑ کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر [فائز] بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے اور مسیحؑ کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (خدا، عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لیے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے اقانیم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے تثلیث کے ارکان خدا، مریم اور مسیح کو بتایا، کسی نے خدا، جون یعنی یوحنّا اور مسیح کو بتایا، کسی نے خدا اور مسیح کو اقانیم ثلاثہ ظاہر کیا۔ پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے:

۱- کسی نے بتلایا کہ مسیح کی پیدایش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔

۲- کسی نے بتایا کہ روح القدس کی پیدایش خدا اور مسیح سے ہوئی۔

یہ اختلافات وہ تھے جو شجرِ عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اُسے بیخ و بُن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔

روما و قسطنطنیہ اور مصر و یروشلم کے کلیسا اپنے اپنے شرف و بزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر خارج از دین ہونے کے فتوے جاری کر رہے تھے۔

انہی ایام میں مریمؑ اور مسیحؑ کا نمونہ بننے کا شوق بھی ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزار در ہزار مرد نن اور منک (راہبات و رہبان) بن جاتے تھے۔ ان کا وجود متمدن دنیا کے لیے بوجھ تھا۔ نیز کلیسا کے اخلاق و اعمال پر ایک بد نما دھبہ تھا۔

"کفّارہ" کے مسئلے نے اعمالِ صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا اور مسیح کے لعنتی اور جہنمی بن کر نجات دہندہ ہو جانے کی مسرّت نے وحشیانہ طبائع کی امنگوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

"مقدس جھوٹ" کے مسئلہ نے ہر ایک فرقہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بنا لینے کے اختیارات کامل عطا کر دیے تھے۔

اِن تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پرسیکیوٹر، آرڈین، ڈبکن بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جور و ستم عیسائیوں پر ہوئے، اُن کے ہیروڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل ہیچ تھے۔ یہی حالت تھی جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

اسلام کے ظِل حمایت میں آجانے کے بعد شام و مصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رَہ کر امن مستحکم کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے اُن اَغلال و اِصر

(ہتھکڑیوں اور طوقوں) کو اُن کے جسم سے اتارا، جنھوں نے عیسائیوں کے سر و دوش اور عقل و ہوش کو زیر بار گراں کرر کھا تھا۔

(د) ہندو اقوام

اہلِ اسلام نے دریائے ''اِنڈ'' یا ''سندھ'' کے شرق میں رہنے والوں کو ''اِنڈو'' یا ''ہندو'' تحریر کیا ہے۔ اس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی، تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اس ملک میں بھی کسی زمانے میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم اور ملک اور مذہب و علم کا زوال مہابھارت کی جنگ سے شروع ہوا۔[1] یہ جنگ کم از کم ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح ہوئی تھی۔[2]

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک شخص ایسا نہ رہ گیا تھا، جو فریقین (کور و پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کرتے ہیں کہ اس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ تو ضرور ہو گی، مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کہ طرفین میں سے صرف بارہ مرد زندہ باقی رَہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوش ربا دیکھی تو انھوں نے بھی جلد از جلد اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] ستیارتھ پرکاش

[2] قدیم ہندوستان، مصنفہ رومیش چندرت صاحب

حضرت مسیحؑ سے چھ صدی پیشتر بدھ مذہب نے ظہور کیا۔[1] بدھ نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا اور سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی۔[2] ویدمت کی جگہ بدھ مت قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست و نابود ہو گئیں اور اُن کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنکراچارج نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کیے اور اپنی علمیت کا رنگ جمایا، مگر وہ ۳۴-۳۳ سال کی عمر میں مر گیا۔ اُس کی مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ مل گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ شاعرانہ غلوّ اور استغراق نے بھی قدم جما لیے اور حقائق و واقعات پر استعارات کا پردہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہابھارت پائی جاتی ہے، مگر وہ بھی یار لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی۔ بیس ہزار شلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیے گئے۔[3]

بدھ مذہب کا زور راجہ اشوک کے عہد تک رہا۔[4] اس کے بعد بدھ ازم رُو بہ زوال ہو گیا۔ بدھ ازم کے اصول متمدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بھکشوؤں (گداگروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کر دی تھی، وہی زیادہ تر اس کے زوال اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی۔ گو، پر ان مت نے بھی اُس کے نکالنے میں بہت بڑی جدوجد کی تھی۔

---

[1] بدھ کا اصلی نام سدھارتھ ہے۔ خاندانی نام گوتم۔ بدھ تعظیمی نام ہے جس کے معنی بیدار ہیں۔ کپل وستو نیپال کی لڑائی میں مایا کے بطن سے نجانہ سرود نا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا حکمران تھا۔ مسماۃ سبودآ سے شادی ہوئی۔ راہولا نام فرزند پیدا ہوا۔ ۲۹ سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سنِ ولادت سنہ ۵۶۰ قبل مسیح ہے۔ ہشتاد [۸۰] سالہ عمر میں انتقال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں۔

[2] پنڈت وجے نرائن کی کتاب بدھ، ص ۱۶۹۵

[3] ستیارتھ پرکاش

[4] راجہ اشوک کا عہد ۴۶۶ ق م، ڈاکٹر مسٹر اس کی کتاب بدھ، ص ۱۳۵۲-

بدھ مت کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ فسق و فجور اور فواحش کا دَور دَورہ ہوگیا۔ چکرانت، دام مارگی، سہسر بھگ، درشنان مکتی، شاکت، ننوارک آوک، رام ایاسک، ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقے پیدا ہوگئے جنہوں نے اخلاق و تہذیب کو جلا کر راکھ کر دیا۔[1]

یہ فرقے تمام ہندوستان میں چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب، جوا، بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔ ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی، جب سندھ اور شمال مغربی حدود اور جنوبی ہند سے مبلغینِ اسلام پہنچے۔ انہوں نے ملک کو حقائق و معارف سے روشناس کیا۔ تب دیدۂ دروں کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے خلعتِ اسلام زیب تن کیا اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا۔

الغرض یہ وہ اصرار و اَغلال تھے جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی ﷺ کے خدام اور تعلیمِ اسلام [کے] طفیل حاصل ہوئی۔

(ھ) مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم تھی۔ اُنھوں نے قریباً ایک ثلث کرۂ ارض پر، جو اس وقت آباد تھا، حکومت کی۔ حکومت سے امن، امن سے عیش و عشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل و دماغ کو کمزور کر دیا اور ایوانِ سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

مانی کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست و نابود کر دیا۔ مرد و زن کے طبائع میں شوریدگی و آوارگی پیدا کر دی۔ مزدک نے ''زَن'' و ''زَر'' و ''زمین'' پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فحش و ظلم اور طغیان و عصیان کا طوفان بپا کر دیا۔ مائیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحبِ تخت و تاج شہزادیاں اپنے افسرانِ فوج کے جذباتِ حیوانی سے تختہ ہائے موت پر لٹائی گئیں۔ محرماتِ ابدیہ کو محصنات اوّلیہ بنائے جانے کے دلائل پسند کیے گئے۔ عصمت و پاک دامنی کو ہر دو جنس کے لیے

---

[1] ان ذاتوں کے کرتوت ستیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

ناپاک قرار دیا گیا۔ فرہاد جیسے نمک حرام ملازم اپنے بادشاہ کے رقیب بن گئے اور شیرویہ جیسے ناخلف پسر نے جوشِ بہیمیت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سپاہِ بد بہرام چوبیں ملکہ پوران دخت کی آتش کدۂ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روما و ایران کی عدالتِ قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری [کی] چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔ اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا۔ مقدس کتاب سکندر کی تاخت و تاراج میں گم اور بے نشان ہو چکی تھی۔ یہ حالت تھی جب اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا اور نبی ﷺ کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر و استبداد اور فحش و ظلم کے بند و زنداں سے آزاد کیا۔

ناظرین! ان حالات کو جو عرب اور یہود، عیسائی و ہنود اور مجوس کے متعلق مختصراً قلمبند کیے گئے ہیں، مکرّر غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح پر قبل از اسلام تطاولِ زمانہ کے جور و ستم سے برباد ہو چکی تھیں۔ کیسی کیسی درماندگی و تیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔ ان جملہ اقوام کو حضور ﷺ ہی کی محبّانہ و ہمدردانہ و صادقانہ و بے غرضانہ، جود و رحم نے غارِ ہلاکت سے نکالا اور تمدّن و حسن معاشرت و امن عامہ و عافیتِ کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ [الاعراف ۷:۱۵۷] حضورِ سرورِ کائنات ہی کی ذاتِ ہمایوں پر صادق و منطبق ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۸: قابلِ اقتداء نمونہ ﷺ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۔[التوبۃ ۹:۱۲۸] تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کے مخاطب اہلِ عرب اور قریش ہیں۔ اہلِ عرب کو اپنے حسب و نسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی وقعت نہ سمجھتے تھے اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی ننگ و عار سمجھا کرتے تھے۔ لہٰذا رب العالمین نے اہلِ عرب پر یہ بھی اظہار منّت و احسان فرمایا کہ

یہ عظیم الشان رسول جس کا اوّلین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے، تم ہی میں سے ہے، تم سے غیر نہیں۔ صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہؓ نبی ﷺ کا ارشاد موجود ہے:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ[1] اللہ تعالیٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا، حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت واثلہ بن اسقع حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ[2] اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیلؑ میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ عمّ رسول کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اہلِ قریش بیٹھے ہوئے حسب و نسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی آگیا تو انھوں نے حضور ﷺ کو نخل کدُیہ[3] سے تشبیہ دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيْقَيْنِ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ قَبِيْلَةٍ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوْتَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ بُيُوْتِهِمْ فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بُيُوْتًا[4] اللہ تعالیٰ نے

---

[1] [بخاری، کتاب المناقب، بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ، ح ۳۲۹۳]

[2] [مسلم، کتاب الفضائل، بَابُ فَضْلِ نَسَبِ النَّبِيِّ ﷺ، ح ۲۴۲۱]

[3] یعنی کھجور کا وہ درخت جو سنگ لاخ زمین میں ہوا، اس سے قریش کا اشارہ نبی ﷺ کے فرزند نرینہ نہ ہونے کی جانب تھا۔

[4] [ترمذی، کتاب المناقب، بَابُ فَضْلِ النَّبِيِّ ﷺ، ح ۳۵۴۰]

خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا، پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا، پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانے میں بنایا۔ لہٰذا میں اُن سب سے بہترین ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔

(ب) مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کے مخاطب کل اہلِ جہاں ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت ﷺ کے اعتبار سے عظیم الشان ہے، جنس بشر ہی سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ جنس ملائک سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد اور یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و تعلّم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اسوۂ رسول ﷺ کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آجاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ :

ع کار پاکاں را قیاس از خود مگیر چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اب کہ حضور ﷺ کا نسلِ انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہو گیا تو جملہ انواع بشر کو بھی عزت و عظمت ہو گئی۔

ع گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

اور شیدائیانِ اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور سنت نبویہ ﷺ کا اقتدار سب کو مرغوب و محبوب بن گیا۔

صاحب معالم التنزیل اور خازن نے بروایت ابن عباسؓ اور زہری و [ابن محیصن] نے مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کو بفتح فا یعنی مِنۡ اَنۡفَسِكُمۡ تلاوت کیا ہے۔ اس وقت اس کا مادہ نفاست ہو گا اور اس کے معنی پاکی گوہر اور لطافت طبع اور طہارت ذات میں حضور ﷺ کا افضل خلائق ہونا ثابت ہو جائے گا اور آیت زیب عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

۱۹: امت کی فکر

عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ ۔[التوبۃ ۹:۱۲۸] تمہاری تکلیف اُن پر شاق گزرتی ہے۔

جب عَزَّ یَعَزُّ (بفتح عین) ہو، تب اس کے معنی شاق اور سخت ہوتے ہیں۔ عَنِتٌ جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے، کے معنی مشقت، فساد، ہلاکت، خطا وغیرہ ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی ﷺ کو نہایت ہی شاق و گراں گزرتی ہے۔ یعنی تمہاری تکلیف سے نبی ﷺ کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ تمہارے درد کو وہ درد سمجھتے ہیں۔

کفار و مومنین دونوں پر رحم

واضح ہو کہ نبی ﷺ کی یہ صفت کفار اور مومنین دونوں کے حق میں تھی۔

(الف) نبی ﷺ جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے اور خیال فرمایا کرتے کہ یہ لوگ کس انجامِ بد کا شکار ہونے والے ہیں، یہ لوگ کیوں کر اپنے ہاتھوں اپنے لیے چاہِ ہلاکت کھود رہے ہیں، تب حضور ﷺ کے دلِ رحم پرور کو نہایت صدمہ گزرتا تھا۔ بسا اوقات یہ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے تسلیہ و سکینہ کے لیے اپنا کلام و پیغام بھیجنا پڑتا۔

سورۂ یٰس میں ہے: فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ [یٰس ۳۶:۷۶] ان کی باتوں سے آپ اپنا جی برا نہ کریں۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ [آل عمران ۳:۱۷۶] کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ ﷺ اندوہ گین نہ ہوں۔

۱- واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آورانِ مکہ قید کر لیے گئے تو رات کو نبی ﷺ کو نیند نہ آئی۔ اِدھر سے اُدھر حضور ﷺ کروٹیں لیتے تھے۔ کرب و اضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے؟ فرمایا: نہیں، مگر عباس کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آ رہی ہے، اس لیے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اُٹھا۔ اُس نے جا کر عباس کی مُشک بندی کھول دی۔ اُنھیں آرام مل گیا تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضرِ خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اب عباس کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری بولا کہ میں نے اُن کے بندھن کھول دیے ہیں۔ فرمایا: جاؤ، سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو

اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں، تب نبی کریم ﷺ کا اضطراب دُور ہوا اور حضور ﷺ خوابِ شیریں سے استراحت گزیں ہوئے۔

ذرا سوچنا ہے، قیدی وہ تھے جنھوں نے ۱۳ سال تک متواتر اہلِ ایمان کو ستایا تھا۔ کسی کو آگ پر لٹایا، کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بھاری پتھروں کے نیچے دبایا، کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک وخون میں سلایا تھا اور پھر اُن پر یہ نرمی، یہ سلوک!!

عباس حضور ﷺ کے چچا تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے وہ بادلِ ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ و اجبار سے بدر میں آئے تھے۔ بایں ہمہ حضور ﷺ کے عدل و انصاف نے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ کی رحم دلی اور طبعی شفقت ورأفت کا یہ عالم تھا کہ جب تک سب قیدیوں کے بہ آرام ہونے کی رپورٹ نہ لی اس وقت تک حضور ﷺ کو نیند تک نہ آئی۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کا یہ جلوہ ایسے حملہ آوران ودشمنانِ جانی وایمانی کے مقابلہ میں تھا۔

۲- جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر رونق افروزِ مدینہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ [اپنے] فرمان: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ [الانفال ۸:۳۳] کا مفہوم ظاہر فرمایا اور اہلِ مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اُتارا۔ قحط اس شدت کا تھا کہ اہلِ مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہو گئی۔

ابوسفیان اُموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسرِ پرخاش رہا کرتا تھا۔ وہ خود دربارِ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں، ہم حضور ﷺ کے قرابتی ہیں اور رحم کے ملتجی۔ احسان فرمایئے اور دعا کیجیے کہ اس قحط شدید سے ہم کو نجات ملے۔

نبی ﷺ نے ثمامہ بن اُثال سردارِ نجد کو، جو دولتِ ایمانی سے مالا مال ہو چکا تھا، حکم بھیج دیا کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے۔ اُس کے علاقے میں اناج بکثرت تھا۔ اُس نے غلّہ صرف اس لیے روک رکھا تھا اور منفعتِ تجارت کو بھی نظرانداز کر دیا تھا کہ اہلِ مکہ دشمنانِ رسول

ﷺ ہیں۔ اب حکم نبوی کی تعمیل ہوئی اور اہلِ مکہ کی جان میں جان آئی۔ یہ بھی دشمنوں کے مقابلے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کا ایک ثبوت تھا۔

۳- جنگ طائف اُن حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی جن سے حُنین و اوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا۔ یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں مستحصن [قلعہ بند] ہو گئے تھے اور ابھی ان کی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن محاصرے کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے۔ بھوک نے اُن کی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہ نے جنگی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے، مگر حضور ﷺ نے از راہِ رحم و کرم جو حکم دیا تھا، اُس کی تعمیل کرائی۔ یہ واقعہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کا تیسرا نمونہ ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسے نظائر اور بھی بہت ہیں کہ قلبِ رحیم اور طبعِ کریم پر اہلِ محاربہ کی حالت زبوں اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

(ب) اہلِ اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی رحمت و شفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات و معاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ اُمت کو دشواری سے بچانے کے لیے یا اُمت کی آسانی کے لیے حضور ﷺ کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی اُمت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور اُمت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔

۱- صحیح بخاری میں ابن عباس اور ابو حبہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج کو پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ سیدنا موسیٰؑ نے نبی ﷺ سے کہا: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ (آپ کی اُمت میں اتنی عبادت کی طاقت نہیں) تب حضور ﷺ نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی۔ موسیٰؑ نے پھر

بھی حضور ﷺ کو وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور نبی ﷺ ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ نمازیں رَہ گئیں۔[1]

اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں:

(الف) نبی ﷺ فرمانِ رحمن کے کتنے منقاد و مطیع تھے کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے اس بارے میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔

(ب) حضور ﷺ اپنی اُمت پر کس قدر مہربان تھے کہ جب موسیٰ کلیم اللہ جیسے تجربہ کار نبی نے اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ کو دُہرایا تو فوراً اُس پاک فطرت کا ظہور ہوا جو عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کی تحت میں پنہاں تھی اور حضور ﷺ نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔

اس حُسنِ ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا کہ تعداد تو پچاس سے پانچ رَہ گئی اور ثواب وہی پچاس کا رکھا گیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر سیدنا موسیٰؑ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور ﷺ کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے تو وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

نبی ﷺ کے کمالِ عبودیت اور وفورِ شوق عبادت کے سامنے تو پچاس نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلبِ شاکر اور وہ لسانِ ذاکر جو یادِ الٰہی سے ایک دم کے لیے غافل نہ ہوتے ہوں، اُن کے لیے محدود وقت میں معدود رکعتوں کا ادا کر لینا کیا دشوار ہو سکتا ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ فِي الْإِسْرَاءِ [ح۳۳۶۔ مسلم، کتاب الایمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى السَّمَاوَاتِ، ح۲۳۷۔ بخاری و مسلم دونوں میں اس حدیث کے شروع میں جو سند درج ہے وہ انس عن ابی ذر کی روایت ہے مگر درمیان میں نمازوں کے بارے میں ذکر ابن عباس وابوحبّہ کی روایت سے ہے۔ (مدوّن)]

۲-ماہِ رمضان تھا۔ نبی ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لا رہے تھے۔ حضور ﷺ روزے رکھا کرتے تھے۔ جب بمقام عسفان پہنچے تو حضور ﷺ نے پانی منگایا اور دستِ مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا اور پھر مکہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔[1]

یہ ترجمہ تو صحیح بخاری کی روایت عن ابن عباسؓ کا ہے، لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے روزہ افطار فرمایا اور ترکِ صوم کیا تھا کہ اہلِ لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی اور اُمت کی تکلیف سے حضور ﷺ خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔[2]

۳۔ صلوۃ تراویح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور تیسری شب کو حضور ﷺ مسجد میں اس نماز کے لیے تشریف نہ لے گئے اور پھر صبح کو لوگوں سے فرمایا:

قَدْ رَاَیْتُ صَنِیْعَکُمْ فَلَمْ یَمْنَعَنِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَیْکُمْ اِلَّا اَنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّفْرَضَ عَلَیْکُمْ[3]

اس نماز کے لیے تمہارا آنا، انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا، مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

---

[1] [بخاری، کتاب المغازی، بَابُ غَزْوَةِ الْفَتْحِ فِي رَمَضَانَ، ح۳۹۴۰]

[2] [مثلاً دیکھیے: مسلم، کتاب الصیام، بَابُ جَوَازِ الصَّوْمِ وَالْفِطْرِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لِلْمُسَافِرِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ، ح۱۸۷۸]

[3] [المؤطا، كِتَابُ النِّدَاءِ لِلصَّلَاةِ بَابُ التَّرْغِيبِ فِي الصَّلَاةِ فِي رَمَضَانَ، ح۲۲۹۔ بخاری، كِتَابُ الْجُمُعَةِ بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ، ح۱۰۶۱۔ مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا بَابُ التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، ح۱۲۷۰۔ ابوداؤد، كِتَابُ الصَّلَاةِ بَابٌ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، ح۱۱۶۶۔ نسائی، كِتَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ وَتَطَوُّعِ النَّهَارِ بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، ح۱۵۸۶]

۶- صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز تہجد میں تھے، میں حضور ﷺ کے ساتھ جا شامل ہوا۔ حضور ﷺ نے میری اقتدا کو محسوس کیا تو نماز ہلکی کر دی۔[1]

۷-اُم المومنین حضرت عائشہ طیبہؓ نے نبی ﷺ کے شیوۂ عمومی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:

اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ[2] نبی ﷺ ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے جس کا کرنا حضور ﷺ کو پسند ہوتا، اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے اور ڈر ہوتا کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرایا جائے۔

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کی صفت حضور ﷺ میں کیسی مستحکم تھی اور اُمت کی تکلیف کا خیال حضور ﷺ پر کس قدر شاق تھا۔ یہ محبت، یہ شفقت، یہ ترحم، یہ پیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا، جو حضور ﷺ کو اپنے ہزار در ہزار اُلوف در اُلوف افرادِ اُمت کے ساتھ تھا۔ بے شک حضور ﷺ کی رحمت، رب العالمین کے بعد ہر ایک رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے سے برتر اور بڑھ کر تھی۔

۲۰: اُمت کی بھلا چاہنا

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (التوبۃ۹:۱۲۸) ہمارا نبی ﷺ تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب وشائق ہے۔

---

[1] [مسلم میں حضرت انسؓ سے تخفیف نماز کے بارے میں پانچ احادیث مروی ہیں، مگر ان میں اس مخصوص واقعے کا ذکر نہیں ہے۔ دیکھیے: مسلم، كِتَابُ الصَّلَاةِ. بَابُ أَمْرِ الْأَئِمَّةِ فِي تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ، ح۷۲۰،۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۲،۷۲۳]

[2] بخاری، [كِتَابُ التَّهَجُّدِ]، بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ عَلَى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ، [ح۱۰۶۰]

جب حرص کا استعمال عَلٰی کے صلہ سے کیا جاتا ہے تو اس کے معنی شدّت طلب ہوتے ہیں۔ آیت بالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو بنی نوع کے مفاد اور رفاہ و صلاح کی آرزو بدرجہ کمال تھی۔

۱-سورۂ یوسف میں ہے:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔[یوسف۱۲:۱۰۳] بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو اُن سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔

اس آیت سے بھی یہی استفادہ ہوا کہ حضور ﷺ کا منتہائے نظر اور کمالِ آرزو یہی تھا کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مَلِكٌ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔ ربِّ واحد کا دینِ واحد ہی تمام اصنافِ انسانی کو متحد و متفق بنانے والا ہو۔

۲-قریش کے سردار عتبہ نے ایک بار نبی ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا:

(الف) کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟ میرا ذمہ ہے کہ سب سے زیادہ زر و مال تیرے پاس جمع کر دُوں گا۔

(ب) کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟ ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

(ج) کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟ میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرادوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے نہ تو زر و دولت کی ضرورت ہے اور نہ ریاست و حکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اُسی کا ہر ایک سننے والے کان تک پہنچا دینا میرا مقصود اعلیٰ ہے۔

۳-ایک بار ابو جہل لعین نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ حمزہ عمِّ رسول ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو اُنھوں نے ابو جہل کو جا پیٹا اور پھر نبی ﷺ کو آکر بتلایا: محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔ نبی ﷺ نے جواب دیا، مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی

تعلق نہیں۔ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔سیدنا حمزہؓ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا۔ حضور ﷺ کی تعلیم اور تعلیم کے لیے بے حد سر گرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی۔انتقام اور دیگر رذائل سے حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ پاک و صاف تھے۔یعنی حضور ﷺ کی آرزو اپنے نفس کے لیے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور ﷺ کا پیکرِ محبت کل تھا اور حضور ﷺ کا وجود منفعت عامہ اور وجودِ عامہ کی صفات سے مشکل و مُجسم تھا۔ﷺ

ذرا حضور ﷺ کی اُن ادعیہ پر نظر ڈالو، جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ نے اُمت کے حق میں فرمائی ہیں۔وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا:

مسلمانو! اللہ تمہیں سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے بچائے، تمہاری مدد کرے، تم کو بلند کرے، ہدایت اور توفیق دے، اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے، تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ بنائے۔[1]

ذرا ان الفاظ پر غور کرو۔ایک کے بعد دوسری دعا اور دوسری کے بعد تیسری۔ گویا دعا و برکت دیتے تھکتے ہی نہیں۔یہ اسی صفت حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کا ظہور ہے، اور یہ خصوصیت ذات ہمایونی ہی کی ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى نَبِيِّكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

---

[1] [اس مفہوم کی ایک حدیث مسند البزار، مرۃ الہمدانی عن عبداللہ بن مسعودؓ، (ح ۱۷۹۰)، امام طبرانی کی کتاب المعجم الاوسط، بَابُ الْعَيْنِ، مَنِ اسْمُهُ عَلِيٌّ، (ح ۴۱۴۳) اور الدُّعَاءُ، بَابُ تَعْزِيَةِ الْمُصَابِ، (ح ۱۱۲۱) نیز حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب المطالب العالیۃ، کتاب السیرۃ والمغازی، بَابُ غُسْلِ النَّبِيِّ ﷺ (ح ۵۱۴۴) پر موجود ہے، مگر الفاظ کا اختلاف ہے۔(مدون)]

۲۱: مؤمنوں سے انتہائی پیار

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ [التوبۃ۹:۱۲۸] وہ مؤمنوں سے بہت پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

آیت بالا میں نبی ﷺ کو رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کے اسما سے یاد فرمایا گیا ہے۔

رَءُوْفٌ رأفت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

رَّحِيْمٌ رحم سے صفت مشبّہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان[1] پر آتے ہیں وہ معنیً کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں، اور جو صیغے صفت مشبہ[2] کے اوزان پر آتے ہیں وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا رَءُوْفٌ کے معنی کامل العطوف ہیں اور رَحِيْمٌ کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ [الحج۲۲:۶۵] اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف و رحیم ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف و عزت اور غایت تکریم و حرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بحالتِ ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذاتِ پاک سبحانی کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں الٰہ الحمود کی رأفت و رحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ کی رأفت و رحمت کو بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم و خصوص

---

[1] مبالغہ کے اوزان دس ہیں، اور مندرجہ ذیل لغات اُن اوزان پر ہیں: (۱) نَجَّارٌ (۲) عَلَّامَةٌ (۳) صِدِّيْقٌ (۴) مِسْكِيْنٌ (۵) مِسْعَرٌ (۶) مِعْطَارٌ (۷) نَصِيْرٌ (۸) ضَرُوْبٌ (۹) حِذْرٌ (۱۰) فَارُوْقٌ مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔

[2] صفت مشبّہ فعل لازم سے بمعنی فاعل آتا ہے۔ مندرجہ ذیل لغات اُس کے وزن کو ظاہر کرتے ہیں: (۱) حَسَنٌ (۲) طَيِّبٌ (۳) صَعْبٌ (۴) جَبَانٌ (۵) شُجَاعٌ (۶) شَفِيْعٌ (۷) مُهْدٌ (۸) اَشْيَبُ (۹) عَظْشَانٌ (۱۰) كَرِيْمٌ (۱۱) وَفُوْرٌ (۱۲) فَرِحٌ۔ اسے مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی اور تصرّف میں اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔

کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کے لیے شکر و ابتہاج کا مقام ہے کہ اُن کو المضاعف رحمت و عطوفت کا مورد و مصداق بنایا گیا ہے۔

مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لیے ایسا شرف و امتیاز موجود ہے؟ حسان بن ثابت انصاریؓ کا شعر ہے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ[1]

اگر حسان بن ثابت المویدبروح القدس کی سنت حسنہ کا اقتداء کیا جائے، تب تو حضور ﷺ کے اسّی سے زیادہ ایسے اسمائے گرامی نکلیں گے جن کا توافق و تطابق اسماء اللہ الحسنیٰ سے ہو جاتا ہے۔ سیرت نبویہ کے ائمۃ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ:

الف: جس ''مصدر'' یا ''فعل'' کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے اُس سے اسم بنا لیتے ہیں۔

ب: جس صفت کے ساتھ حضور ﷺ کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے، اسے اسم شمار کر لیتے ہیں۔

ج: جن [اسمائے] اعلام کے ساتھ اشعار میں جو حضور ﷺ کے سامنے پڑھے گئے، حضور ﷺ کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے، اُن کو اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمۂ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسنِ ادب، نیز کمالِ ادب پر دال ہے۔ زرقانی [کی] شرح مواہب لدنیہ میں اسمائے مبارکہ کی جو فہرست بترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصولِ ثلاثہ پر مبنی ہے۔

---

[1] عزت افزائی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ''محمود'' ہے اور حضور ﷺ ''محمد'' ہیں۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد یہ قابلِ گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے جن اسماء کی صراحتاً تطبیق کلامِ ربانی سے ہوتی ہے، اُن کا شمار ۹۲ ہے۔ ان اسما کے معانی کی بحث تو آگے چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور ﷺ کے وصف رأفت و رحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا[1] نبی کریم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے، اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ کا سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔

نبی ﷺ کا یہ اصول ازراہِ شفقت و رأفت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں، نشاط طبع اور حضورِ قلب سے سنیں اور آیندہ کے لیے شوقِ تمام باقی رہے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بحالتِ نماز کسی بچے کے رونے کی آواز سُن پاتے تو نماز ہلکی فرمادیتے کہ ماں بچے کو جلد سنبھال سکے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پا پیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے، اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے۔ [آپ ﷺ] یا تو اسے سوار کرا لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض [فوت] ہو جاتا تو اُس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرمادیتے تھے، مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے: کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات اُمت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً، ح٦٨۔ مسلم، كِتَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ، بَابُ الاقْتِصَادِ فِي الْمَوْعِظَةِ، ح٥٠٤٧]

چھوٹے بچوں کو پیار کرتے۔ ان کو خود سلام کیا کرتے۔ ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے۔ گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے۔

غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا ظہور از راہِ شفقت ور اُفت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رأفت ور حمت کا ظہور حضورِ پُر نور کے خصائص میں سے تھا۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

۲۲: آپ ﷺ کی رسالت سب کے لیے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۔(اسبا[۳۴:۲۸]) ہم نے تجھے جملہ نوعِ انسانی کے لیے بھیجا ہے۔

کتاب خروج باب سوم [درس ۱۰،۹،۸،۷،۳] میں ہے:

[۳] موسیٰؑ نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا۔ وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔

(۷) میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے، سُنی اور میں اُن کے دکھوں کو جانتا ہوں۔

(۸) اور میں نازل ہوا ہوں کہ اُنھیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں اور حتّیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حویوں اور یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔

(۹) اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری اُن پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔

(۱۰) بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔

مندرجہ بالا فقرات (۷،۸،۹،۱۰) موسیٰؑ کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰؑ کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور اُن کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوامِ عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔ کتاب استثنا (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے:

موسیٰؑ نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوبؑ کی جماعت کی میراث ہو۔ (باب ۳۳، درس ۴)

اس فقرہ نے شریعتِ تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لیے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا کہ شریعت تورات سب دنیا کے لیے ہے۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰؑ کے متعلق ہم کو صراحتاً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

الف: انجیل متی کا باب ۱۵ پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔

یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیحؑ کے پاس اس لیے آئی ہے کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اُس کی بیمار بیٹی کو اچھا کر دیں۔ مسیحؑ نے فرمایا:

میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (۱۵/۲۴)

پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا: اے خداوند میری مدد کرو۔ (۱۵/۲۵)

مسیحؑ نے جواب دیا: مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔ (۱۵/۲۶)

اس تمام واقعے پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیے کہ مسیحؑ نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوااور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انھوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔ انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیحؑ نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو یوں کہا:

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ (۵/۱۰)

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیحؑ کی نبوت اور اُن کے بارہ شاگردوں کے فرضِ تبلیغ کا رقبہ صرف اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔ انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذاہب میں تبلیغی شان موجود ہے۔

عام لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ بدھ مت میں تبلیغِ عام کا وجود پایا جاتا ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انھوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانے میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابلی، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخلِ مذہبِ خود نہیں کیا۔ سلسلۂ تکامل کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے تب تو یہ بھی ہے کہ بُدھ ازم کوئی علیحدہ ازم نہ تھا بلکہ بدھ مہاراج ویدمت کے تازہ کرنے والے تھے۔[1]

---

[1] سماج کی یہ تحقیقات اس لیے صحیح نہیں کہ بدھ نے سنسکرت زبان کی تعلیم اور وید کے تعلّم سے لوگوں کو روک دیا تھا۔ اس امر کا اقرار خود بدھ ازم کے مصنفین کو ہے۔

اب ویدمت کو لیجیے۔ ویدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ وید اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ ویدمت کو کبھی تبلیغی مذہب بتایا گیا ہو، یا کسی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں۔ اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم و فضل اور قرأت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور اُن کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے سیکھنے کے لیے مجتمع ہوئے تھے، ویدمت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔

دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے۔ غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔ ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے بیشتر بزرگوں نے حقیقتاً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی ﷺ کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لیے مبعوث ہیں۔ آیت زیبِ عنوان کے [علاوہ] دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ([الاعراف]۷:۱۵۸) اے نبی! کہہ دیجیے کہ اے نسلِ انسانی کے بچو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

۲۳: آپ ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۔ (الفتح:۱۰:۴۸) جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

مبایعت بیع سے ہے۔ لُغت میں بیع مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور اعطائے مثمن کو جب کہ بتراضیِ جانبین ہو، بیع کہتے ہیں۔

بیع بمعنی شراء اور شراء بمعنی بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جانبین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مبایعت میں جانبین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت، اصطلاح میں اُس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو اطاعتِ امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے، وہ بمقام حدیبیہ درخت سمرا کے تحت میں ہوئی تھی۔ قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔ [الفتح۱۸:۴۸] اللہ اُن سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس بیعت کی ضرورت و حقیقت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان غنیؓ کو مکہ کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ اُن کی معیت میں دس صحابی بھی بھیجے گئے۔ اُن کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور ﷺ تک ایک اُڑتی سی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمانؓ کو قید اور اُن کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حُرمتِ سفارت اور احترامِ سفر کے لیے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔ اُن کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلانی ہو گی۔ لہٰذا یہ بیعت کر لینی پڑی۔

جابرؓ کی روایت (متفق علیہ [1]) سے ثابت ہے کہ اُس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو کس تھی۔

نبی ﷺ درخت کے سایے میں نور افروز تھے۔ بیعت لینے کے لیے دست مبارک پھیلایا ہوا تھا۔ عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ یدِ مبارک کو تکان نہ ہو۔ لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع اسلمیؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے بیعت علی الموت کی تھی، اور جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے عدمِ فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظِ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریتِ اسلام ایسی ہی حریتِ نفس کی معلم ہے، جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اِس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس اسلمی ایسا تھا جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حُریتِ اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اُس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مبایعین کا شرف و جاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا: اَنْتُمْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ[2] آج تم روئے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔

اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوانِ الٰہیہ کو تعلق مستحکم اور رابطہ قویم ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبۃ ۹:۱۱۱) اللہ نے مومنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلے میں کہ جنت اُن کی ہے۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ، ح ۴۱۵۴۔ مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ مُبَايَعَةِ الْإِمَامِ الْجَيْشَ، حدیث ۴۸۰۷۔ اسی باب میں حضرت جابرؓ ہی کی ایک حدیث ۱۵۰۰ تعداد کی بھی ہے۔ (مدوّن)]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ، ۴۱۵۴]

[نیز] فرمایا:

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۔(التوبۃ[۹:۱۱۱]) اپنی ایسی بیع پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔

میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی ﷺ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل و شرف محمدیہ کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

غور کرو کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بائعینِ ذات قرار دیا ہے، اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیبِ عنوان [میں] يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لفظ يَدْ ہر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی میں۔

الف: اگر يَدْ کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الٰہی تمہارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ۔(الحجرات[۴۹:۱۷]) بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے وہ اُس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہؓ حاصل ہے۔

لفظ يَدْ بمعنی غلبہ و نصرت و قوت، زبانِ عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ اَلْيَدُ لِفُلَانٍ اب فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

ب: یَدٌ کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے، تب یَدُ اللہِ [1] کے معنی حفظِ الٰہی ہیں اور اَیْدِیَھُمْ سے مراد مبایعین کے ہاتھ (یہ جارحہ جسمانی) ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ہمیشہ ان مبایعین کے ساتھ ہو گی۔ اس کی تائید اسی سورۂ مبارکہ میں تھوڑی دُور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے:

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ۔([الفتح] ۱۹-۱۸:۴۸] اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا، اُن پر سکینہ اُتارا اُن کو فتح قریب عطا فرمائی اور وہ بڑی فتوحات بھی اُن کے لیے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور اُن کے ماتحت عمال و گورنر و جرنیل و قائدین لشکر اور فاتحین کشور انھی بیعت کرنے والوں میں تھے۔ حضر موت، عمان، عراق و فلسطین، شام و مصر، افریقہ و سوڈان، تیونس و الجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران و خراسان کی فتوحات و مغانم انھی خلفائے راشدین اور اُن کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں، یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انھی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انھی پر نازلِ سکینہ ہوا۔ وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوالِ موسیٰؑ میں بھی ہے۔

انھی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی قواعد دان اور باقاعدہ مسلح افواج ان پر غالب نہ آ سکیں۔ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ [2] کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔

---

[1] اہلِ حدیث لفظ یَدٌ کی کوئی تاویل نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جسم و لوازمِ جسم سے پاک و برتر تسلیم کرتے ہیں اور مجسمہ و معطّلہ سے علیحدہ ہیں۔ صفات میں ان کا مسلک ہر ایک اینچ پینچ سے پاک و صاف ہے۔

[2] [الفتح ۲۰:۴۸] لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لیے۔

[صحابہ] کے فضل و شرف، جاہ واحتشام، دولت واقبالِ مادّی اور رحمت و برکاتِ روحی کا سبب، ذریعہ کیا تھا، یہی بیعتِ نبوی، یہی اتباع محمدی، یہی صدق واخلاص، جو انھیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔ لہٰذا وہ سب طفیلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی کریم ﷺ ہی کی ذاتِ مبارک سے ہے، اور نبی ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ ﷺ

۲۴: ختم نبوت

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (الاحزاب)[۳۳:۴۰۔ مگر آپ اللہ کے رسول اور انبیائے کرام کے خاتم ہیں۔]

خَاتَمَ اور خَتَمَ دونوں کے ایک معنی ہیں۔[1] النبیین کا الف لام جنس، جملہ انبیاء ورسل پر حاوی ہے۔ کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول النبی الامی ﷺ کے وجودِ باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

یہ ایک عجیب پیشین گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت من جانب اللہ موجود ہے۔

ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیبیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مہارشی ایسے ہوئے، جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو، دو، چار، چار نبی موجود پائے گئے۔

---

[1] خاتم بفتح تا بمعنی ختم الفارس۔ (منتہی الارب، المنجد وغیرہ)

مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت و رسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا ہے اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے اس وقت سے ان سب مذاہب و ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیے ہیں۔

مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ وزر تشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے؟

آریہ دت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا؟

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے؟

پیارے ناظرین! یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے جس نے نبی ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، اوتار کہا جائے۔ دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لیے ایسا فرمادیا ہے۔

اوّل: اس لیے کہ دعوی کرنا آسان ہے مگر زمانِ مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے۔ یہاں تو چودہ صدیوں کا زمانہ[1] اور مختلف و متعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ جس شے کی تائید میں خود نیچر [nature] ہو وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے۔

---

[1] ۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو یوم ولادت مطہرہ سے پورے چودہ سو برس ہو جاتے ہیں یعنی سنہ ۵۰ھ میں ۵۳ سال حضور ﷺ کی عمر بوقت ہجرت کو جمع کر لینا چاہیے۔

دوم: اگر نبی ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضور ﷺ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے اور موسیٰؑ سے بڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیہ کی نسبت یہ بات زبان زدِ عوام ہے کہ انھوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم، اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے اَنَا الْحَقُّ بھی کہا یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ بھی کہا، تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔ ع

باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے جو آیت زیب عنوان کی تفسیر میں نبی ﷺ سے باسنادِ صحیحہ ثابت ہیں:

۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُهٗ وَتُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ وَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ. وفِیْ رِوَایَةٍ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔[1]

امام بخاری و امام مسلم نے بالاتفاق ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور دیگر سب انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے، مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم

---

[1] متفق علیہ [بخاری، کِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، ح۳۵۳۵۔ مسلم، کِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابُ ذِکْرِ کَوْنِهٖ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ، ح۵۹۶۱]

ہوئی اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کیے گئے۔ اور [ایک روایت میں ہے کہ] وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب انبیاء کا ختم کرنے والا ہوں۔

۲- عَنْ جُبَيْرِبْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ لِيْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ [1]

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعمؓ سے ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے تھے: میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ﷺ ہوں۔[2] میں ماحی ہوں۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں۔ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔

۳- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتَّةٍ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ [3]

صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سب انبیاء پر ۶ باتوں میں فضیلت ہے (۱) مجھے کلمات جامعہ عطا فرمائے گئے (۲) مجھے رعب سے مدد دی گئی (۳)

---

[1] متفق علیہ [بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الصف، ح ۴۸۹۶۔ مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ بَابُ أَسْمَائِهِ، ح ۶۱۰۶]

[2] اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد و احمد: ان کے معنی نہیں فرمائے۔ ماحی، حاشر، عاقب: ان کے معنی بتلائے۔ اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد ﷺ ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب وصفی نام ہیں۔

[3] رواہ مسلم [كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، ح ۱۱۶۳]

مالِ غنیمت ہم پر حلال کیا گیا(۴)روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور سبب طہارت بنایا گیا(۵)مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا(۶)میری ذات پر انبیا کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

۴-عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ خُطْبَۃِ الْوَدَاعِ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَکُمْ[2]

ابن جریر اور ابن عساکر نے ابوامامہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا:"لوگو! یاد رکھو، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں۔"

۵-رَوٰی اَحْمَدُ والتِّرْمَذِیُّ وَالْحَاکِمُ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَرْفُوْعًا اَنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ[3]

امام احمد وامام ترمذی، امام حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی ہو گا۔

۶-عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابًا کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[4]

صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں ۳۰ شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہو گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

---

[1] اس حدیث کی شرح ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

[2] رواہ ابن جریر وابن عساکر [المعجم الکبیر للطبرانی، ج۸، ۱۳۶، ح۷۶۱۷]

[3] زرقانی [شرح المواہب اللدنیہ]، ج۵، ص۲۷۶ [مسند احمد، ج۳، ص۲۶۷، ح۱۳۷۵۸۔ ترمذی، أَبْوَابُ الرُّؤْيَا، بَابٌ: ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ، ح۲۲۷۲]

[4] رواہ مسلم، [كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ، ح۷۳۴۲]

۷-عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔

سب جانتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نبی نہ تھے۔ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔

۸-جنگ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا تھا:

سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ علیؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں،اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ[2] کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ویسے ہی بنو، جیسے ہارونؑ، موسیٰؑ کے لیے تھے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہو گا۔

موسیٰؑ میقات ربی کے لیے [کوہِ] طور پر چالیس یوم ٹھہرے تھے اور اپنے بعد ہارونؑ کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی ﷺ کو بھی غزۂ تبوک میں قریباً پچاس یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔اس واقعہ میں خلافت بعد وفاتِ رسول ﷺ کا اشارہ تک نہیں کیونکہ ہارونؑ کی وفات موسیٰؑ سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

۹-سیدنا علی مرتضیٰؓ جب نبی کریم ﷺ کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے:

---

[1] رواہ الترمذی، [كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابٌ فِي مَنَاقِبِ أَبِي حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، ح٣٦٧٦]

[2] صحیحین [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ تَبُوكَ، ح٤٤١٦۔ مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابٌ مِنْ فَضَائِلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، ح٦٢١٨]

بِأَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَا یَنْقَطِعُ بِمَوْتِ غَیْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَاءِ[1] میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں، حضور ﷺ کی موت سے وہ چیز ختم ہو گئی جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی یعنی نبوت اور اخبار غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا اب ختم ہو گیا۔

ان صحیح ترین روایاتِ اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمادی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور ﷺ ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ ۔ [المائدۃ۵:۳] کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایاں ہے جو کمالِ دین اور اتمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور ﷺ کی خصوصیت ''ختم المرسلین'' کو واضح کر رہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

اب اگر اہلِ اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیشِ نظر رکھ کر اگر چاہے تو ان تیس کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی ﷺ کے سامنے اپنے زعمِ باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

۲۵: رحمۃ للعالمین

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (الانبیاء[۲۱:۱۰۷]) ہم نے جو تجھے بھیجا ہے تو سب عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، ص ۲۰۵ چاپ دار السلطنت تبریز، ص ۱۲۲۷ھ

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے۔ ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ دھیراج ہے، کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے، کوئی مہادیو، کوئی مہابلی، کوئی تہمتن، کوئی رومین تن، کوئی گوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھا (بمعنی بیدار) کوئی سولہ کلاں سپورن، کوئی چندر بنسی، کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس جیسے دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کو کیا نسبت ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے، جو ممدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پیار، ترس، دَیا، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔

کون شخص ہے، جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے؟ غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم، علمیت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے، وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لفظ کا استعمال انواع و اصناف و اجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالمِ جمادات، عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ علوی، عالمِ سفلی اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لیے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالمِ وجد، عالمِ شوق، عالمِ شباب وغیرہ۔ الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی و ذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے اور جملہ عوالم پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو، اس مقدس ہستی کا جس کا سب سے پیار ہے، جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد و غمگسار ہے، جس کی محبت عام ہے، جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے جو ہر ایک وساوس کو اپنے حقائق سے ہمدرد و دوست بنا سکتا ہے جس کے فیوض سے مادّیات وذہنیات، تصورات و تصدیقات کو شادابی و درستی، صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپرواہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات و تفہیمات سب کے لیے اور سب کے فائدہ کے لیے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج اور گرمی کی احتیاج نہیں، لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ ﷺ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ ﷺ کے بعد کیوں کر انھوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس خرمنِ حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پر غور کرو اور حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

۱- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ۱۵، ۱۴ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، انسان کا انسان کو شکارِ غضب و وحشت بنانا، ناپسند فرمایا۔

۲- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کی فطرتِ سلیمہ اور طینتِ طیبہ نے حلف الفضول[1] کے عہد وپیمان کو مستحکم واستوار بنایااور ایک شریف النفس کے لیے داد خواہیٔ مظلوماں اور دستگیریٔ مظلوماں، حفاظتِ مسافراں اور اعانتِ بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنالازم ٹھہرایا۔

۳- رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس نے دشمن کو بھی دوست بنالینے کی تدبیر سکھائی:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔[حٰمٓ السجدۃ۴۱:۳۴]

برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو۔ پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔

۴- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوقِ جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہلِ ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت و قوت بھی موجود تھی۔

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ [المائدۃ۵:۲] اس قوم کا بُغض، جس نے تم کو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا، اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلافِ انصاف کرنے لگو۔

۵- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے کاہنوں کے ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو، یہودیوں کے فرقہ لامساس کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان

---

[1] قبل از نبوت محمد ﷺ یہ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ ''مظلوموں کی امداد کیا کریں گے، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے، قتل وغارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔'' اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے اس لیے اس انجمن کا نام ''حلف الفضول'' ہو گیا تھا۔

سب کے افسوس ناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا اور وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِم[1] کا فرمان سنایا اور لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ[2] کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاجِ امتیاز فرمایا۔

۶-رحمۃ للعالمین وہ ہے جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا، جو کاتھولیکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخصِ واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، جو گنگا اور بیہویا کے برہمنوں ہی کو نرگ اور سرگ میں آدمِ انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا، جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدایش کی بنیاد پر ان کو فرزندانِ آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروانِ خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

۷-رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری وسوڈانی سب مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مِدعم سوڈانی، بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان پارسی، صہیب رومی، اثامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران حبقران آل حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور یمن کا بڑا کاہن ضماد غلامانِ بارگاہ سے بہت پیچھے صفِ نعال میں خرم وشادماں موجود ہے۔

۸-رحمۃ للعالمین وہ ہے جو یہود جیسی مخذول ومغضوب قوم کو، جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل وخوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا ہے اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شادکام فرماتا ہے۔

---

[1] رہبانیت جو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے، اللہ نے تو اسے انسان کے لیے کبھی مفید نہیں فرمایا۔

[2] اسلام میں رہبانیت نہیں۔ [سنن ابن ابی شیبہ کے حاشیے میں یہ حدیث درج ہے مگر نہ روایت ذکر کی گئی اور نہ کوئی حوالہ دیا گیا ہے۔ ویسے یہ حدیث دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةً. وَرَهْبَانِيَّةُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ (شعب الایمان للبیہقی، شعبہ ۲۶۔ مسند احمد، ح ۱۳۳۰۶) عَلَيْكَ بِالْجِهَادِ فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ. (مسند احمد، ح ۱۱۳۴۹)]

۹- رحمۃ للعالمین وہ ہے، جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی [کونسل] کو اور تیسری مذہبی کونسل دوسری مذہبی کونسل کو کفر ولعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کے جان ومال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم [میں] ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

۱۰- رحمۃ للعالمین وہی ہے، جس کی تعلیم لوتھر کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں، مگر رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دُور کر دیتا ہے۔

۱۱- رحمۃ للعالمین وہ ہے جو جملہ اقوام و ممالک عالم کو دین صحیحہ کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔[الروم ۳۰:۳۰] اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے۔ اللہ کی پیدایش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔

اہلِ روما نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھلائیں کہ دین صحیحہ کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتلائی گئی ہے۔

دین صحیحہ کے متعلق ایک دوسرا اُصول سکھایا گیا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔(الحج[۲۲:۷۸]) دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔

تیسرا اُصول، جس پر شریعتِ مصطفویہ ﷺ کے احکام کا نفاذ ہوا ہے:

وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ۔[المائدۃ۵:۶]ہاں! شریعت سے ارادۂ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک وصاف ٹھہرائے اور ان پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔[البقرۃ۲:۲۵۶]دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا[گیا] ہے۔

۱۲- رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس کی تعلیم اختلافِ الوان اور تبلیلِ زبان اور تباینِ ملکی سے بہت بلند ہے، جس کی تعلیم میں حسب ونسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

۱۳- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے سب سے پہلے هُوَ اللّٰهُ اَحَد کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی، جس نے سب سے پہلے احمر واسود، غربی و شرقی، مبتدین و غیر مبتدین کو قومِ واحد بنایا، ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

۱۴- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ترہب اور تبتّل میں تفریق کی جس نے ایک گرہستی گرہست میں رہ کر سنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودیٔ رحمٰن کا مورد بتلایا۔

۱۵- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلبِ سلیم کی تعریف فرمائی اور قیامِ سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۱۶- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے (ہندومت) اور کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترھویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسویت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں

کا لکد کوب ہونا تجویز ہے (ایران کے مژدکیہ و مانویہ) اور ان جملہ حالات میں اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔

ان جملہ مصائب کو دُور کرنے کے لیے یہ حکم سناتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ [البقرۃ۲:۲۲۸] جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔

علمِ نحو میں لام استحقاق و تخصیص و تملیک کے لیے آتا ہے لہٰذا لَهُنَّ کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

[حضور ﷺ نے] ارشاد فرمایا:

اَلنِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ[1] عورتیں مردوں ہی کا ایک جزو اور حصہ ہیں -یا- عورتیں مردوں کے لیے گل وریحان ہیں۔

ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ[2] عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔

۱۷-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔[الاعراف۷:۱۵۷] بوجھ اتار دیے اور زنجیر و طوق کو ان سے اتار کر دُور پھینک دیا۔

---

[1] [ابوداؤد، كِتَابُ الطَّهَارَةِ،بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَةَ،ح۲۳۶]

[2] [مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ،بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ ﷺ،ح۲۹۵۰]

۱۸-رحمۃ للعالمین وہ ہے، جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدمِ موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ [المائدۃ۵:۲] جملہ اقسامِ نکوئی میں اور جملہ انواعِ خداترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصنافِ گناہ میں نیز جملہ اشکالِ عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

۱۹-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کا کام جملہ خصائلِ رذیلہ اور اخلاقِ نکوہیدہ سے انسان کو پاک وصاف کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيُزَكِّيْهِمْ [البقرۃ۲:۱۲۹، آل عمران۳:۱۶۴، الجمعۃ۶۲:۲] وہ ان کے میل کچیل کو دُور کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔

۲۰-رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانیت کے درجۂ رفیع کو نہ تو زر و دولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔ فرمان ذیل پر غور کرو:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔[المجادلۃ۵۸:۱۱] اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے، ان کے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا۔

فضیلتِ علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لیے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنٰكُمْ [1] عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے۔ جتنی نبی کو ادنیٰ اُمتی پر ہوتی ہے۔

۲۱- رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس نے اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللهِ الطَّلَاقُ [2] کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سَمِّیَتْ [زہر کا اثر] آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و بُرید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بُغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کی بقا و صحت و حفاظت ایمان و عزت کے لیے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

۲۲- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لیے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا، جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پرواا اور ہر ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے محفوظ فرمالیا ہے۔

(الف) زوجین کے اختلاف و شقاق کے مٹانے کے لیے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کیے جائیں۔ ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا۔ وہ دونوں ان زوجین کے حالات و شکایات کو سنیں اور فیصلہ کر دیں۔

---

[1] [ترمذی: أَبْوَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْعِبَادَةِ، ح۲۶۸۵]

[2] ابوداؤد [كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّلَاقِ، ح۲۱۷۸]

(ب)اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر بہت موثر ہے۔

(ج)اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے۔ ہلکی مار یہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں موثر ہوتی ہے۔

(د) یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے، جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں، [اور] ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت وعادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدّے رسید ہو گئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر وہ رَل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

(ہ)ایک مہینہ گزر گیا۔ عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے۔ ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے، لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا، سہنا، سونا، بیٹھنا ہو گا۔ اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے۔ جذباتِ انسانی، جھوٹے غصے، بے جا بد گمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب و معدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

(و)اب تیسری طلاق کا موقع آجائے گا۔ اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے [یعنی شوہر کو] بتلاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے۔ پرندہ اُڑ جاتا ہے، تو کفِ افسوس ہی ملنا پڑتا ہے۔ سمجھ لے، اور تیسری طلاق سے رُک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق پر ہی تُلا ہے، تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدۂ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے، جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے۔ یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں، بلاوجہ اور بے سبب شریکِ زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ علیٰ ہذا یہ بھی گوارا نہیں، کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بدمزاجیوں، گستاخیوں یا امراضِ مخصوصہ کے بعد بھی اس سے گلو خلاصی نہ ہو سکے، جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوقِ زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

۲۳- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار و نیزہ اٹھا سکتے ہوں، عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائیداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائیداد سے بوجہ بہن ہونے کے، شوہر کی جائیداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائیداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے اور حضور ﷺ کے تعلیم کردہ قانونِ توریث کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

۲۴- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے، اولاد کو فقر و تنگدستی سے اور جائیداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیتہً ناواقف تھی۔

۲۵- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے جوازِ جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلاوجہ محروم کر دیے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ

ہو جانے یا امنِ عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہبِ عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آجانے کو بطورِ شرط اولین قرار دیا۔ یہ حقیقت آیاتِ ذیل سے آشکار ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۔ [الحج ۲۲:۳۹-۴۰]

جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیونکہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلاسبب نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ انھوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صائبین کی عبادت گاہیں، نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے، ضرور گرادی جاتیں۔

۲۶۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا اور اسے اُمّ الخبائث بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) سدباب کر دیا جو پولوس نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیل مزہ کے لیے پانی میں تھوڑی سی شراب ملالیا کر۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [المائدۃ ۵:۹۰ -- یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔]

شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا، تاکہ تم خلاصی پاؤ۔ اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل

کر دی گئی۔ كُلُّ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ [1] جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔

۲۷۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے زنا کی جملہ اقسام کو، جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لیے رکھ لیے گئے تھے، حرام ٹھہرایا اور اس حکم کو منبر و محراب میں خوب شایع کیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ [المؤمنون۷-۵:۲۳] فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے دہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں۔ مگر جو کوئی ان کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔

۲۸۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اسیرانِ جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے۔ تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا، ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجبِ غضبِ الٰہی بتایا گیا تھا۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۔ (محمد[۴۷:۴]) جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو اور جب ان کو چور چور کر دو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو۔ اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔

حملہ آور دشمن پر، مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد، احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی۔

---

[1] [ابوداؤد، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّكْرِ، ح۳۶۸۱۔ ترمذی، أَبْوَابُ الْأَشْرِبَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ، ح۱۸۶۵۔ ابن ماجہ، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ. بَابُ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ، ح۳۳۹۲]

لیکن نبی ﷺ نے بدر و اُحد، مکہ و حنین کی فتوحات [میں] سے ہر موقع پر اسیرانِ جنگ اور دشمنانِ دین اور قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔

۲۹۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے بے پڑھی لکھی قوموں [کو]، جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے اور اَن پڑھ رہنے کو نوزائیدہ اُمی بچہ کی معصومی کا چربہ سمجھا کرتے تھے، علم سے روشناس کیا، علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا، پھر ان کو معلم اور مقری کے منصب پر بلند فرمایا۔ آیاتِ ذیل پر غور کرو:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ [الجمعۃ ۶۲:۲]

اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور یہ لوگ تو اس رسول ﷺ سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۵۱] تم کو وہ وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

۳۰۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراضِ قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلبِ سلیم کی تعریف بتائی اور قیامِ سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۳۱۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے گناہگار انسان کو اسرارِ توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزا بتائے۔ ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

۳۲۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تزکیۂ نفس [اور] تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتّب فرمایا، جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

۳۳-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ،انقطاعِ تمام اور اُنسِ کامل، مدارجِ رجوع مراتبِ احسان، حقیقتِ ورع وتوکل اور روحِ اخلاص وصدق اور مقاماتِ قرب ورضا کا عرفان عطا کیا۔

۳۴-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللهِ الْمَتِيْنِ کا نشان دیا اور چاہِ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسمانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر فرمائی۔

۳۵- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوپانی [گلہ بانی یعنی قیادت] اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، جس نے غلاموں کو سلطانی دی، جس نے بساطِ کیانی [تختِ شاہی] پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھلا دیا۔

۳۶- رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ [غیبی علوم] کو آثارِ نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔ جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق، جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن بتلایا۔

۳۷-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا۔ جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا۔ جس نے قتل وغارت گری کو قتل وغارت کر دیا۔ جس نے خونِ انسانی کی قدر وقیمت کو سارے جہان کی قیمتی اشیا سے بڑھ کر قیمتی بتایا۔ جس نے ایران کو فواحش سے، اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی۔ جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلایا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا۔ جس نے حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ [محمد۴۷:۴][1] کے لیے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

---

[1] یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے۔

۳۸-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلامی کے نقائص دُور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنادیا۔

۳۹-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

۴۰-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا، حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

۴۱-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ۸/۱ حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کے لیے مقرر فرمایا۔وَفِي الرِّقَابِ ۔ (التوبہ) [۹:۶۰-اور غلاموں کو آزاد کرنے میں]

۴۲-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے قانونِ شریعت میں آزادئ غلاماں کے لیے مواقع نکالے۔اس کی تفصیل مسائل طہارت وصوم وحج کے ابواب میں دیکھنی چاہیے۔

۴۳-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آقاؤں کو عتاق من النار کا ذریعہ آزادئ غلام بتایا۔

۴۴-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزاد [کردہ غلام] کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

۴۵-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزادئ غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت، ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتے میں ہوتا ہے۔یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

۴۶-رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلاموں [کو] حصولِ قرابت وصہریت اور اخذ امارت وحکومت اور نصب امامت وولایت اور اعداء کو عطائے صلح وامان کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں بھی کوئی کارروائی کی۔ یہ ہندوستان [ہے۔ یہاں] اچھوت اقوام کی تعداد برہمنوں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمۂ جسم وروح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں لاکھوں سالوں کی امتداد مدّت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت، تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں۔ برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں۔ سب کی جان و مال کو یکساں حُرمت واحترام کے حقوق حاصل ہیں۔ معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ایک ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا [امامتِ] دینی تک [پر] فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ پر پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ و دل رُبا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں، ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں، کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے اور اس گنجینہ کا نشان خود ہادیٔ مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیاں کو شیفتہ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

۲۶: سابقہ انبیاء کی موافقت

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ [الانعام ۶:۹۰] تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر۔

اقتدا کے معنی اصل لغت میں شخص ثانی کا شخص اوّل سے موافقت کرنا ہے۔ آیت بالا پر جو کوئی شخص سرسری نظر ڈالے گا وہ سمجھے گا کہ حضور ﷺ کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کافّہ اہلِ اسلام کے اس مسلّمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ لہٰذا آیت بالا شرح طلب ہے اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائے گا کہ آیت بالا نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔

ناظرین کو آیت وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ۔ [الانعام ۶:۷۵] سے غور شروع کرنا چاہیے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کا ذکر فرمایا ہے اور اس ذکرِ ترتیبِ زمانی یا ترتیبِ مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیبِ بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اوّل ترتیب اصولِ نسب: اس صنف میں نوحؑ و ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ جملہ انبیائے عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انھی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک و قدرت: اس صنف میں داؤدؑ و سلیمانؑ خصوصیت سے قابلِ بیان تھے۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر و شکر: اس صنف میں ایوبؑ اور یوسفؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات و ظہور آیات: اس صنف میں موسیٰؑ و ہارونؑ کے نام مذکور ہوئے ہیں۔

ترتیب بلحاظ زہد و اعراض عن الدُّنیا: اس صنف میں زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ و الیاسؑ کا مذکور ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم مختلفہ: اس صنف میں اسماعیلؑ والیسعؑ ویونسؑ ولوطؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان انبیائے مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیے جائیں۔

نوح علیہ السّلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن لامک بن متوشالح بن اَخنوع بن یارد بن مَہلل ایل بن قینان بن آنوش بن شیث بن آدمؑ ہیں۔

حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو سال کی تھی، جب سام، حام اور یافث ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کے چھ سو سال کے بعد دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس دن تک پانی اوپر سے برستا اور زمین سے اُبلتا رہا۔ پھر بڑھنا بند ہوا اور ڈیڑھ سو دن میں پانی کم ہوا، ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ تھی کہ کشتی ارارط کے پہاڑ پر رُک گئی۔ ۶۰۱ میں عمر نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوحؑ نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا۔ ایک سال ۱۱ یوم کشتی میں رہے۔ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ ۳۵۰ سال زندہ رہے۔

ابراہیم علیہ السّلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوحؑ تک یہ ہے: ابراہیم بن آذر (تارح) بن ناحور بن سروج بن روعد بن فالج بن عابر بن شالح بن آرفکشاد بن سام بن نوحؑ

نبی کریم ﷺ سے ان کا زمانہ ۲۵۸۵ سال پیشتر کا ہے۔ ۷۵ سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی اور کنعان کے ملک میں پہنچے۔ (کنعان بن حام بن نوحؑ کا ملک)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر مصر گئے، مصر سے واپس آکر کنعان میں ٹھہرے۔ یہاں سے ان کے برادر زادہ لوطؑ جو ہجرت میں ان کے ساتھ تھے، علیحدہ ہوئے، اور دریائے پاروں کے پرلے کنارہ پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ صدوم کا تھا۔ شاہِ صدوم پر

شاہ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا اور حضرت لوطؑ کو بھی اسیر کر کے لے گئے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت لوطؑ کو چھڑا لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اسّی سال کی عمر تھی جب آپ کے گھر میں اسماعیلؑ (از بطن ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۹۹ سال کی تھی جب ختنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت نے اپنا ختنہ خود کیا اور اسماعیلؑ کا ختنہ بھی کرایا گیا۔ حضورؐ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی جب حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خطاب خلیل الرحمن ہے اور لقب عمودِ عالم اور آدمِ ثالث۔ کنیت ابو محمد اور ابوالانبیاء۔ ۱۷۵ سال کی عمر تھی جب خلیل الرحمن نے انتقال فرمایا۔ خانہ کعبہ اور مناسکِ حج حضورؐ کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جو کوئی نبی ہوا، خواہ کسی ملک اور کسی قوم میں ہوا، وہ حضورؐ ہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

اسحاق علیہ السّلام

حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی، جب ان کے ہاں اسحٰق از بطنِ سارہ خاتون پیدا ہوئے۔ سارہ خاتون حضرت ابراہیمؑ کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام ہیں۔

حضرت اسحاقؑ کی عمر ۴۰ سال کی تھی جب ان کی شادی ربقہ خاتون سے ہوئی۔ ربقہ حضرت ابراہیمؑ کے برادر حقیقی نخور کی پوتی ہیں۔ ربقہ خاتون سے دو توأم بچے پیدا ہوئے۔ عیسو و یعقوبؑ۔ حضرت اسحاقؑ نے ۱۴۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

یعقوب علیہ السّلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے۔ ان کے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند، راحیل خاتون سے دو فرزند، زلفہ لونڈی سے دو فرزند اور بلہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسفؑ نے ان کو مصر میں مع افراد خاندان طلب کیا، تب ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی۔ ۱۷ سال مصر میں قیام کے بعد انھوں نے مصر ہی میں وفات پائی۔ یوسفؑ ان کا جنازہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ کنعان لائے اور وہ حضرت ابراہیم و اسحاقؑ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ق م ۱۶۸۶ سال اندازہ کی گئی ہے۔

یوسف علیہ السّلام

راحیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں۔ یوسف کے معنی عربی میں ''مزید'' ہیں۔ ان کی پیدایش کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔ ۱۷ سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر قیام فرمایا۔ سات سال زندان میں بسر کیے۔ ۳۰ سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق باختیارات شاہی مقرر ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر تھی جب یعقوبؑ سے مصر میں ۲۳ سالہ فراق کے بعد ملاقات ہوئی۔ ہشتاد سالہ فرمانروائی کے بعد ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑوتے دیکھے۔ ان کی شادی ملکِ مصر کے شہر اُون کے کاہن کی دختر مسماۃ آسناتھ سے ہوئی تھی۔ ان کے ہر دو فرزند منسی و فراہم اسی خاتون کے ہیں۔

داؤد علیہ السّلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: داؤد بن یسی (یشاہ) بن عوبید بن سونجز بن سلما (سلمون) بن نجسون بن عمداب بن ارام بن حصرون (حصروم) بن فارص بن یہوداہ بن یعقوبؑ

یہ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے۔ چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

ان کی ابتدائے شہرت کا باعث وہ جنگ ہوئی جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے۔ فلسطینی فوج میں ایک بہادر جولیت (جالوت) تھا جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا۔ وہ پیتل کی خَود اور زرہ اور موزے پہنا کرتا تھا۔ چالیس دن تک وہ میدانِ جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا۔ اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤدؑ اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شاملِ

جنگ تھے) خبر لانے کو رزم گاہ میں گئے۔ وہاں انھوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مع دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤدؑ بادشاہ سے اجازت لے کر جالوت کے مقابلہ کو نکلے۔ انھوں نے فلاخن سے پتھر چلایا اور وہ پتھر اس کی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا کہ پیشانی کے اندر جا چھپا۔ فلسطینی گر پڑا۔ داؤدؑ نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔

بعد ازاں حضرت داؤدؑ ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہو گئے اور پھر بادشاہ کے داماد بن گئے۔ بادشاہ ان کے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا اور حضرت داؤدؑ بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے۔ آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطینیوں سے ایک مقام پر شکست کھا کر خودکشی کر لی اور اس کے ولی عہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤدؑ بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے چالیس سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤدؑ کی ازواج اور حرموں کی تعداد ۹۹ تھی، ان کے اٹھارہ فرزند اور ۱۷ لڑکیاں تھیں لیکن وراثتِ داؤدؑ صرف سلیمانؑ ہی کو ملی۔ حضرت داؤدؑ کا انتقال نبی ﷺ سے تقریباً ۱۵۸۶ سال پہلے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال کی تھی۔

سلیمان علیہ السّلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے، جب کہ داؤدؑ سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ انھوں نے شاہِ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔ انھوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینے میں بیت المقدس کو بنانا شروع کیا۔ اصل مسجد ۶۰ ہاتھ طویل، ۲۰ ہاتھ عریض اور تیس ہاتھ بلند تھی اور اس کے ارد گرد بہت مکانات تھے۔ یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔

حضرت سلیمانؑ نے چالیس سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ کی۔ ان کا عہد بالکل امن کا عہد تھا۔ ان کی بیگمات کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو ہے۔ ان کا انتقال نبی ﷺ سے تقریباً ۱۵۴۶ سال ما قبل ہے۔

ایوب علیہ السّلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ایوب بن آموس بن رازح بن روم بن عیص (عیسو) بن اسحاقؑ

یہ ارض عوض (ایشیائے کوچک) میں رہتے تھے۔ ان کے سات بیٹے، تین بیٹیاں تھیں۔ یہ سات ہزار بھیڑوں، تین ہزار اونٹوں، پانچ سو جوڑی بیلوں اور پانچ سو خرماچہ کے مالک تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے۔ اہلِ مشرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔ جب مصیبت آئی تو ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے سب بیٹے بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ سخت آندھی آئی۔ اس نے مکان کی چھت کو اٹھایا اور ان پر گرا دیا۔

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے اطلاع دی کہ بیلوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر لے گئے۔ نوکروں کو قتل کر گئے۔ صرف میں بچ رہا ہوں۔

اسی وقت ایک دوسرے نے آکر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھیڑوں کو اور نوکروں چاکروں کو جلا کر خاک کر گئی۔ اکیلا میں بچ نکلا۔

اسی وقت ایک اور شخص آیا، اس نے بتلایا کہ قوم کسّدی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا، اونٹوں کو لے گئے اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا۔ فقط میں ہی بچ رہا ہوں۔

ایوبؑ نے سب کچھ سنا اور پھر سجدہ میں گر پڑے۔ کہا: میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے ننگا پیدا ہوا تھا اور اس کے حضور میں ننگا ہی پیش ہوں گا۔

بعد ازاں ان کے جسم میں خارش پیدا ہوئی۔ وہ کھجلاتے تو وہاں پھوڑے بن جاتے۔ اسی طرح سارا جسم پک گیا لیکن اب بھی ان کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی۔ اس وقت ان کا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا۔ یہ مصیبت چند سال تک رہی۔ آخر حضرت ایوبؑ کے توبہ و استغفار پر رحمت الٰہی نے ان پر توجہ کی۔ وہ تندرست ہو گئے۔ ان کے مال و مویشی کی مقدار پہلے سے دوچند ہو گئی۔

ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں عطا فرمائیں۔ انھوں نے اپنی اولاد کی چار پشتیں دیکھیں اور مصیبت کے بعد ۱۴۰ سال تک دولت و حشمت اور آرام و فراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔ ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوبؑ۔ بعض نے عمران (عمرام) کو قاہث کا بیٹا بتایا ہے۔ درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا۔

ان کے حالات قرآن پاک اور تورات میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں۔ انھوں نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور وادیٔ موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کا زمانہ انتقال نبی ﷺ سے تقریباً ۲۰۲۲ سال پیشتر کا ہے۔

ہارون علیہ السّلام

یہ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک سال بڑے تھے۔ انھوں نے موسیٰؑ سے تقریباً تین سال پیشتر کوہِ حور پر وفات پائی تھی۔

زکریا علیہ السّلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے۔ یہ زرّو بابل کے ہم عصر ہیں اور مسیح سے پانچ صدی پیشتر ان کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ مریم و آل عمران میں جس زکریا کا ذکر ہے وہ یحییٰؑ کے والد ہیں۔ ان کے گھر میں مسیحؑ کی خالہ تھیں۔ مسیح کا اصطباغ حضرت یحییٰؑ کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لیے وہ زکریا نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر بائبل میں ہے۔ ہر دو بزرگواروں میں سے صرف وحدت اسمی پائی جاتی ہے۔

زکریاؑ جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے، بیت المقدس کے امام و متولّی تھے اور مریم صدیقہؓ کے کفیل و مربی۔ ان کا اور ان کے فرزند کی پیدایش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اوّل میں مذکور ہے۔

یحییٰ علیہ السّلام

ان کو بائبل میں یوحنا بپتسمہ دینے والا لکھا جاتا ہے۔ حضرت زکریاؑ کے بیٹے ہیں۔ انھی کی پیدایش کا ذکر سورۂ آل عمران و سورۂ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی من جانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ و تذکر کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ توبہ لینے کے وقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتے تھے۔ بپتسمہ کی رسم یہیں سے جاری ہوئی۔ یہ حضرت مسیحؑ سے چھ ماہ بڑے تھے۔ مگر انھوں نے مسیحؑ سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

ان کے وقت میں چوتھائی ملک کا حاکم ہیرودیس رومی تھا اور اس کے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلیوس کی بیوی سے تھے۔ حضرت یحییٰؑ حاکم کے افعال پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ حاکم نے ان کو قید کر دیا تھا۔ حاکم کی بھاوج کا نام ہیرودیاس تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی مگر حاکم اس کی بات نہ سنتا تھا۔ اتنے میں ہیرودیاس کی سالگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاس کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی گائی اور حاکم نے قسم کھائی کہ جو کچھ وہ مانگے اسے وہی دیا جائے گا۔ لڑکی نے اپنی ماں کی سکھلاوٹ پر حضرت یحییٰؑ کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا اور اسی وقت ان کو جیل میں جا کر قتل کیا اور ان کا سر لڑکی کے حوالہ کیا گیا جس نے اپنی ماں کی خدمت میں تحفہ پیش کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۰ء یعنی ولادت نبی کریم ﷺ سے ۵۴۱ سال پہلے کا ہے۔

عیسیٰ علیہ السّلام

سیدنا حضرت عیسیٰؑ کا نام عبرانی میں یسوعؑ ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام حضرت موسیٰؑ کے خانوادۂ عالی کے افراد کے مطابق تھے۔

ان کا نام یسوع تھا جو موسیٰؑ کے خلیفہ اوّل یوشع بن نون کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام مریمؑ تھا۔ جو خواہر موسیٰؑ کا نام تھا۔ ان کے ماموں کا نام ہارون تھا، جیسا کہ موسیٰؑ کے بڑے بھائی کا نام تھا۔ سیدنا عیسیٰ کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰؑ کے والد کا بھی یہی نام تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہؑ اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں تب ان کی والدہ نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو محرّر، آزاد، یا تدبیر یا بیت القدس کی خدمت کے لیے مخصوص بنائے گی۔ لیکن جب لڑکی مریمؑ پیدا ہوئی تو وہ حیران رہ گئی کیونکہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیت اور نذر کے مطابق مریمؑ کو بیت المقدس میں لے گئی اور یروشلم کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو خدمت کے لیے لے لیا جائے۔ حضرت زکریاؑ کو ان کا متکفّل بنایا گیا۔

پھر جب مریمؑ جوان ہوئیں، تب فرشتہ نے ان کے سامنے آکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بشارت سنائی کہ ان کے پیٹ سے عیسیٰؑ پیدا ہوں گے۔ اگرچہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے مطابق مولود پیدا ہوا تو بشارت ہی کے موافق ان کا نام (عیسیٰ) یسوع رکھا گیا۔ انھوں نے طفولیت مصر میں بسر کی اور تیس سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد انھوں نے اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے کہ ایک رات سے زائد ایک مقام پر قیام نہ فرماتے تھے۔ انھوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا۔ تین سال بعد ان کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں ان کو صرف بارہ شاگرد ملے جن میں سے ایک غدار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے کہ کل ۱۲۴ تعداد ایسے اشخاص کی مل جاتی ہے جو اُن کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کی تاریخ ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیحؑ سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اب تفحص و تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مسیحؑ کی ولادت اس سنہ سے چار سال پیشتر تھی۔

حضرت عیسیٰؑ کے رفع و نزول کے علمی مباحث ہماری کتب ''غایت المرام'' و ''تائید الاسلام'' میں ملاحظہ طلب ہیں۔

الیاس علیہ السّلام

حضرت ادریسؑ کا دوسرا نام الیاسؑ بھی ہے۔ مگر اس آیت [الانعام ۶:۸۵] میں ان سے مراد نہیں کیونکہ اس آیت میں ذریتِ نوحؑ کا ذکر ہے اور ادریسؑ حضرت نوحؑ کے آبائے کرام میں سے ہیں۔

حضرت الیاسؑ کا نسب نامہ یہ ہے: الیاس بن بنا بن فحاص بن عمیراء بن ہارون۔ لہٰذا ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً ۱۹ صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاسؑ ابھی زندہ ہیں مگر ان کی حیات کی بابت کوئی روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمنؑ کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ فلسطین ان کا مولد اور مکہ ان کا دارالہجرت اور مصر ان کا ننھیال ہے۔ حجاز و یمن و حضر موت ان کا رقبۂ تبلیغ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے سہیم کار تھے۔ اللہ کے ذبیح، اللہ کے گھر کے محافظ۔ ان کا زمانہ نبی کریم ﷺ سے تقریباً ۲۲۴۰ سال پیشتر ہے۔ مصری، بابلی، فلاسطینی، عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔

اولاد عرب شاہزادی سے ہوئی۔ بارہ بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلے کا سردار اور جداگانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ان کی دختر کی شادی حضرت اسحاق کے فرزند کلاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی ﷺ سردار قیدار فرزند دوم حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں جن کا نام بائبل میں بکثرت آتا ہے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاقؑ برکاتِ الٰہی میں برابر ہیں،تاہم حضرت اسماعیلؑ کو چند فضائل حاصل ہیں:

۱- یہ بیت الحرام کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحاقؑ کسی بیت الحرام کے بانی و محافظ نہ تھے۔

۲- یہ ذبیح اللہ ہیں۔ گو مسلمانوں اور اہلِ کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، مگر آثارِ قدیمہ کی شہادت انہی کے حق میں ہے۔

۳- یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے عہد باندھا، یہ اسی روز اس عہد میں شامل ہوئے۔ اسحاقؑ ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا عہد کے فرزند یہی ہیں (کتاب پیدائش، باب ۱۷)

۴- ان کا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا اور انھوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العربا کے سب خاندانوں تک پہنچادیا تھا لیکن حضرت اسحاقؑ کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہم کو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ!

الیسع علیہ السّلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع سے مراد یسعیاہ ہوں گے، جن کی کتاب مجموعہ بائبل میں موجود ہے اور بہت سی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ان کا زمانہ شاہانِ بوعز و بوتام کے برابر ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ سے یہ ۱۳۲۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔

یونس علیہ السّلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ صافات و انعام و نساء میں بھی ہے اور ایک سورت بھی ان کے نام سے نامزد ہے۔ نبی ﷺ نے عداس نینوی کے سامنے ان کو یونس بن [متی] فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ انھی کو سورۂ ن میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

لوط علیہ السّلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سگے بھتیجے، سفرِ ہجرت کے رفیق، مصر سے واپس آنے کے بعد یہ حضرت ابراہیمؑ سے علیحدہ ہو کر آنروے یا رڈن دریا پر رہتے تھے اور یہی علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو اُلٹ دیا اور ان پر آسمان سے پتھراؤ کیا گیا۔

آیت بالا پر دوبارہ غور

ہاں، آیت بالا [الانعام ۶:۹۰] پر غور کرو!

اصولِ نسب کی بنیاد پر نبی ﷺ کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب نسب منقطع ہو جائیں گے۔ صرف حضور ﷺ کا انتساب باقی رہے گا۔

اصولِ حکمت کی بنیاد پر غور کرو کہ حضور ﷺ ہی نے عرب کو پنجۂ اغیار سے چھڑایا اور حضور ﷺ ہی نے عرب کو فرمان فرمانی پر پہنچایا۔

آیت بالا میں حضور ﷺ کو جملہ انبیائے کرام کی صفاتِ عالیہ اپنے اندر جمع کر لینے کا حکم ہے کیونکہ موافقتِ اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو حسب و نسب میں خود صاحبِ عمودِ عالم ہونا چاہیے اور لوگوں کو نوحؑ و ابراہیمؑ اور اسحقؑ و یعقوبؑ کی جانب انتساب سے مستغنی کر دینا چاہیے۔ نبی ﷺ کو چاہیے کہ داؤدؑ کی طرح عرب کے قبائلِ متعددہ اور شعوبِ مختلفہ کو متحد بنا دیں تاکہ وہ سب مل کر

قومِ واحد بلکہ شخصِ واحد کی شان پیدا کرلیں اور هُمْ يَدٌ وَّاحِدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ [1] کے مصداق بن جائیں۔

نبی ﷺ کو سلیمانؑ کی طرح امنِ محکم اور صلحِ استوار سے ملک کو سرسبز و شاداب بنادینا چاہیے۔ نیز عبادت الٰہی کے لیے ایک ایسا معبد تیار کر دینا چاہیے جو تقدیس میں بیت المقدس سے بڑھ کر اور اعداء کی دست بُرد سے بالاتر ہو۔

نبی ﷺ کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھلانا چاہیے کہ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔ [النحل،۱۶:۱۲۷] کا توقیع خاص حضور ﷺ کے لیے صادر ہو جائے اور عفوِ یوسفؑ کا نمونہ بعید ترین اعداء اور سنگین ترین اشقیا کو بھی ایسا دکھلانا چاہیے کہ ان کے کینہ اور غل کا پورا پورا درمان بھی ہو جائے اور آیندہ کے لیے ان کے دل حضور ﷺ کی محبت سے معمور اور ذوقِ اطاعت سے پُر نور ہو جائیں۔

نبی ﷺ کا کام تھا کہ موسیٰؑ کی طرح براہینِ صادقہ اور آیاتِ باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں کی اصلاح فرماتے اور سحر کارانِ ماہر فن پر بابِ نجات کھول دیتے۔ حضور ﷺ کا کام تھا کہ ایک آتشیں سرشت کی جگہ نور آگین شریعت سے اتمام نعمت فرمادیتے۔

حضور ﷺ کی شان ہے کہ ہارونؑ کی طرح منبر کو اپنے خطاب سے اور محراب کو اپنی امامت سے سربلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈال دی اور سوکھی ہوئی نخلوں کو درد و محبت کا شناسا بنادیا۔

نبی ﷺ ہی کا کام ہے کہ زکریاؑ کی طرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا اور مزید برآں آدابِ دُعا و اوقاتِ دعا اور مراتبِ دُعا سے اپنی اُمت کو حقیقت شناس بنادیا۔

---

[1] [ابوداؤد، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابٌ فِي السَّرِيَّةِ تُرَدُّ عَلَى أَهْلِ الْعَسْكَرِ، ح۲۷۵۱۔ نسائی: كِتَابُ الْقَسَامَةِ، بَابُ الْقَوَدِ بَيْنَ الْأَحْرَارِ، ح۴۷۳۸، ابن ماجہ، كِتَابُ الدِّيَاتِ، بَابُ الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، ۲۶۸۳]

نبی ﷺ ہی ہیں کہ جنگلی شہد اور بیابانی ملخ [ٹڈی] پر گذران کرنے والے یحییٰؑ کی طرح خشک کھجوروں اور آبِ مقطر کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل و عیال والے نبی ﷺ کے گھر میں بھی مہینوں تک چولہا روشن نہ ہوا۔

الیاسؑ، خشک لبوں اور بیاباں نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہادیے اور ہر ایک تشنہ لب کے سامنے جامِ کوثر لے کر خود آگے بڑھتے۔

اسماعیلؑ نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر جن وانس و ملائک کا مرکز عبادت اور مسطر عبادت قرار دیا۔

یونسؑ تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور نبی ﷺ تین شبانہ روز غار کے پیٹ میں سکون پذیر ہوئے۔

یونسؑ کی زبان پر استغفار تھا اور حضور ﷺ کی زبان معیت الٰہی کے عرفان سے گہر ریز تھی۔

لوطؑ کے مواعظ، تحریم خبائث پر مشتمل تھے۔ نبی ﷺ نے بھی اس بارے میں سعیِ بلیغ اور کوششِ کامل فرمائی۔ مقدماتِ زنا کو بھی حرام ٹھہرایا اور ان اسباب و ذرائع کو بھی، جو فسق و فنا تک پہنچانے والے ہیں، داخل محرمات کیا۔ حتیٰ کہ اُمت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا کہ ہر ایک بندہ رحمٰن امام المتقین بننے تک اپنی ہمت وارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

ناظرین جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی ﷺ کو ان جملہ صفاتِ عالیہ کا جامع بتلا رہی ہے تو انھیں بوثوقِ تام اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مقامِ جامع بھی نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

فصل سوم

خصوصیاتِ نبویہ از احادیث مصطفویہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسلّم

صحیحین میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا، فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ. وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَلَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً[1]

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ (۲) ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ (۵) پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ فرمایا گیا ہے۔[2] اس حدیث میں اُعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ نمبر ۱ پر اور خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ نمبر ۶ پر ہیں۔ نمبر ۲ میں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ اور نمبر ۳ [میں] اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ، نمبر ۴ پر جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُوْرًا [اور] نمبر ۵ پر اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً ہیں۔

---

[1] [بخاری، کِتَابُ التَّیَمُّمِ. بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَی: فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً... ح۳۳۵۔ مسلم، کِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، ح۱۱۶۳]

[2] [مسلم، کِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ. بَابُ الْمَسَاجِدِ، ح۱۱۶۷]

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفاتیح کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔[1]

جملہ روایات پر اجمالی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں: (۱) نصرت بالرعب (۲) روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا (۳) حلت مغانم (۴) عطائے منصبِ شفاعت (۵) بعثت عامہ (۶) عطیہ جوامع الکلم (۷) ختمِ نبوت (۸) خزائن ارض کی کلیدہا کا حضور ﷺ کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔ لہٰذا ہر ایک کے متعلق مختصراً گزارش کیا جائے گا۔

۱۔ نصرت بالرُّعب

نبی ﷺ کے ۲۳ سالہ عہد نبوت پر نظر غائر ڈالو۔ سرور عالم تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آبادیٔ مکہ سے باہر یکہ و تنہا--رات ہو یا دن-- تن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر کسی شخص کو حضور ﷺ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزارہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دُور و دراز قبائل میں، جو خشونتِ اخلاق اور خوں ریزی و بے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے حضور ﷺ نے تبلیغ کے لیے متعدد چکر لگائے۔ اس سفر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی بھی حضور ﷺ کا ہمرکاب نہ ہوتا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، ح۲۹۷۷۔ مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، بَابُ الْمَسَاجِدِ، ح۱۱۶۸]

ان قبائل کا کچھ تعارف نہ تھا۔ حضور ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے، ہر ایک حجت الٰہیہ ختم کرتے اور کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے بر سرِ پیکار نہ آتا۔

آغازِ سفرِ ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر، دشمنوں نے جمع کر لیا تھا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رعب تھا کہ تختے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضور ﷺ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں۔ جب حضور ﷺ تن تنہا باہر بھی نکلے تو شَاهَتِ الْوُجُوْهُ لَا يُنْصَرُوْنَ۔[1] کے کلام سے ان کو غصہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اُٹھا کر اُن کے سروں پر بھی پھینک دی۔ بایں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور ﷺ کے چہرۂ تاباں کی طرف کوئی نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضور ﷺ کے خلاف ہیں مگر ان کی سنگ باری اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضور ﷺ کی تقریر نہ ہو سکے۔ آخر وہی اہلِ طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یالیل، کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخلِ اسلام ہو جاتے ہیں۔

نصرت بالرعب کی مثالیں اُس زمانے کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں۔ یمن سلطنتِ ایران کے قبضے سے نکل جاتا ہے اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے، مگر سلطنتِ ایران، یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا رعب ان کے دل و دماغ پر مستولی تھا۔

---

[1] [اس حدیث کا پہلا فقرہ یعنی شَاهَتِ الْوُجُوْهُ تو متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: سنن سعید بن منصور، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابُ جَامِعِ الشَّهَادَةِ، ح ۲۷۲۷۔ المستدرک، كِتَابُ الطَّهَارَةِ، وَأَمَّا حَدِيثُ فَاطِمَةَ، ح ۵۳۹ و كِتَابُ مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ، بَابُ ذِكْرِ مَنَاقِبِ فَاطِمَةَ، ح ۴۷۲۵۔ دلائل النبوۃ، للبیہقی، بَابُ ذِكْرِ مَا لَقِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ، ح ۵۸۰۔ جب کہ دوسرا فقرہ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ کے الفاظ کے ساتھ صرف المعجم الکبیر للطبرانی، جلد دوم، ح ۷۰۴۳ پر درج ہے۔]

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضور ﷺ عرب کی سرحد تبوک تک تشریف بھی لے جاتے ہیں، مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایمپرر کا دل خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ و غسان قائم ہیں۔ انھی کے دربار کے شعرائے خاص حسّان بن ثابت اور کعب انصاری تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریا نشین رسول ﷺ کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے شعرائے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اظہارِ طاقت کریں اور دربارِ عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

ذی ظلیم، ذی یزان کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں۔ وہ گھر بیٹھے حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاع حمیری اپنے گھر میں بیٹھا پندرہ ہزار غلاموں سے سجدہ کراتا اور خدا کہلاتا ہے لیکن ایسے رسول ﷺ سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو غرقاب کر دیا ہے۔ اس عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہلانے کا رعب مسجود و معبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے ہے۔

نبی ﷺ کی یہ صفتِ خاص، نزدیک و دُور ہر جگہ جلوہ گستر تھی۔ امیر المومنین علی المرتضیٰ کا فقرہ ہے: مَنْ رَّاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ[1] جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکایک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔

---

[1] [ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ وَصْفٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ، ح۳۶۳۸]

یہ وہ نصرت الٰہیہ تھی جو رعب بن کر حضور ﷺ کی حشمت و عظمت کو دوبالا کر رہی تھی۔

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

۲-رُوئے زمین کا مسجد و طہور ہونا

یہود اپنے کنیسہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سر گرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محرابِ عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبیٔ ہادی کی قبولِ توبہ کی ان کو حاجت ہے۔ ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں۔ اس لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ہر ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے۔ ان پر الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ۔[آل عمران ۳:۱۹۱] (کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ذکر) کی حالت طاری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رُوئے زمین کو حضور ﷺ کی مسجد بنا دیا۔

زنہار کہ بیروں روم از سجدہ گوخویش
آنجا کہ خدا ہست مرا سجدہ رواہست

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے۔ جس کے سامنے ریگستان کا ذرّہ ذرّہ انوارِ قدسی کا آئینہ دار ہے۔ جسے ہر شے مظہر جمال لم یزلی اور مرآۃ جلالی قدسی نظر آتی ہے۔ جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تحمید ہر وقت گونج رہی ہے۔ جسے آسمان و زمین کی فضا نعرۂ تکبیر و زمزمہ تہلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی کے لیے تمام روئے زمین مسجد بھی بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کے لیے شرط ہے مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا

جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔ لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔

ضرور تھا کہ انسان حصولِ طہارت کے لیے کوئی دوسری تدبیر اختیار کرتا۔ انسان مٹی ہی سے بنا ہے، مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائناتِ ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے، اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنادیا گیا۔

ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک گھی بھی ہے۔ گھی کے سولہ چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں۔ ہر ایک چمچہ ۶ ماشہ کا ضرور ہو۔ (ستیار تھ پرکاش)

سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے محروم کر دیا ہے۔

مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی۔ خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھیرلینا اس عجز و فقر کو ہی ظاہر کرتا ہے جس نے طہور تُراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔ الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تُرابِ روئے زمین کو ہمارے لیے طہُور بنادیا اور حضورئ بارگاہِ ربانی سے کسی حالت میں بھی دُور و مہجور نہ ہونے دیا۔

۳۔ حِلتِ مغانم

حضرت موسیٰؑ و حضرت یوشعؑ بن نون کی فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے ان کو نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا۔ تورات میں جانوروں تک کو جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوۂ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مالِ غنیمت جمع بھی ہوا اور تقسیم بھی کیا گیا۔ لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مالِ غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔ (الانفال ۸:۶۸-۶۹) اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا[1] تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا اب تو غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔

دوسری جگہ ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۔ (الفتح ۴۸:۲۰-۲۱) اللہ نے تم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے لہٰذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیبر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مومنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغانم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔

یہ مغانم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روما پر فتوحات حاصل کرنے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا، اس لیے اس وعدہ کا ایفا بھی خلافتِ راشدہ کے وقت میں ہوا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا بلکہ مومنین سے تین وعدے کیے گئے تھے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافتِ راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آسکا تھا۔

---

[1] یہ اشارہ سورہ نساء کی آیت فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۔ (النساء ۴:۹۴) کی طرف ہے۔

تیسرا وعدہ ہدایت صراط مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہدِ خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۴- عطائے منصبِ شفاعت

(۱) شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ، جو اسی کی جنس سے ہو، شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

(۲) مسئلہ شفاعت کفارِ عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفیع ان سب کو، جو اسی کے ہو کر رہیں، نعمائے اخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے۔

ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں۔ لہٰذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا لے گا۔ لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے:

ہر رُوٹھے تب تھوڑ ہے، گوڑ روٹھے نہیں تھوڑ
ہر رُوٹھے گوڑ و میل سی گوڑ روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا اگر روٹھ جائے گا تب مرشد ملادے گا لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انھی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ۔ (یونس ۱۰:۱۸) یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، نہ فائدہ کر سکتے ہیں، یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں اللہ کے پاس۔

انھی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر ۳۹: ۳) جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔

عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو خداوند (مثلِ خدا) کہتے، اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھتا ہے، جو کوئی اسے پکارتا، اس سے مدد مانگتا، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچا لیتا اور بخشوا لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس کے ردّ و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلامِ الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا:

الف: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (البقرۃ ۲:۲۵۵) کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ۙ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ ۔(النباء ۷۸: ۳۸)اس دن سب فرشتے اور جبرئیلؑ صف باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا، مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔

اصولِ اولین سے ثابت ہوا کہ اذنِ الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

ب: وَ قَالَ صَوَابًا ۔[النباء ۷۸: ۳۸]اور وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔

یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔

آیت مَنۡ اَذِنَ لَہٗ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن و حدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا [بنی اسرائیل ۱۷: ۷۹] تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔

مقامِ محمود ہی مقامِ شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو جملہ اولین و آخرین حضور ﷺ کی حمد کریں گے۔[1] اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری و امام مسلم نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ درج فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا۔ پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔

---

[1] تفسیر خازن

وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں کر سکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں۔ تب لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے۔ نوحؑ کہیں گے نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے: تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے نہیں، میں نہیں، وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے۔ کہیں گے موسیٰؑ کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انھیں توراۃ بھی دی۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا، پھر کہیں گے کہ عیسیٰؑ روح اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ و کلمتہ اللہ کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے: نہیں، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائے گا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا میری زبان سے کہلائے گا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ، قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ اے محمد ﷺ، اپنا سر اٹھاؤ، بولو، تمہاری سنی جائے گی۔ مانگو، تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب! اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا

مَّحْمُوْدًا ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۷۹] پڑھی اور فرمایا کہ مقامِ محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے، وہ یہی مقام ہے۔[1]

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا۔ آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضور ﷺ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم سرور عالم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے۔ اب جب ہر جگہ سے صاف جواب مل جائے گا تو سب کو یہ یقین معلوم ہو جائے گا کہ منصبِ شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل، کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا مہیم و سہیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

۵-بعثتِ عامہ

اس کے متعلق قبل ازیں خصوصیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۔ [سبا ۳۴:۲۸] کی تحت میں لکھا جا چکا ہے۔ ناظرین اس کتاب میں اسے ملاحظہ فرمالیں۔

۶-جوامع الکلم کا عطیہ

بعض اہلِ قلم نے ''جوامع الکلم'' سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے۔ کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے، جسے ''حدیث نبوی''، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے

---

[1] [بخاری، كِتَابُ التَّوْحِيدِ، بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ، ح ۷۵۱۰ مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا، حدیث ۴۷۵]

گا، جو حضور ﷺ پُر نور کے دل و زبان سے گوش عالمیاں تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام "کلامِ نبوت" ہے۔ مختصر، سادہ، صاف، پُر صدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔

اسی کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے، ناظرین کو تدبر اور تفکر کے بعد کلام نبوی ﷺ کی جامعیت کا حال کھل جائے گا اور بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوی ﷺ ہی سے جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ تَیَمُّنًا وَتَبَرُّکًا ایک حدیث درج کی جاتی ہے:

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا کَمَا اَمَرَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُہٗ وَدَمُہٗ وَعِرْضُہٗ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَجْسَادِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا التَّقْوٰی ھٰھُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ۔ اَلَا لَا یَبِیْعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا وَّلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَاَخْرَجَہُ السِّتَّۃُ اِلاَّ النَّسَائِیَّ وَھٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

(۱) خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے، (۲) لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا۔ (۳) اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا، (۴) بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا، (۵) باہمی حسد نہ کرنا، (۶) باہمی بُغض نہ رکھنا، (۷) کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا، (۸) اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے، (۹) مسلم مسلم کا بھائی ہے، بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے، (۱۰) نہ اسے رسوا کرے، نہ حقیر جانے، (۱۱) انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے، (۱۲) مسلم کا مال، خون، عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے، (۱۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے، (۱۴) دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، (۱۵)

خبر دار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے،(۱۶)اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو!(۱۷)مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔[1]

خصوصیتِ معراج

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔[بنی اسرائیل ۱:۱۷]

معراج نبوی ﷺ کا ذکر اس کتاب کی جلد اول [طبع ہذا ص ۷۹] میں بھی کیا جا چکا ہے اور جلد دوم [طبع ہذا باب دوم، فصل اول] میں بھی ہر دو مقامات پر یہ واقعہ الگ الگ اسلوب سے بیان ہوا ہے۔ اب اس مضمون ''خصائص النبی ﷺ،'' میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا۔ الحمد للہ کہ اس جگہ تیسرے طرزِ بدیع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ناظرین یاد رکھیں کہ معراج نبی ﷺ ان خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی و رسول حضور ﷺ کا سہیم نہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ''عروج'' ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عُرِجَ بِیْ استعمال فرمائے گئے تھے لہٰذا اس واقعہ مبارکہ کے لیے لفظ ''معراج'' خاص ہو گیا۔ لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چونکہ عروج وارتقا منزل بہ منزل ہوا تھا لہٰذا واقعہ باطنی کے لیے یہ تشبیہِ ظاہری بھی خوب ہے۔

تعدّدِ معراج

علماء میں سے بعض تعدد معراج کے قائل ہوئے ہیں اور لفظ ''اسرا'' و لفظ ''معراج'' کے معانی کا فرق بتلایا ہے اور اسی لیے انھوں نے ان واقعات کے لیے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ نے، جو بڑے محقق ہیں، اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ تعدّدِ معراج کا قول مطلقاً بے سند ہے اور احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بھی مخالف ہے۔

---

[1] نسائی کے سوا صحاحِ ستہ میں ہے۔

تعین زمانہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین خدیجہؓ کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔[1] دوسری روایت ہے [کہ] طاہرہ خدیجہؓ کی وفات، فرضیت نماز پنج گانہ سے پیشتر تھی۔[2] نتیجہ یہ ہوا کہ واقعۂ معراج، بعد از وفات سیدہ خدیجہؓ تھا، اور اس واقعے کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اس اولین ملاقات سے، جس میں انصار کے صرف چھ اشخاص حضور ﷺ سے ملے تھے، شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا واقعۂ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ نے واقعہ معراج کو دیباچہ الاستیعاب میں ۵۲ ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز انھوں نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیلی بحث انھوں نے کتاب ''التمہید'' میں کی ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ امام ابن عبدالبرؒ اور امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری اور امام نووی (تبعاً للرافعی) نے معراج کے لیے ماہِ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد علی بن سرور المقدسی (متوفی ۱۳ ربیع الآخر ۶۰۰ھ) نے ستائیسویں رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں رجب ۵۲ ولادت نبوی کو ہوا تھا۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، بَابُ تَزْوِيجِ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ، ح۳۶۸۳]

[2] بخاری عن عائشہ [یہ بات تو نہ مل سکی کہ حضرت خدیجہ فرضیت نماز سے پہلے وفات پائی تھیں، البتہ حضرت عائشہؓ سے یہ بات کئی روایتوں میں منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضور ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد ہوا۔]

میں نے نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متعلق ۲۳ سالہ جنتری خود تیار کی ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ ماہ رجب ۵۲ کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہٰذا ستائیسویں رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہار شنبہ تھا اور اسلامی طریق سے شب معراج بھی شب چہار شنبہ تھی۔

راویانِ احادیثِ معراج

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے کن کن دو اوین حدیث میں مروی ہے:

۱- حدیث انس بن مالکؓ

الف	صحیح بخاری و ابن جریر	بطریق شریک بن عبداللہ	ب	صحیح مسلم	بطریق ثابت
ج	نسائی و ابن ماجہ	بطریق یزید بن مالک	د	ابن ابی حاتم	بطریق دیگر از یزید بن مالکؓ
ہ	ابن جریر و ابن مردویہ	بطریق عبدالرحمٰن بن ہاشم	و	احمد و ترمذی و بیہقی و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن مردویہ و ابو نعیم	بطریق قتادہ
ز	ابوداؤد و احمد	بطریق عبدالرحمٰن بن جبیر	ح	ابن مردویہ	بطریق قتادہ و سلیمان التیمی و علی بن زید
ط	ابن سعد، سعید بن منصور، بزار، بیہقی، ابن عساکر	عن ابی عمران الجونی			

۲- حدیث جابر بن عبداللہؓ

الف	صحیح بخاری و صحیح مسلم	عن جابرؓ			

۳- حدیث ابن عباسؓ

الف	صحیحین	بطریق قتادہ عن ابی العالیہ	ب	صحیح مسلم	من طریق قتادہ عن ابی العالیہ
ج	احمد، ابو نعیم، ابن مردویہ بسند صحیح	من طریق قابوس عن ابیہ	د	احمد ابو یعلیٰ، ابو نعیم، ابن مردویہ	من طریق عکرمہ
ہ	احمد، نسائی، بزار، طبرانی	من طریق سعید بن جبیرؓ	و	ابن مردویہ	من طریق شہر بن حوشبؓ

۴- حدیث ابن مسعودؓ

الف	صحیح بخاری	من طریق علقمہ	ب	صحیح مسلم	من طریق مرۃ الہمدانی
ج	مسلم، بیہقی، ابو نعیم	من طریق زر	د	احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور، حاکم فی صحیحہ	من طریق مؤثر بن غفار
ہ	ترمذی و حسنہ، ابن مردویہ	من طریق عبدالرحمٰن	و	بزار، ابو یعلیٰ، حارث بن ابی اسامہ، طبرانی، ابو نعیم، ابن عساکر	من طریق عاتمہ

۵- حدیث مالک بن صعصعہؓ[1]

الف	صحیح بخاری و صحیح مسلم، واحمد، مالک حدثہ	من طریق قتادۃ عن انسؓ

۶- حدیث ابی ذرؓ

الف	صحیحین	مِنْ طَرِيقِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ بِسَنَدِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ

۷- حدیث ابی ہریرۃؓ

الف	صحیح مسلم واحمد و مردویہ	من طریق ابی سلمہؓ	ب	احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ	من طریق ابی الصلت
ج	ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابو یعلیٰ، بیہقی	من طریق ابی العالیہ	د	ابن مردویہ	من طریق سلیمان التیمی
ہ	سعید بن منصور، ابن سعد، طبرانی (اوسط)، ابن مردویہ			عن ابی وہب مولیٰ ابی ہریرہؓ	

---

[1] نہایت قلیل الروایت ہیں۔ یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے، جو نہایت اتفاق سے مروی ہے۔

۸-حدیث حذیفہ بن الیمانؓ

الف	عمار بن شیبہ، ترمذی، حاکم وصححہ، نسائی، ابن جریر، ابن مردویہ، بیہقی	عن حذیفہؓ

۹-حدیث سمرۃ بن جندبؓ

الف	ابن مردویہ	عن سمرۃؓ			

۱۰-حدیث سہل بن سعدؓ

الف	ابن عساکر	عن سہل بن سعدؓ			

۱۱-حدیث شداد بن اوسؓ

الف	ابن ابی حاتم، بیہقی وصححہ، بزار، طبرانی، ابن مردویہ	عن شدادؓ

۱۲-حدیث صہیبؓ

الف	طبرانی، ابن مردویہ	عن صہیب بن سنانؓ			

۱۳-حدیث ابن عمرؓ

الف	ابوداؤد، طبرانی (اوسط)، بیہقی	عن ابن عمرؓ			

۱۴-حدیث عمرو بن شعیبؓ

الف	ابن مردویہ	عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

۱۵-حدیث عبداللہ بن اسعد بن زرارہؓ (صحابی بن صحابی)

الف	بزار، ابن قانع، ابن عدی، بغوی، ابن عساکر	عبداللہ بن اسعدؓ

۱۶-حدیث ابوایوبؓ

الف	ابن ابی حامد، ابن مردویہ	عن ابی ایوبؓ

۱۷-ابوحیہؓ

الف	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی حیہؓ

۱۸- حدیث ابی العمراءؓ

الف	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی العمراء

۱۹- حدیث ابی سعید خدریؓ

الف	ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر	من طریق ابی ہارون العبدی	ب	ابن مردویہ	من طریق ابی نضرۃؓ
ج	ابن مردویہ من وجہ آخر	عن ابی نضرۃ	د	ابن مردویہ من وجہ آخر	من طریق نقمہؓ

۲۰- حدیث ابی یعلیٰؓ

الف	طبرانی (اوسط)، ابن مردویہ	من طریق محمد بن عبدالرحمٰنؓ

۲۱- حدیث عائشہؓ

الف	ابن مردویہ، حاکم وصححہ، بیہقی	من طریق زہری عن عروہؓ

۲۲- حدیث اسماء بنت الصدیقؓ

الف	[ابن مردویہ]	[من طریق یحیٰ بن عباد]			

۲۳- حدیث ام ہانیؓ بنت ابی طالب

الف	ابن اسحاق، ابن جریر	عن الکلبی عن ابی صالح			

۲۴- حدیث عمر فاروقؓ

الف	احمد	عن عبید بن آدم	ب	ابن مردویہ	من طریق مغیرۃ بن عبدالرحمٰن

۲۵- حدیث ابی سفیان الاموئؓ

الف	ابونعیم عن محمد بن کعب القرظی	بطریق ایمیا (موقوف)

۲۶- حدیث امیر المؤمنین علیؓ

الف	طبرانی	من طریق الحسین عن ابیہ	ب	ابونعیم	من طریق محمد بن الحنفیہؓ
ج	ابن مردویہ	من طریق زید بن علی عن آبائہ			

۲۷-حدیث عبدالرحمٰن بن قرط الثمالیؓ

الف	سعید بن منصور، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم (فی المعرفۃ)	عن عبدالرحمٰن بن قرطؓ

۲۸-حدیث بریدہؓ

الف	ترمذی، حاکم وصححہ، ابونعیم، ابن مردویہ، بزار	عن بریدہؓ

صحابہ رضوان اللہ علیہم جس قدر راویانِ حدیث ہیں ان میں مکی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب نے بعد میں جو کچھ بیان کیا وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اول تو راوی صحابہ کی خود صراحت کہ انھوں نے حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچایا، اس بارے میں کافی دلیل ہے۔

دوم: یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصارِ کبار نے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق وذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ خود سرور عالم ﷺ کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے، جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علوِّ اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صراحتاً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں۔ حدیث شداد بن اوسؓ میں ہے:

قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ أُسْرِيَ بِكَ [1] لفظ قُلْنَا پر غور کرنا چاہیے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہؓ کی طرف سے تھی۔

---

[1] [المعجم الکبیر للطبرانی، ج۷، ص۲۸۲]

صحیحین کی روایت مالک بن صعصعہ میں ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَدَّثَهُمْ [1] خود نبی کریم ﷺ نے ان سے حدیث بیان فرمائی۔

لہٰذا معراج کی احادیثِ مرفوعہ، خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار، سب کی سب نبی ﷺ سے سُنی ہوئی ہیں۔

بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انسؓ ایسے بھی ہیں جنھوں نے نبی ﷺ سے روایت براہِ راست بھی کی ہے اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تمیز کا قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔

یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

واقعاتِ معراج

اب واقعاتِ معراج کو بیان کیا جاتا ہے:

۱- صحیح مسلم کی حدیث [من] طریق ثابت عن انس میں ہے: ''میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا۔''[2]

---

[1] [بخاری، كِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى، ح۳۳۹۳، وَبَابُ ذِكْرِ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا، ح۳۱۸۶ (شاملہ)، کتاب المناقب، باب المعراج، ح۳۵۹۸۔ مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، ح۴۱۶، خود رسول اللہ ﷺ کے حدیث بیان کرنے کے الفاظ مسلم میں نہیں ہیں۔ مگر یہ مضمون اس پورے باب کا موضوعِ بحث ہے۔ (مدوّن)]

[2] [مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، ح۴۱۱]

۲-ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ ”میرے پہنچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے، اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ صفیں درست ہوئیں۔ میں انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا۔ جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ بعد از نماز جبریلؑ نے پوچھا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ جبریلؑ نے کہا: یہ سب وہ انبیاء ہیں جو من جانب اللہ مبعوث ہو چکے۔“[1]

۳-امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ جب امیر المومنین عمرؓ بیت المقدس پہنچے، تب کعب سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے۔ اس نے کہا: صخرہ کے پیچھے۔ امیر المومنین نے کہا: نہیں، میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبی ﷺ نے پڑھی تھی۔[2]

۴-مالک بن صعصعہؓ کی حدیث [من] طریق انسؓ بھی صحیحین میں موجود ہے۔[3]

مالک بن صعصعہؓ نہایت قلیل الروایت ہیں حتیٰ کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی ہی نہیں۔ ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت ہی اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا۔ کیونکہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے اور غالباً یہی پختہ ہے

---

[1] [یزید بن ابی مالک عن انسؓ کی روایت سے ایک حدیث ابن ابی حاتم کی العلل (ج ۲، ص ۷۲، ح ۱۷۶۹) میں موجود ہے، مگر اس تفصیل کے ساتھ نہیں جو مؤلف نے بیان فرمائی ہے۔ البتہ یہ مضمون سنن نسائی (کتاب الصلوٰۃ، باب فرض الصلوٰۃ۔۔۔ح ۴۴۶) میں اسی روایت کے ساتھ موجود ہے۔ (مدوّن)]

[2] [کنز العمال، ج ۱۴، ص ۱۴۳۔ فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب ۹۷، ح ۵۰۶]

[3] [امام بخاری نے دو مقامات پر اس روایت کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: كِتَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ، بَابُ ذِكْرِ الْمَلَائِكَةِ، ح ۲۹۶۸ (شاملہ) اور کتاب مناقب الانصار، باب فی المعراج، ح ۳۸۸۷، جب کہ دیگر چند مقامات پر اس کے مختلف ٹکڑے نقل کیے ہیں۔ مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، ح ۴۱۶]

کہ انسؓ نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار [مالک] بن صعصعہؓ سے روایت کرنا اپنے لیے موجب فخر و مسرت سمجھا۔ اب مالک بن صعصعہؓ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں حطیم[1] میں لیٹا ہوا تھا جب آنے والا (جبریل) میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے ساتھی (میکائیل) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے نبی ﷺ ہیں۔ پھر وہ میرے پاس آیا۔ سینہ سے لے کر زیر ناف تک میرا جسم شق کیا۔ پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان و حکمت سے پُر تھا۔ میرے قلب کو دھویا اور ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ پھر زخم درست کر دیا۔ پھر میرے لیے سواری لائی گئی جس کا قد خچر سے کم اور حمار سے اونچا تھا۔ اس کا قدم اس کی حد بصر تک پڑتا تھا۔ مجھے سوار کیا گیا۔ جبریلؑ میرے ساتھ ساتھ چلا۔

سات آسمانوں پر اولوالعزم انبیاء کی ملاقات

آسمان دنیا تک مجھے لے کر پہنچ گیا۔ دروازہ کھلوایا۔ اندر سے پوچھا [گیا]: کون ہے؟ کہا: جبریل۔ کہا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ۔ انھوں نے کہا: کیا آپ کو بلوایا گیا؟ جبریلؑ نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا: خوب تشریف لائے۔ دروازہ کھلا۔ میں اندر گیا تو وہاں آدم تھے۔ جبریلؑ نے کہا: یہ تمہارے ابا آدمؑ ہیں۔ سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبریلؑ دوسرے آسمان تک پہنچا۔ دروازہ کھلوایا (وہی گفتگو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر گیا تو وہاں یحییٰؑ و عیسیٰؑ تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ یحییٰؑ و عیسیٰؑ ہیں۔ سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا بھی کہا۔

---

[1] قتادہ نے لفظ "حطیم" کی جگہ کہیں لفظ "حجر" بھی استعمال کیا ہے۔ دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں۔ یعنی خانہ کعبہ کے اندر کی وہ زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا۔ (مؤلف)

پھر تیسرے آسمان پر گئے (وہی گفتگو ہوئی، دروازہ کھلا) وہاں یوسفؑ تھے۔ سلام وجواب کے بعد انھوں نے بھی اخ صالح و نبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔

پھر جبریلؑ چوتھے آسمان تک بلند ہوا۔ دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا: کون؟ کہا: جبریل۔ پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ۔ پوچھا: کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے جانے پر اظہار خوشی کیا۔ اندر گئے تو وہاں ادریسؑ تھے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

اسی طرح پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبریل سے ہوئی۔ میں اندر گیا وہاں ہارونؑ ملے۔ سلام کا جواب دے کر مجھے اخ صالح و نبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسی طرح چھٹے آسمان پر جبریلؑ اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔ میں اندر گیا تو وہاں موسیٰؑ ملے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔ میں ان سے آگے کو چلا تو موسیٰؑ رو پڑے۔ پوچھا گیا کہ تم کیوں روئے؟ کہا: یہ نوجوان میرے بعد نبی ہوا اور اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت سے بہت زیادہ تعداد میں داخلِ جنت ہوں گے۔

پھر ساتویں آسمان پر جبریل پہنچا۔ فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیمؑ موجود ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اٹھایا گیا۔ اس کا پھل بڑی چاٹیوں جیسا اور اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے بڑے ہیں۔ جبریلؑ نے بتایا کہ سدرۃ المنتہیٰ یہی ہے۔ وہاں چار نہریں دیکھیں۔ دو اندر بہتی تھیں، دو کھلم کھلی۔ جبریلؑ نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں اور کھلے

چلنے والے نیل و فرات۔ پھر سامنے بیت المعمور نمودار ہوا۔[1] نبی ﷺ نے فرمایا: پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے برتن پیش کیے گئے۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبریلؑ نے کہا: یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت ہے۔

فرضیت نماز

پھر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ روزانہ پچاس نمازیں۔ پھر میں نیچے آیا اور موسیٰؑ تک پہنچا تو انھوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اُمت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں روزانہ۔ موسیٰؑ نے کہا کہ آپ کی اُمت میں اس کی استطاعت نہ ہو گی اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا۔ دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ میں نے لوٹ کر یہی موسیٰؑ کو بتایا وہ بولے کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا اور دس نمازوں کی تخفیف کر دی گئی۔ میں نے پھر موسیٰؑ کو یہی آ کر بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا۔ تب دس نمازوں کی اور تخفیف کر دی گئی۔ انھوں نے پھر کہا کہ واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں اسی طرح جاتا رہا حتیٰ کہ پانچ نمازوں کا حکم ہو گیا اور میں نے موسیٰؑ کو یہ بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی اُمت میں اس کی استطاعت بھی نہ ہو گی۔ مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے اور میں نے بنی اسرائیل کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہٰذا واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار بھی ہو گیا ہوں۔ اب تو میں اسی کو خوشی سے مانوں گا اور تسلیم کروں گا۔ اس وقت

---

[1] قتادہ جو راویٔ حدیث ہیں انھوں نے کہا کہ حسنؒ نے ہم کو ابوہریرہؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستّر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اس قدرِ ایزدی کے بعد قتادہ نے پھر حدیث انس کی طرف رجوع کیا۔

پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی۔[1]

۵- شیخین کی حدیث عن انس میں مزید یہ ہے کہ ابوذرؓ نبی ﷺ سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ آدمؑ جب دائیں جانب دیکھتے تب ہنستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔ جبریلؑ نے نبی ﷺ کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں بائیں اولادِ آدم کی ارواح ہیں۔ دائیں جانب اہلِ جنت ہیں، بائیں جانب اہلِ نار۔ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔[2]

۶- زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتلایا کہ ابن عباس اور ابو حبۃ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے بلندی پر لے جایا گیا اور میرے سامنے مستوی آ گیا۔ میں صریف الاقلام سنتا تھا۔[3]

پانچ نمازوں کی تعین کے بعد موسیٰؑ بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرۃ المنتہیٰ پر واپس آیا اس پر ایسے رنگا رنگ ایوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفات بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا جس کی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔

سات آسمانوں پر آٹھ انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاءؑ کی ملاقات بہت سی نصائح دینی پر مشتمل ہے:

---

[1] یعنی نمازیں پانچ اور ثواب پچاس کا۔

[2] [بخاری، كِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، بَابُ ذِكْرِ إِدْرِيسَ، ح۳۳۴۲۔ مسلم كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، ح۴۱۵]

[3] [بخاری، كِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، بَابُ ذِكْرِ إِدْرِيسَ، ح۳۳۴۲]

۱- پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہانِ عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امرائے عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں، اسی طرح ان انبیائے کرام کا تعین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

۲- آدم ابوالبشر ہیں، اول الانبیاء ہیں، اس لیے ان کا تعلق آسمان اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدمؑ [وہ] ہیں جن کو ترکِ جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد ور فقا سے زمین آباد ہو گئی۔ تب ان کا وہ الم مبدل بہ سرور ہو گیا۔

نبی ﷺ بھی اَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَ اللهِ کو ترک کرنے والے تھے، لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی۔ یہیں سے نصرت و فتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلدہ طیبہ حضور ﷺ کے خلفاء کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

۳- یحییٰؑ و عیسیٰؑ میں قرابت بھی ہے۔ مسیحؑ نے اصطباغ بھی یحییٰؑ سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے۔ اور دونوں کو نبی ﷺ کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰؑ نے اپنا کام عیسیٰ مسیحؑ پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ مسیحؑ نے اکمال صداقت اور اتمامِ حقانیت کا حضور ﷺ کے ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

۴- یوسفؑ کے احوالِ مبارکہ کو نبی ﷺ سے مماثلت کُلّی ہے۔ دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات ساتھ دینے [جھیلنے] پڑے۔ دونوں میں عفو و کرم کا وفور ہے۔ دونوں نے اخوانِ جفاپیشہ کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ [یوسف ۱۲:۹۲] کے مژدہ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکمت ہیں۔ اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

۵- چوتھے فلک پر ادریسؑ کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توغل تعلیم اور شغف تدریس میں ادریسؑ کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت نبی ﷺ کی تھی۔ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ [الجمعة ۶۲:۲] حضور ﷺ ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

۶- پانچویں پر ہارونؑ ملے۔ ہارونؑ اپنی قوم و اُمت میں ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے۔ ہارون مسجد کے امام تھے۔ ہارون تفرقہ و فرقہ بازی کو سب سے بُرا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جن کے انوار حضور ﷺ کی سیرت میں واضح و آشکار ہیں۔

۷- چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحبِ شریعت بھی ہیں، صاحبِ کتاب بھی ہیں، غازی و مجاہد ہیں، مہاجر و مناظر بھی۔ نبی ﷺ کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں۔ ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

۸- ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیمؑ نظر آئے۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور (بیت المعمور) کے متہم ہیں۔ یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمن ہیں۔ نبی ﷺ نے کعبہ کو ارجاس اوثان [بتوں کی نجاست] سے پاک کیا۔ نبی ﷺ کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کے لیے کعبہ کو قبلۂ نماز بنایا۔ نبی ﷺ ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا۔ نبی ﷺ ہی نے مناسکِ حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی ﷺ ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا۔ نبی ﷺ حلیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیمؑ سے نہایت مماثل تھے۔ رفعت، حضور ﷺ کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ ہی مقامِ محمود والے ہیں اور حضور ﷺ ہی اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

---

[1] [مسند ابی یعلیٰ، ح ۳۳۲۸۔ اَلْمُعْجَمُ الْكَبِيْرُ لِلطَّبَرَانِيِّ قِطْعَةٌ مِنَ الْمَفْقُوْدِ، جزء ۱۸، ص ۴۵۰]

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے:

اوّل: سورۂ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۱]

کلمہ سُبْحَانَ تنزیہہ کے لیے آتا ہے اور شروعِ کلام میں اس لیے لایا گیا ہے کہ جن واقعات بعد کا ذکر آیندہ کیا جائے گا اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و درماندہ نہیں۔

لَیْلًا کی تنوین رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔

بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مثمرہ اور انہار جاریہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے۔ اسی کا حوالہ انبیائے کثیر کا مہبط وحی [نزول وحی کی جگہ] اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

مِنْ اٰیٰتِنَا سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال و ادبار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں اور وہ نشاناتِ عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عروج کے بعد ملکوت السموات والارض میں ملاحظہ فرمائے۔

دوم: سورۂ النجم میں ذکر: مندرجہ ذیل آیات پر تدبر کرو۔

الف: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ [النجم ۵۳:۱۸] اس نے اپنے رب کی ان آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ”کبریٰ“ بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔

اس کے تحت میں جبرئیل کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورت تجلی یا جنت و نار کا بہیئتِ موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیلی معاینہ کچھ بھی لکھ دیا جائے لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ ”کبریٰ“ کے سامنے کم ہی ہوں گے۔ اس لیے ان کا حصر و تعقّل دشوار ہے۔

ب: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔[النجم ۵۳:۱۷] اس آیت میں نبی ﷺ کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعاتِ حُسنِ ادب کا بھی ذکر ہے۔ اور نبی ﷺ کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد رؤیت کا بھی تذکرہ ہے۔ موسیٰؑ کے حال میں فرمایا گیا ہے: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۔[الاعراف ۷:۱۴۳] جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

سیدنا حضرت محمد ﷺ خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں۔ مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے نہ اُدھر اِدھر تاکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے اور بصارت محمدیہ ﷺ کمالِ قوت و نظارہ کے ساتھ وقفِ دید ﷺ۔

ج: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۔[النجم ۵۳:۱۱] جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے نہیں جھٹلایا۔

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم ہر صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زرین طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کا قد و قامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض سے کروڑوں حصے کم ہوگا۔ لیکن دل کہتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے۔ یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے۔

ہم پانی کے اندر گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔

ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف، سفید روشنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے، تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے، غلط ہوتا ہے۔ لیکن حقائق کی اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین اور وثوق

اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز اور بصارت افزا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی ﷺ کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون و شکوک سے برتر اور جملہ صداقتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیے۔

د-فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔ [النجم ۵۳:۱۰] پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجنی تھی وہ بھیجی۔

آیات بالا میں دیدہ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَآ اَوْحٰى کا لفظ اجمال کے لیے نہیں بلکہ تفخیم کے لیے ہے۔ اس سے تفخیم وحی بھی مقصود ہے اور یُوْحٰٓى اِلَيْهِ کی تعظیم بھی، اور ان کی عظمت اصلیہ تو لفظ عبد میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعۂ معراج نبی ﷺ کے مقاماتِ اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اور سورۃ النجم میں بھی لفظ عبد ہی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوقِ الٰہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اس مقدس ہستی کے لیے بھی جس کی شان "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" سے آشکار ہے، سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقامِ عبودیت میں ارتقاء (بقدر قابلیت و استعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ [البینۃ ۹۸:۵] بے شک اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ [1] کے معانی بھی اس نکتہ سے حل ہوتے ہیں کیونکہ اظہارِ عبودیت و بیانِ عجز و افتقار اور تشکل بندگی و ابتہال کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

---

[1] [شرح سنن ابن ماجہ از سیوطی، عبدالغنی، فخر الحسن الدہلوی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج ۱، ص ۳۱۳۔ تفسیر حقی، سورۃ الزمر، آیت ۲۳۔ تفسیر النیسابوری، سورۃ الفاتحہ، آیت ۱]

بیداری وخواب کی بحث

بعض علماء کو آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ [بنی اسرائیل۶۰:۱۷] سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ اسے رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔

اس اشکال کو امام لغت ابن وجیہہ نے حل کر دیا ہے کہ رؤیت ورؤیا کا استعمال بمعنی واحد ہوتا ہے۔ اہلِ لغت کا قول ہے: رَأَيْتُ رُؤْيَةً وَّرُؤْيَا قُرْبَةً وَّقُرْبٰى، اب یہ وہم اٹھ گیا کہ رؤیا صرف خواب ہی کے لیے مستعمل ہے۔

زمخشری نے، جو ائمہ لغت و معانی و بیان میں سے ہیں، اپنی تفسیر کشاف جلد دوم، ص ۱۹۱ پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رؤیا کا تعلق واقعہ بدر سے ہے، جب کہ حضور ﷺ نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان و مقام بھی بتلا دیا تھا اور کفار حضور ﷺ کے اس ارشاد کو استہزاء ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں لفظ قبل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے۔

اِنَّمَا سَمَّاهَا رُؤْيَا عَلٰى قَوْلِ الْمُكَذِّبِيْنَ حَيْثُ قَالُوْا لَهٗ لَعَلَّهَا رُؤْيَا رَأَيْتَهَا وَخِيَالٌ خِيْلَ اِلَيْكَ۔

لفظ ''رُؤْيَا'' کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ وہ معراج کا حال سُن سُن کر کہتے تھے کہ شاید خواب دیکھا ہوگا، شاید خیال ہوگا۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے: فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ۔ [الصٰفٰت۹۱:۳۷] اَيْنَ شُرَكَآءِيَ۔ [القصص ۲۸:۶۲،۷۴] ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ [الدخان۴۴:۴۹]

اب محدثین کی سنیے: امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ[1] کے تحت میں بروایت عکرمہ عن ابن عباسؓ یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

---

[1] میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے اور بمقام بمبئی ۱۲۶۸ھ میں لکھی گئی اور ۱۲۷۰ھ میں چھاپی گئی۔ اس میں لفظ رُؤْيَةٌ بِالتَّاءِ ہے۔ آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لیے میں نے اس جگہ بالتاء نقل کیا ہے۔

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللهِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ، یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی ﷺ کو شبِ اسرا دکھلایا گیا۔

ابن عباسؓ بہتر اُمت محمدیہ اور بدعائے رسول پاک ﷺ بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت وادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔ان کا قول ہے:

''میرا ایمان ہے کہ نبی ﷺ کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔'' یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہلِ سنت محدثین وفقہائے تابعین وصحابہ کا ہے۔ جو لوگ واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِيْنَ أُسْرِيَ بِيْ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللهُ لِيْ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ[1]

صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا (اور نشانات پوچھنے لگے) تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو جو نشان وہ پوچھتے تھے میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور ﷺ نے واقعاتِ معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا [کیا] حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور ﷺ کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے اور حضور ﷺ

مگر میرے پاس ایک پرانی قلمی صحیح بخاری ہے اس میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا کو رسم الخط قرانی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔

[1] [بخاری، كِتَابُ مَنَاقِبِ الْأَنْصَارِ، بَابُ حَدِيثِ الْإِسْرَاءِ، ح۳۸۸۶، كِتَابُ التَّفْسِيرِ، بَابُ قَوْلِهِ أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، ح۴۷۱۰۔ مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ ذِكْرِ الْمَسِيحِ بْنِ مَرْيَمَ وَالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، ح۴۲۸]

اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے رہیں۔ خواب کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو اپنی آیات کبریٰ دکھلائیں اور وراء الورا کی سیر کرائی۔

طے کنم ایں نامہ را گر نکنم چہ کنم!
حوصلۂ خامہ نیست تاب رقم داشتن

معجزاتِ نبویہ ﷺ

فصل اول

معجزہ کیا ہے؟

معجزہ کے لغوی معنی

لفظ ''معجزہ'' عجز سے بنایا گیا ہے۔ عجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔ دراصل عجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ عجز انسان کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ۔ [القمر ۲۰:۵۴] میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔ پھر اس عجز سے کسی کام میں مؤخر رہنے کا مفہوم اور پھر اس سے درماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

''عجوز'' اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور [سَر] کرنے سے درماندہ و عاجز رہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب قابیل کے سامنے ایک کوے نے دوسرے کوے پر مٹی ڈال کر اسے زیرِ خاک کیا۔ تب قابیل بولا: قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ [المائدۃ ۳۱:۵] افسوس، میں تو اس کوے جیسا بھی نہ ہوا۔ کوے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے: وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ۔ [التوبۃ ۲:۹] یاد رکھو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔

معجزہ کے اصطلاحی معنی

اس لغوی معنی کے بعد لفظ معجزہ کا استعمال عام طور پر انبیاء اللہ کے ان افعال نبوت پر کیا جانے لگا ہے جو ان کی شانِ نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لفظ معجزہ کا استعمال اس خاص معنی میں کس زمانے سے ہونے لگا اور وہ پہلا کون شخص ہے جس نے اس مفہوم میں اس کا استعمال کیا، مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی ﷺ کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔

معجزہ کی تعریف

اب لفظ معجزہ کی تعریف کی طرف آیئے:

''معجزہ'' کو معنی معینہ بالا میں معجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ معجزہ وہ ہے جو خارقِ عادت ہو۔ اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا خرقِ عادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟

عادت کے معنی کیے جاتے ہیں: ''استمرار قوانینِ فطرت''

اور خرق کے معنی کیے جاتے ہیں: ''بطلانِ استمرار مذکورہ''

تین نقطہ ہائے نظر

مبحث کے اس مقام پر پہنچ کر اہلِ قلم چند اصناف پر منقسم ہو جاتے ہیں:

اوّل: وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازارِ معقولات میں خوب خوب آوازے کَسے جاتے ہیں۔

دوم: وہ جو قانونِ فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تنسیخ (یعنی خرق) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

الف: جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔

ب: وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح سمجھا جائے۔

سوم: وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانونِ فطرت ہی مان لیتے ہیں۔ اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اس قانون کے اندر موجود تھا۔

دوسری تعریف

معجزات سے منکرین یا مؤوّلین یا قائلین کا شمار انھی اقسام ثلاثہ میں آجاتا ہے۔ ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متعلقین لفظ خرق عادت سے تھا۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو لفظ معجزہ کی تعریف ''خرق عادت'' سے نہیں کرتے اور لفظ خرقِ عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ ''معجزہ نبی اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنادے۔''

اس تعریف میں خدشہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی دوسرے وقت میں کوئی غیر نبی اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جائے تو اس میں بھی صورت التباس پیدا ہو جاتی ہے۔

ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے علماءِ محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ ''معجزہ'' اور لفظ ''خرقِ عادت'' آتے ہی نہیں، تو اس خارزار میں دامن الجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

قرآنی اصطلاح: ''آیت''

قرآن مجید تو لفظ ''آیت'' کا استعمال کرتا ہے اور انجیل و تورات میں بھی لفظ نشان ہی کا استعمال ہے۔ اس لیے ہم بھی لفظ ''آیت'' ہی استعمال کریں گے۔ استعمال ہذا میں چند فوائد اور بھی ہیں:

۱- لفظ ''آیت'' نہایت وسیع المعنیٰ ہے۔

الف: اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوحؑ کو آیت بتلایا:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔[العنکبوت ۲۹:۱۵] پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشان بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ [یٰس ۳۶:۳۷-اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے۔]

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ [حم السجدۃ ۴۱:۳۷-اور دن رات بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔]

انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ [الروم ۳۰:۲۰] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔

بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ [الروم ۳۰:۲۴] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے۔

آسمان وزمین کی موجودہ بناوٹ واستقامت کو بھی آیت بتلایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۔[الروم ۳۰:۲۵] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔

امن عامہ، کشایش وآسودگی، ترفُّہ اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۔[سبا ۳۴:۱۵] سباوالوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔

فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے، آیت بتلایا:

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۔[یونس ۱۰:۹۲] تاکہ تو پچھلے آنے والوں کی نشانی بنے۔ اس لیے تیرا لاشہ باہر پھینکا جائے گا۔

سیدنا صالحؑ کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ۔[الاعراف ۷:۷۳] یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰؑ اور ید موسیٰؑ کی نسبت بھی، جب کہ ان کا ثعبان اور بیضاء ہو جانے کا امتحان کرادیا گیا، فرمایا ہے۔

عقل کا فیصلہ

مادہ پرست پہلی آیت کو سُن کر ان اشیائے مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کریں گے لیکن اگر ان واقعات کے مقابلے میں کوئی ایسا واقعہ، جس میں ذرا سی نُدرت ہو، بیان کیا جائے تو جھٹ اس کا انکار کر بیٹھیں گے اور اسے خرق عادت قرار دیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام معجزہ کہا جاتا ہے، فی الواقع آیت ہے۔ جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں جن کو فہم کی نارسائی یا عدمِ تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو کیا کشتی نوحؑ آیت الٰہی نہیں؟ غور سے معلوم ہوگا کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں جس نے طوفان زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپالیا ہو، ایک معمولی کشتی کا بچ رہنا اس کی سواریوں کا جانبر ہونا جیسا کہ قبل ازیں ان کو یقین بھی دلایا گیا تھا، حقیقتاً آیت ہے۔

کیا شب و روز کا وجود آیت نہیں؟ رات، اس کی تاریکی، اس کی دہشت، اس کا سکون، رات کو چرند و پرند، انسان و حیوان کا طبعاً استراحت پذیر ہو جانا، کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں۔ دن، اس کی روشنی، اس کی تجلی، اس کے اشغال، زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے کا اپنے اپنے مساکن سے نکلنا، طلب روزی وغیرہ کا انہماک، کیا قدرت کا نشان نہیں؟

کیا انسان کا مٹی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں؟ انسان اپنے لیے ہر ایک چیز مٹی سے بناتا ہے یا ہر ایک چیز مٹی سے پاتا ہے۔ معدنیات، فلزات، جواہرات، اینٹ، پتھر، سیم و زر، گھاس پات، رزق و فواکہ، مکان و ایوان سب کچھ مٹی ہی کے ہیں۔ اگر انسان خود مٹی کا نہ ہوتا تو مٹی میں اس کے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں؟ دن صاف نکھرا ہوا ہے، ہوا ٹکی ہوئی ہے، اتنے ہی میں کون سی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کر دیتی ہے۔ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے۔ بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں، آبادی پر چھا جاتے ہیں، ٹکراتے ہیں، غراتے ہیں، گویا بیسیوں شیر ہیں جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں۔ انسان کے بچے سہم رہے ہیں، دہل گئے ہیں۔ لوگ کاروبار کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوندنے لگتی ہے۔ وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل جاتی ہے۔ مسافر ڈرتا ہے اور زمیندار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے کہ اب خوب برسے گا، غلہ آئے گا، قحط ٹوٹے گا، قرض ادا ہو گا۔ بیٹے بیٹی کا فرض بھی اتار سکوں گا۔

ایک ہی چیز ہے جس نے خوف و طمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیے ہیں۔ اب وہی بجلی ہے جو ٹیلی گراف میں کام کرتی ہے، جو لاسلکی اخبار کے لیے تجربہ میں آچکی ہے۔ وہی بجلی ہے جس نے رَومٹجنن [ایکسرے] بن کر گوشت کے نیچے چھپے ہوئے اعصاب اور استخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھلائے گی اور کن کن علوم میں ''آیت'' بن کر درخشاں ہو گی۔

کیا اس زمین کا قیام آیت نہیں؟ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے تو اس کا بہ عہد ماضی سورج ہی کا جزو اور جزو ہو کر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا اور پھر اس گرمی و درخشندگی سے قطعی جدا ہو کر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جانا دوسرا نشان ہے۔ کیا یہ نشان لاٹھی سے سانپ اور سانپ سے لاٹھی کے نشان سے کم ہے؟

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں۔ ہزار در ہزار، ثوابت و سیّار کا مقررہ دَور، مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا، موسموں کا تغیر اور لیل و نہار کا انقلاب ظہور میں آنا، کیا آیت نہیں؟

ہاں! قدرت الٰہیہ کی ہر شے آیت ہے اور جب عوام کے اذہان و افہام اسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو انبیائے کرام کے بیان سے ان کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

مجھے ان سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں جن کا ثبوت قطعی ہو، اگرچہ کسی سائنس دان کا فہم اس کی علّت واسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (غیر مادی) میں جس قدر خواص پیدا کیے ہیں ان سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے۔ وہ کیمیاوی تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے یا ہوا کو پانی بنادے، ان کے علم و تجربہ میں ہوتی ہیں۔ نیز ان کا علم اور تجربہ اور تدبیر اہلِ دنیا کی طرح آلات یا مشق یا تدریجی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیاء کو قریب بہ فہم کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کُنْ فَیَکُوْنُ ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت، انبیاء اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدۂ بارگاہ ربانی ہونا عوام پر بھی ثابت کر دے تب اسی طاقت و قدرت کو انبیاء اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیت الٰہی کہتے ہیں اور اسی کو معجزات۔

نبی ﷺ کے چند معجزے

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبیؑ کے معجزات سے ان کی تعداد بھی افزوں ہے اور ندرت میں بھی ان کا شان اعلیٰ ہے۔ ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اہلِ ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دل نشین ہو جائے۔ میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے اس وقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

۱-نَبعُ الْمَآء: پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ (البقرۃ۲:۶۰) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کی سیرابی کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا کہ پتھر کو اپنا عصا مارو تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

سورہ اعراف رکوع ۲۰ [۷:۱۶۰] میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۂ اعراف میں فَانْبَجَسَتْ ہے اور بقرہ میں فَانْفَجَرَتْ ہے۔ لفظ اِنْبِجَاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا اور لفظ اِنْفِجَارٌ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہہ نکلا تھا۔

آیاتِ بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے، تب لوگ نبی اللہ کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اس وقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراۃ کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابانِ سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا۔ کتاب مذکور میں ۱۲ چشموں کا عصائے موسیٰؑ کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا بلکہ ظاہر کیا ہے کہ مقام ایلیم میں ان کو وہ جگہ مل گئی جہاں پانی کے بارہ چشمے اور ستر درخت کھجور کے تھے۔ (خروج ۱۵/۲۷)

اہلِ اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشّاق ہیں انھوں نے معجزۂ موسویؑ کی تاویل اس طرح کر دی کہ پہاڑ میں سے پانی کا رسنا، بہنا ایک معمولی امر ہے۔ کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹ سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔ جب موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھریلی زمین میں دبے ہوئے چشموں کا نشان بتلا دیا۔ چشموں کو عصا سے پھر نکال لیا گیا اور چشمے بہنے لگے۔

یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو مگر نفی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰؑ کے فعل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلّمہ رہتا ہے۔

اب عہد سرور کائنات ﷺ کی فضیلت بھی آشکار ہو جائے۔ پتھریلی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے۔ واضح ہو کہ فورانِ ماء و فیضانِ آب کے واقعے نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

۱-(محرم ۷ھ) حضرت جابرؓ سے صحیح مسلم میں بصراحت مذکور ہے کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع اور وادی افیح[1] میں تھے کہ نبی ﷺ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ جابرؓ ڈھونڈھ آئے۔ لشکر میں ایک قطرہ نہ ملا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے جابرؓ اس انصاری کے پاس پہنچے جو حضور ﷺ کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔

وہاں بھی دیکھا، تو ایک پرانی مشک (شجب) کے دہانہ پر ایک قطرۂ آب نظر آیا۔ پس حکم دیا: وہی لے آؤ۔ پھر کاٹھ کا کٹہرہ منگایا گیا۔ نبی ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ جابرؓ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرۂ آب اس بحر سخا کے دست مبارک پر ڈال دیا۔ جابرؓ کی عینی شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹہرے کو بھی چکر دے دیا۔ سب کو بلایا گیا اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا لیا تب بھی وہ کٹہرہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔[2]

رحمۃ للعالمین ﷺ جلد [اول] کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس غزوۂ میں چار سو غازی ہمرکاب مصطفوی ﷺ تھے۔

---

[1] أُفَيح [کی جمع] أُفُح ہے۔ محتمل ہے کہ اس وادی کا اسم ہے یا صفت۔

[2] [مسلم، كِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ حَدِيثِ جَابِرٍ الطَّوِيلِ، ح۷۵۱۹]

۲-(ذی قعدہ ۶ھ) صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ الشہید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک رکوہ (کوزہ) میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ پانی نہ وضو کے لیے ہے نہ پینے کے لیے۔ بس یہی کوزۂ آب ہے جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کوزہ میں ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی حضور ﷺ کی انگلیوں میں سے پھوٹ پڑا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابرؓ نے سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔[1]

۳- مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابرؓ نے بیان کیا ہے، جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ چونکہ حدیبیہ میں نبی ﷺ کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا اس لیے جمع بین الاحادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اس کے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی۔ تب نبی ﷺ اس چاہ پر تشریف لے گئے جس کا نام حدیبیہ تھا اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت بالا میں ہے:

فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَفِيْرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا[2] یعنی نبی ﷺ چاہ کی مڈیر پر آ بیٹھے۔ پانی منگایا، کُلی کی اور چاہ میں ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے اور سیراب ہوئے۔ ڈیڑھ ہزار کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو براءؓ سے بھی روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثُمَّ اِنَّهَا اَصْدَرْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا[3] امام احمد کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ کا پانی اُبل پڑا۔ ہم سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہ نکلا۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ، ۴۱۵۲]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح ۳۵۷۷]

[3] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ، ۴۱۵۰]

۴-(۹ ہجری) عمران بن حصین [1] سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے۔ [2] صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی، کیونکہ سب سوتے رہ گئے تھے۔ مجھے نبی ﷺ نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ ہم کو سخت پیاس لگی۔ راہ چلتے ہوئے ہم کو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانی اس گاؤں سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے۔ صحابہ اس عورت کو نبی ﷺ کے پاس لے گئے۔ وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ یتیموں کی ماں ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھو دیا۔ فَمَسَحَ عَزْلاوَيْن پانی بہ نکلا۔ چالیس صحابہ نے جو سخت پیاسے تھے، سیر ہو کر پانی پی لیا اور مشک، مشکیزے جتنے ساتھ تھے وہ بھی بھر لیے۔ (اونٹوں کو وہ پانی نہیں پلایا۔) عمران کہتے ہیں کہ اس وقت وہ مشکیزے پانی سے ایسے بھرے بھرے دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑیں گے: وَهِيَ تَكَادُ تَنْقَضُّ مِنَ الْمَآءِ

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جادوگر کو مل کر آئی ہوں، یا اسے نبی کہنا چاہیے، جیسا کہ اس کے ساتھیوں کا یقین ہے۔ اس عورت کی اس اطلاع پر یہ دُور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ بھی اسلام لے آئی۔ [3]

عجب معجزہ ہے کہ دیکھنے والی اس وقت غیر مسلمہ ہے اور حضور ﷺ کا ذکر اَسْحَرُ النَّاسِ کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے، مگر سننے والی قوم فوراً اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ سحر میں یہ طاقت کہاں کہ پیاسے سیر بھی ہو جائیں اور مشک مشکیزے بھی پُر کر لیں۔

---

[1] یہ قومِ خزاعہ سے ہیں اور فضلائے صحابہ میں سے۔ سنہ [فتح] خیبر میں مسلمان ہوئے۔ ۵۸ھ بمقام بصرہ وفات پائی۔

[2] معارج النبوۃ میں اسے سفرِ تبوک بتایا گیا ہے۔

[3] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح ۳۵۷۱۔ مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، بَابُ قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْفَائِتَةِ، ح ۱۵۶۳]

سحر اور معجزہ میں فرق

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ ساحر قوتِ مسمریزم سے ناظرین کی قوتِ متخیلہ پر اور نظر پر اثر ڈالتا ہے اور ایسا ''معمول'' [جس پر عملیات کی جائیں] کسی شے کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور شے سمجھنے اور دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہ تغیر صرف دیکھنے والے ''معمول'' کی نگاہ اور تخیل میں ہوتا ہے۔ ورنہ وہ شے جوں کی توں اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔ سحر کی قریب تر مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک رسی کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے اور اپنی اس سمجھ کی وجہ سے اس پر آثار خوف وہراس وغیرہ ویسے ہی طاری ہو جاتے ہیں جیسے اصلی سانپ کی موجودگی سے ہوتے، حالانکہ وہ رسّی رسّی ہی ہوتی ہے اور اس ڈرپوک پر وہ بذات خود کسی طرح موثر نہیں ہوتی۔ انبیاء کے معجزات میں حقیقت اصلیہ ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کو ساحر سے بلند وارفع واعلیٰ اور پاک وبرتر ثابت کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ساحرانِ موسیٰؑ کا قصہ موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فن میں کمال رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۔(الاعراف۱۱۶:۷) اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى [۲۰:۶۶] ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں۔

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا؟ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ ۔(الاعراف۱۱۶:۷) لوگوں کو ڈرا دیا۔ بس ساحروں کی سب سے بڑی کائنات یہی تھی کہ لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر ڈرا دیا۔

پھر موسیٰؑ کو حکم ہوتا ہے وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔ وہ اژدہا بن جاتا ہے اور جادوگروں کی سب لاٹھیوں اور رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ اگر معجزہ موسویؑ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اژدہا نظر آنے لگ جاتا تو ساحروں کے دلوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوتا جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا۔ یعنی اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ (یہ تمہارا بڑا گرو ہے) مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے

کہ موسیٰ کا کام حد سحر سے بالاتر ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ منوں رسیاں اور سیکڑوں لاٹھیاں موجود نہیں ہیں اس لیے ثعبان موسوی کا ان رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر جانے کا نظارہ صرف تخیل ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا اور بہترین صداقت رکھتا تھا۔ اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تائب ہو گئے۔ موسیٰ کا کلمہ پڑھ لیا۔ وہ انکشافِ حقیقت کے بعد نہ فرعون کی پھانسی سے ڈرے اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب ان کو اسلام سے مرتد کر سکا۔ رحمتِ الٰہیہ کو دیکھیے کہ یہ ساحر جب میدانِ مقابلہ میں آئے تھے اس وقت بارگاہِ روحانیت کے مقہور و مخذول تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستانِ رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔

یہی حال اس عورت اور اس کے قبیلے کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔ حدیث بالا کو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ ہم نے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔ بیہقی کی روایت میں اس قدر اور مستزاد ہے کہ راویانِ حدیث کو خود نبی ﷺ نے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اس طرف کو جاؤ۔ تمہیں ایک ایسی ایسی عورت ملے گی۔[1] اندریں صورت یہ روایت نہ صرف ایک معجزہ پر، بلکہ ایک اور پیشین گوئی پر بھی (جو اقسام معجزہ میں سے ہے) مشتمل ہے۔

۵- صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آ گیا۔ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے، باقی رہ گئے۔ نبی ﷺ کے لیے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں نبی ﷺ کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا۔ اسی پانی سے ۸۰ سے زیادہ لوگوں نے وضو کر لیا۔[2]

---

[1] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ لِلْبَيْهَقِيِّ، بَابُ ذِكْرِ حَدِيثِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، ج۴، ص۲۷۶]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۷۵۔ مسلم: كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابٌ فِي مُعْجِزَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ح۵۹۴۱]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس پیالے میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں میں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ یہ واقعہ مقام قباکا ہے۔[1] صحیحین میں انس بن مالکؓ سے ایسی ہی روایت مقام زوراء کی بابت بھی ہے کہ حضور ﷺ نے پیالہ میں ہاتھ رکھ دیا اور پنجہ مبارک سے پانی بہ نکلا۔ اس روز حضور ﷺ کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو کس تھی۔[2]

۶- صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعودؓ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور ﷺ نے برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور پانی حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا اور نبی ﷺ نے زبانِ مبارک سے فرمایا: حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارِكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ [آجاؤ، یہ بابرکت پانی ہے۔ اس کی برکت اللہ کی طرف سے ہے۔]

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔[3]

نبی ﷺ نے اس پانی کو طہور اور مبارک فرمایا ہے۔ علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ برکت وعزت میں آبِ زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا جو حضور ﷺ اقدس کی انگلیوں میں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں اور روایت کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ انگشتانِ مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے، بکثرت ہوئے، بے شک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طول و طویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس بے سروسامانی کی حالت میں جو بعہد نبوی اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی، ضرور تھا کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہدِ موسویؑ میں نزولِ مَنّ اور حصولِ سلویٰ کی

---

[1] [دلائل النبوۃ، بَابُ ذِكْرِ خُرُوجِ الْمَاءِ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ج۴، ص۱۲۱]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۷۲۔ مسلم: كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابٌ فِي مُعْجِزَاتِ النَّبِيِّ ﷺ، ح۵۹۴۳]

[3] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۷۹]

صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی معجزہ نبوی ﷺ کا درجہ عہدِ موسویؑ کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا ہوا ہے جس قدر بقائے حیات میں پانی درجہ بعام پر فائق ہے۔

میں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی ﷺ کے اس معجزہ اور اس خصوصیت لاثانی کی خبر بھی انبیائے پیشین کے مبارک کلام میں دے دی گئی تھی۔ یسعیاہ میں ہے:

خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائے گا۔ [۴۳/۲۰-۱۹]

ہم کو ان الفاظ کی تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ فی الواقع ان خشک میدانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا: نَبْعُ الْمَآءِ کے معجزات متواترہ نے چشمے جاری کر کے دکھلا دیے تھے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

۲-دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شے کا درجہ ہے وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کیے گئے اور حضور ﷺ نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا اور جبرئیل امینؑ نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا: اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ حضور ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ اسی لیے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔

انسان کا ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے، مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کی رضاعت شراب سے ہوئی ہو۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دودھ فطرتِ انسانی کا راز دار ہے۔ داعیٔ ایمان و ہادیِ اسلام ﷺ نے اپنی اُمت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا اور ان کے لب و کام کو معجزانہ دودھ سے بھی ذوق آشنا بنایا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

اوّل: امام بخاریؒ نے [کتاب الرقاق میں] ایک باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ اور حضور ﷺ کے اصحابؓ کی گزران کا کیا حال تھا۔ اس باب میں ابوہریرہؓ کی حدیث بیان کی ہے جو معجزات نبوی ﷺ کی بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے کہ سرورِ کائنات و فخرِ موجودات ﷺ کی حیات طیبہ اس دنیا میں کیسی زاہدانہ تھی۔

۱- ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ بھوک کے مارے کہ میں جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا، کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں سرِ راہ آ بیٹھا، جہاں سے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ابو بکرؓ آئے اور میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمرؓ آ نکلے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی تھی کہ کچھ کھانے کو دیں گے۔ وہ بھی یونہی چلے گئے۔ اتنے میں ابوالقاسم ﷺ تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا: میرے جی کی بابت سمجھ گئے۔ میرے چہرہ کو تاڑ لیا۔ ارشاد فرمایا: ابوہریرہؓ ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضور ﷺ گھر میں گئے۔ وہاں حضور ﷺ نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے حضور ﷺ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: ابوہریرہؓ! جاؤ، اہلِ صفہ کو بلا لاؤ۔ اہلِ صفہ وہ لوگ تھے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا، جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا۔ یہ اَضْیَافُ الْاِسْلَام (اسلام کے مہمان) ہوتے۔ نبی ﷺ کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دے دیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرما لیتے تھے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا اہلِ صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہو گی۔ اگر مجھے مل بھی جاتا، مجھ میں کچھ سکت آ جاتی۔ اب دیکھیے، اس میں سے کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ یہی خیالات تھے اور اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ میں سب کو بلا لایا۔ سب آ کر بیٹھ گئے۔ مجھے رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دیتا جاتا تھا۔ جب ایک شخص پی پی کر سیراب ہو جاتا تب میں دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسی طرح سب سیر ہو گئے، تو میں نے آخر میں نبی ﷺ کے سامنے پیالہ پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے لے کر اسے دستِ مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے، فرمایا: ابوہریرہؓ! اب تو میں رہ گیا یا تو رہ گیا۔ میں نے کہا: حضور ﷺ سچ ہے۔ فرمایا: اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا۔ فرمایا: اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ پھر حضور ﷺ یہی فرماتے رہے: پیو، پیو۔ آخر میں نے عرض

کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب تو گنجایش بالکل نہیں رہی۔ فرمایا: لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر کیا۔ بسم اللہ پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔[1]

یہ حدیث تو ایک ہے، لیکن آیات و علامات، نبوت کی، اتنی جامع ہیں کہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

۱- سرور عالم ﷺ و عالمیاں کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذا نام و نشان کو بھی نہیں۔

۲- کسی نے ہدیۃً کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔ پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں صرف ایک آدمی کے پی لینے کا۔

۳- نبی ﷺ اتنی سی خوراک پر ان سب کو بلا لیتے تھے جو گھر بار کو تج کر، جو اہل و عیال کو چھوڑ کر، جو مال و منال سے منہ موڑ کر دبستانِ نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات تو اخلاق محمدی ﷺ کے مظہر ہیں:

۴- اب آیات نبوت ملاحظہ ہوں کہ ہر ایک شخص نے سیر ہو ہو کر دودھ پیا اور پیالہ بھرا کا بھرا رہ گیا۔ ابو ہریرہؓ نے تو یہاں تک پیا کہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجایش ہی نہیں رہی۔

۵- کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی۔ ہر گز نہیں، لاکھ ہوتے تو کیا، اور دس لاکھ ہوتے تو کیا، سب ہی اس سے سیر اب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اسی میں تھی جس کی برکت و یمن سے وہ چیز سب کے لیے کفایت کر گئی تھی۔

۶- حدیث پر مکرر غور کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت کی روحِ رواں ہے۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ، ح ۶۴۵۲]

۷- ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے عجوبہ کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ذاتی کمالات میں شمار کرنے لگے۔ مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک و قادر کو یاد کیا کرتا اور جملہ عطیات کو اسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا جس کی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوتی تھی۔

دوم: سفرِ ہجرت میں نبی ﷺ کا گزر اُم معبد عاتکہ بنتِ خالد بن خلید خزاعیہ کے خیمے پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی، آئے گئے کو پانی پلاتی۔ کھجوریں وغیرہ بھی فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیقؓ تھے، جو حضور ﷺ کے ساتھ پچھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہیرہؓ[1] تھے، یا ابن اریقط تھا، جو اس راہ کا واقف تھا اور اسے اُجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پر ستانے، آرام لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے؟ وہ بولی: نہیں، اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کر دیتی۔ ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا۔

اُم معبد کے بھائی حبیش بن خالد (قَتِیلُ الْبَطْحَاءِ)[2] کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دُبلی کمزور بکری کھڑی ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ یہ کمزور بہت ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس لیے یہاں رہ گئی۔ نبی ﷺ نے کہا: اگر اجازت ہو تو ہم اسے دوہ لیں۔ وہ بولی: اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ پھر دودھ نکالا۔ برتن بھر گیا تو دوبارہ سب کو پلایا گیا۔ آخر میں نبی ﷺ نے پیا۔ سہ بارہ دودھ نکالا اور گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔[3]

---

[1] - یہ غلام تھے، اسلام لے آئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا تھا۔ ۴ ہجری کو واقعہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ ان کی لاش نہیں ملی۔

[2] فتح مکہ کے دن یہ حبیش اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے تھے اس لیے ان دونوں کو قتیل البطحا کہتے تھے۔

[3] حاکم وصححہ البیہقی وابن عبد البر وابن شاہین وابن السکن والطبرانی وغیرہم۔ (زرقانی، ج ۱، ص ۳۴۰)

آیت نبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی ﷺ نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا کہ رفقائے راہ کو حضور ﷺ پہلے سیر اب فرماتے ہیں اور خود سب کے بعد نوشِ جاں فرماتے ہیں اور اہلِ خانہ کے لیے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

۳۔ تکثیرِ بعام

تکثیرِ بعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا بعام بہت کے لیے کافی ہو جائے۔ انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا ظہور مسیحؑ سے بھی ہوا۔ انھوں نے چار روٹیوں اور تین مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔ نبی ﷺ کی آیاتِ نبوت میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔

۱۔ انسؓ کہتے ہیں کہ واقعۂ خندق کے ایام میں، میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے پیٹ کو باندھ رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اس حالت میں بھی حضور ﷺ اہلِ صفہ کو سورۂ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔ انسؓ نے اپنے باپ (شوہر والدہ)[1] کو جا بتایا۔ انھوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کیے ان کی والدہ نے آدھ سیر جو پیس لیے۔ روٹی پکائی کہ نبی ﷺ اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی سیر ہو سکتے ہیں۔ ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا، تب بھی کفایت سے کام چل جائے گا۔ انسؓ کو ماں باپ نے بھیجا۔ اچھی طرح سمجھا دیا کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلیے۔

---

[1] [حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ کے پہلے شوہر، یعنی حضرت انسؓ کے حقیقی والد مالک بن نضر حضرت انسؓ کے بچپن ہی میں مسلمان ہونے کی وجہ سے ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے اور وہیں وفات ہوئی تھی، یا کسی دشمن کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ ابو طلحہؓ حضرت ام سلیمؓ کے دوسرے شوہر تھے۔ ان کا نکاح حضرت انسؓ نے خود پڑھایا تھا۔ (مدوّن)]

انسؓ پہنچے تو نبی ﷺ انبوہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا: تجھے ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے؟ عرض کی: ہاں! فرمایا: کھانے کے لیے؟ عرض کی: ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! چلو ابو طلحہ کے گھر۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسؓ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو پوری جماعت کے ساتھ آرہے ہیں۔ یہ خاتون بلند پایہ سمجھ گئی کہ کیا ہوگا۔ بولی: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

نبی ﷺ کو ابو طلحہؓ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا کہ ایک ٹکیا موجود ہے۔ حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ (عُكَّه) گھی کی کپّی لے آؤ۔ کپّی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ نبی ﷺ نے انگشت مبارک سے روٹی چپڑ دی۔ روٹی پھولنے لگی۔ برتن سے اونچی ہوگئی۔ نبی ﷺ نے مردانہ مکان کھلوایا۔ روٹی رکھ دی اور زبان سے فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِيْهَا الْبَرَكَةَ دس دس آدمی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو ہو کر اٹھتے جاتے تھے اسی طرح اسّی افراد نے اس روز کھانا کھایا۔[1]

۲- جابرؓ کا بیان ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کی فصل آئی میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ چلے چلیں تاکہ قرض خواہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا: تم چلو۔ ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے تعمیل کردی۔ اتنے میں سرور عالم ﷺ آگئے۔ حضور ﷺ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر کر دیکھا اور بعد ازاں وہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا: قرض خواہوں کو بلاؤ۔ وہ آگئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور ﷺ نے کھجوریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ سب قرض دار نپٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا گویا ایک دانہ بھی اس میں سے کم نہیں ہوا۔

---

[1] فتح الباری۔ [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۷۸۔ مسلم، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ، بَابُ جَوَازِ اسْتِتْبَاعِهِ غَيْرَهُ إِلَى دَارِ مَنْ يَثِقُ بِرِضَاهُ، ح۳۵۱۶۔ مسند احمد، ج۳، ص۱۴۷، ح۱۲۴۳۰]

میں تو اتنے ہی پر خوش تھا کہ ساری پیداوار قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔[1]

۳۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ''سب قرض داروں کو چکا دینے کے بعد پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔ اس کا قرض ۳۰ وسق کھجور کا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں، انھیں یہودی لے لے۔ یہودی نے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ ایک بار ان ڈھیروں میں سے گزر گئے، پھر حکم دیا کہ یہودی کو ناپ ناپ کر دے دو۔ چنانچہ اس کے ۳۰ وسق پورے ہو گئے اور ۱۷ وسق ابھی اور بھی باقی رہ گئے۔'' عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ڈھیروں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈال دے گا۔[2]

۴۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ام مالک کے گھر ایک کپّی گھی کی تھی۔ وہ اس میں سے نبی ﷺ کے لیے گھی نکال نکال کر بھیجا کرتی تھی۔ اس کے بچے جب سالن مانگتے اور سالن نہ ہوتا تو اس کپّی میں سے گھی نکال کر ان کو دیا کرتی تو یہی طریقہ جاری رہا۔ ایک روز اُم مالک نے اس کپّی کو نچوڑ لیا۔ بعد ازاں اس میں سے گھی نہ نکلا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَوْ تَرَكْتِيهَا مَا زَالَ قَائِمًا اگر تم نچوڑ نہ لیتیں تو اس میں ہمیشہ گھی پایا جاتا۔[3]

۵۔ ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خبابؓ کی بیٹی سے روایت کیا ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔ نبی ﷺ ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دوہ جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا

---

[1] صحیح بخاری عن شعبی عن جابر [بخاری، كِتَابُ الْوَصَايَا، بَابُ قَضَاءِ الْوَصِيِّ دُيُونَ الْمَيِّتِ، ح ۲۷۸۱]

[2] شیخین بروایت وہب بن کیسان عن جابر [بخاری، كِتَابُ الِاسْتِقْرَاضِ، بَابٌ إِذَا قَاصَّ أَوْ جَازَفَهُ فِي الدَّيْنِ، ح ۲۳۹۶]

[3] [مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابٌ فِي مُعْجِزَاتِ النَّبِيِّ ﷺ، ح ۵۹۴۵]

برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خبابؓ واپس آ گئے، انھوں نے دودھ نکالا تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔[1]

۶- صحیح بخاری میں عبدالرحمن بن ابو بکر صدیقؓ کی روایت ہے کہ ایک سفر میں ۱۳۰ نفر نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب منزل پر اُترے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ایک صحابی کے پاس قریباً دو سیر آٹا تھا۔ وہ گوندھ لیا گیا۔ پھر ایک شخص ریوڑ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ اس سے ایک بکری خرید لی گئی۔ بکری کی کلیجی آگ پر بھون لی گئی اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔ بعدازاں وہی کلیجی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔ سب نے اسے سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی تو اسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا۔[2]

۴- نباتات پر اثر

حنینِ جذع [پیڑ کی فریاد]: حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں جو فراقِ محبوب میں اس کے منہ سے نکلے۔ جذعؔ کھجور کے کٹے ہوئے تنے کو کہتے ہیں۔ ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دواوین حدیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں اس روایت و رؤیتِ عینی کے بیان کرنے والے: سید القراء اُبی بن کعب (مات ۱۹ھ) و جابر بن عبداللہ الشہید (مات ۷۲ھ) و خادم الرسول انس بن مالک (مات ۹۲ھ) و عاشق السنہ عبداللہ بن عمر الفاروق (مات ۷۳ھ) و ابن عم النبی عبداللہ بن عباس (مات ۸۸ھ) و سہل بن سعد الساعدی (مات ۹۱ھ) و ابو سعید

---

[1] [یہ حدیث متن میں مذکورہ مقامات پر دستیاب نہیں ہو سکی البتہ مسند احمد میں موجود ہے۔ دیکھیے اسی فصل کا حاشیہ نمبر ۳۶۔ (مدوّن)]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، ح ۲۶۱۸]

بن مالک الخدری (مات ۷۸ھ) و بریدہ بن الخطیب سلمی (مات ۶۳ھ) وام المومنین ام سلمہ (ماتت ۵۹ھ) اور مطلب بن ابو رواعہ القرشی] ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر[1] نہ تھا۔ نبی ﷺ خطبہ کے وقت ایک کھجور کے خشک تُنڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد تمیم داری[2] نے نبی ﷺ کی اجازت لے کر باقوم نجار سے جو ایک انصاریہ کے غلام تھے، منبر تیار کرالیا۔ وہ تین زینہ کا تھا یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور کھجور کا تُنڈ حضور ﷺ کی ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا تب اس سے آواز گریہ آنی شروع ہوئی۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ[3] (یعنی وہ بچوں کی طرح چلایا) اور جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے: سَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ[4] (دس ماہ حاملہ اونٹنی کی سی آواز ہم نے اس کی سنی۔) نبی ﷺ منبر سے اترے، اس پر دستِ شفقت رکھا تو وہ چپ کر گیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اسے منبر کے متصل دفن کرادیا۔[5] (زیادہ تفصیل راقم کے سفر نامہ حجاز میں درج ہے۔)

---

[1] نبر، آواز کو بلند کرنا۔ منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔

[2] تمیم بن اوس بن خارجہ۔ دار ایک قبیلہ بن نجم کا قبیلہ ہے۔ قبل از اسلام یہ عیسائی عالم تھے۔

[3]-[بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح ۳۵۸۴]

[4]-[بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح ۳۵۸۵]

[5] [بخاری میں دو مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے، ایک درج بالا مقام اور دوسرا كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَابُ النَّجَّارِ، ح ۲۰۹۵۔ ان میں سے کسی مقام پر بھی دفن کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ (مدوّن)]

ابن ابی حاتم نے کتاب مناقب الشافعیؒ میں درج کیا ہے کہ امام شافعیؒ[1] نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ [کو اللہ تعالیٰ] نے جو عطیات عطا فرمائے تھے وہ کسی نبی کو نہیں ملے۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عیسیٰؑ کے معجزہ احیائے موتیٰ[2] کے بالمقابل حضور ﷺ کو کیا عطا ہوا تھا؟ امام نے

---

[1] محمد بن ادریس القرشی المطلبی۔ یکے از ائمہ اربعہ۔ ولادت ۱۵۰ھ، وفات ۲۰۲ھ۔ مصر میں مدفون ہیں۔ از روئے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی ﷺ سے یہی قریب تر ہیں۔

[2] کیا حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ احیائے موتیٰ عملاً رونما ہوا؟!] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اس معجزہ نمائی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ باذن اللہ کسی مردہ کا احیا فرما سکیں۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں ہے: وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۳:۴۹ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ کبھی عملاً اس کا ظہور بھی ہوا۔ معالم التنزیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰؑ نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا: (۱) عاذر، مسیحؑ کا دوست ہے، جسے تین دن کے بعد قبر میں سے نکالا۔ (۲) ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے جا رہے تھے اور لوگوں کے کندھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔ (۳) ایک چونگی کے محصول لینے والے کی بیٹی، ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑی تھی۔ (۴) سام بن نوح۔ واضح ہو کہ صاحب معالم نے اس روایت کو بلا سند روایت کیا ہے لہٰذا شیخین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔

[اناجیل اربعہ میں اس کا ثبوت] اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل اربعہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰؑ کا درج کیا ہے یا نہیں۔ (الف) لعنور کا ذکر صرف انجیل یوحنا میں ہے۔ وہ عورت کا بھائی ہے جس نے مسیحؑ کے قدموں پر قدرتی عطر اُنڈیل دیا تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یروشلم سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا اور اسی وقت مشہور گیا تھا۔ تعجب ہے کہ مصنفین اناجیل دیگر سے یہ واقعہ کیونکر پوشیدہ رہا۔ (ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر اناجیل میں مطلق نہیں۔ (ج) ابن عباس کی روایت میں جسے بنت العاشر کہا ہے اس کا ذکر لوقا مرقس نے کیا ہے اور اسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مر گئی اور مسیحؑ نے کہا کہ وہ نہیں مری۔ مسیحؑ ان کے گھر پر گیا، جہاں اور لوگ بھی تھے۔ مسیحؑ نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اٹھ بیٹھے۔ ہم مسلمان، مسیحؑ کے منہ کے لفظوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی نہ مری تھی بلکہ اس پر سکتہ یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیحؑ کی برکت سے اس نے شفا پائی۔ (د) سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی اناجیل میں نہیں۔ میرا مقصود اناجیل کے ان حوالہ جات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح کی قوت احیائے موتیٰ پر اناجیل خاموش ہیں اور ادھر شہادت اور روایت اور تواتر میں بڑھا ہوا واقعہ ''حنینِ جذع'' ہے۔

ہاں اناجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور نبوت والی روایت ہمارے دواوین میں بھی موجود ہے جسے طبرانی اور ابو نعیم وابن مندہ اور ابن ابی الدنیا نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کو امام ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں درج کیا ہے کہ زید بن خارجہ کا بعہد خلافت عثمانؓ ذوالنورین راہ چلتے ہوئے گر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عصر کے وقت ان کے کوچہ میں سے مردہ اٹھایا گیا اور گھر پہنچایا گیا۔ مغرب وعشا کا درمیانی وقت تھا، ان کی لاش سر پر رکھی ہوئی تھی، کپڑا پڑا ہوا تھا، گھر کی عورتیں جمع تھیں کہ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا کی آواز آئی۔ سب چوکنے ہو گئے کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آرہی تھی۔ مرد عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو انھوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صِدْقٌ صِدْقٌ. السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَرَحْمَتُهُ وَبَرَكَاتُهُ أَحْمَدُ أَحْمَدُ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ. صِدْقٌ صِدْقٌ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ الضَّعِيفُ فِي نَفْسِهِ الْقَوِيُّ فِي أَمْرِ اللهِ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صِدْقٌ صِدْقٌ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ. صِدْقٌ صِدْقٌ عُثْمَانُ عَلَى مِنْهَاجِهِمْ. مَضَتْ أَرْبَعُ سِنِينَ وَبَقِيَتْ سَنَتَانِ أَتَتِ الْفِتَنُ. وَأَكَلَ الشَّدِيدُ الضَّعِيفَ وَقَامَتِ السَّاعَةُ وَسَيَأْتِيكُمْ خَبَرُ بِئْرِ أَرِيسٍ وَمَا بِئْرُ أَرِيسٍ. (ان الفاظ کو شرح شفا مصنفہ ملا علی قاری اور کتاب الاستعیاب سے نقل کیا گیا ہے۔ [خط کشیدہ الفاظ الِاسْتِيعَابُ، حَرْفُ الزَّايِ، بَابُ مَنِ اسْمُهُ زَيْدٌ، ج ۱، ص ۵۴۲ پر موجود ہیں۔])

اللہ کے رسول محمد ہیں (ﷺ) وہ نبی اُمی ہیں اور انبیاء [کے سلسلے] کو ختم کر دینے والے ہیں۔ سچ مچ لوح محفوظ میں اسی طرح ہے۔ اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کا صلوۃ وسلام اور برکتیں ہوں۔ میں اللہ کی حمد کتاب اول میں کرتا ہوں۔ ابو بکر صدیقؓ جسم میں کمزور مگر اللہ کے حکم میں بہت مضبوط، کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ مچ عمرؓ قوی اور امین ہے۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ مچ عثمانؓ ٹھیک راستے پر ہے۔ چار سال نکل گئے۔ دو رہ گئے۔ فتنے اور مضبوط کو کمزور کا نگل جانا آپہنچا۔ قیامت قائم ہو گئی۔ تم کو چاہِ اریس کی خبر ملے گی۔ خبر بھی کیسی کچھ۔ (اس واقعہ میں بھی ایک پیشین گوئی موجود ہے جسے چاہ اریس کا واقعہ بتلایا ہے۔ نبی ﷺ کی انگشت پاک کی خاتم مبارک حضور ﷺ کے بعد صدیقؓ اور صدیقؓ کے بعد فاروقؓ کے بعد ذوالنورینؓ (درجہ بدرجہ) انتقال خلافت کے بعد پہنا کرتے تھے۔ آخر ایام خلافت میں ذوالنورینؓ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ خاتم [انگوٹھی] اس میں گر گئی اور تلاش کرنے سے پھر نہ ملی۔ اسی دن سے اختلال خلافت کا آغاز ہوا تھا۔ فقط واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندراجات انجیل سے ضرور بڑھ کر ہے۔ زید بن خارجہ، باپ بیٹا دونوں صحابی اور سرداران انصار میں سے ہیں۔ فقط۔

فرمایا کہ حنینِ جذع کا واقعہ موجود ہے جس کا تھرتھرانا (روایت نسائی [1]) اور رونا چلانا (روایت صحیحین وغیرہم) سے ثابت ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ احیائے موتیٰ سے مراد جسمِ موتیٰ میں اس وقت حیات کا اعادہ ہے جو شخصِ میت میں پہلے کبھی حاصل تھی۔ مگر گریۂ نخل [کھجور کا رونا] تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھرتھرانا، کپکپانا اور رونا ہے بلکہ فراقِ محبوب کا احساس اور فقدانِ شرف کا علم بھی اس کے اندر حاصل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے جو ایک کھجور کے ٹنڈ میں نظر آیا۔

امام حسن بصری [2] اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تو کہا کرتے تھے: اے دعویدارانِ بشریت! فراقِ رسول ﷺ میں ایک ٹنڈ کا یہ حال تھا تو اب اپنی حالتوں کا بھی اس سے مقابلہ کرو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعے کو قاضی عیاض و دیگر محدثین کرام نے مشہور و متواتر تسلیم کیا ہے۔ میرا فہم ناقص یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اس نخلہ کا دفن کرا دینا غالباً اسی لیے تھا کہ وہ صفاتِ انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ اس نکتہ کے بعد امام شافعیؒ کی دلیل میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

۵- حیوانات پر اثر

۱- صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ہم رکاب گیا تھا۔ میرا اونٹ رہ گیا تھا اور چل نہ سکتا تھا۔ نبی ﷺ مجھے راہ میں مل گئے۔ پوچھا: اونٹ کو کیا ہے؟ میں نے کہا: بیمار ہے۔ نبی ﷺ نے اونٹ کو ڈانٹا اور دعا بھی فرمائی۔ وہ سب سے آگے چلنے لگا۔

---

[1] [نسائی، كِتَابُ الْجُمُعَةِ.بَابُ مَقَامِ الْإِمَامِ فِي الْخُطْبَةِ، ح۱۳۹۷]

[2] امام حسن بصری ابو سعید ابو الحسن۔ یسار نام۔ ولادت ۲۱ھ۔ وفات یکم رجب ۱۱۰ھ

حضور ﷺ نے پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کر دیا کہ اب وہ اچھا ہے اور اسے حضور ﷺ کی برکت کا حصہ مل گیا ہے۔[1]

۲- صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بلایا۔ اس نے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہو گئی ہے کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور ﷺ نے اونٹنی کے ایک ایڑ لگائی۔ وہ سب سے آگے نکلنے لگی۔[2]

۳- مسند احمد میں خبابؓ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خبابؓ تو جہاد پر گئے ہوئے تھے، نبی ﷺ ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دوہ جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خبابؓ واپس آ گئے تو بکریوں کا دودھ بھی اتنا رہ گیا جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔[3]

۴- بیہقی نے جعیلؓ سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ میرے پاس ایک کمزور دُبلی سی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ نبی ﷺ مجھے آ ملے۔ فرمایا گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا: یارسول ﷺ اللہ! یہ تو دُبلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ نبی ﷺ نے اپنا چابک اسے لگایا اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِيْهَا پھر تو وہ ایسی تیز ہو گئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کے شکم کے دس، [بارہ ہزار] بچھڑے بھی فروخت کیے۔[4]

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ بَابُ بَيْعِ الْبَعِيرِ وَاسْتِثْنَاءِ رُكُوبِهِ، ح ۴۱۰۰]

[2] [السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۲۳۵، دلائل النبوۃ، ج ۵، ص ۴۵۰]

[3] [مسند احمد، ج ۶، ص ۳۷۲، ح ۲۷۱۴۲]

[4] [دلائل النبوۃ، ج ۵، ص ۴۴۹۔ راقم کے سامنے دلائل النبوۃ کا جو نسخہ ہے اس میں اثنی عشر الفاً یعنی بارہ ہزار کا لفظ درج ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس گھوڑی کی اپنی اور بالواسطہ ساری اولاد، بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ (مدوّن)]

۵-ابن سعد وابو یعلٰی [اور] ابن مندہ، بیہقی وابو نعیم اور حاکم نے (مع تصحیح) سفینہؓ سے جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت کی ہے کہ انھوں نے بحری سفر کیا۔ کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختہ پر بہتے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے، جس کے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا۔ میں نے کہا: او شیر! میں رسول ﷺ اللہ کا غلام ہوں۔ شیر دُم ہلانے لگا اور میرے برابر برابر چلتا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اس سے الگ ہوا تو وہ دھاڑتا تھا گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔[1]

۶-افلاک پر اثر (معجزۂ شقِ قمر)

نبی ﷺ کے اشہر معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علماءِ یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد (ﷺ) سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے؟ انھوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دے۔ اُمید ہے کہ محمد ﷺ کچھ نہ دکھلا سکے گا۔ انھی کی سکھلاوٹ سے کفار نے شقِ قمر کا سوال کیا تھا۔[2] احادیث شق القمر کے راوی عبداللہ بن مسعود، امیر المومنین علی مرتضیٰ، جبیر بن مطعم نوفلی، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر فاروقؓ ہیں۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ کی روایت ہے:

---

[1] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْخِيرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ الْأَسَدَ لِسَفِينَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ج٦، ص٤٥]

[2] مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہود نے موسیٰؑ کے سب سے بڑے معجزے فلق بحر سے شق قمر کا تخیل پیدا کیا تھا۔ وہ قطعاً جانتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ جیسا معجزہ دکھلانا ہی دوسرے کے لیے محال ہے، چہ جائیکہ ایسا معجزہ جو پہلے معجزہ کے مقابلے میں زمین اور آسمان کا فرق رکھتا ہو۔ فقط [مؤلف]

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِشْهَدُوْا [1] رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا اس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دیکھو گواہ رہنا۔

اس روایت میں لفظ اِشْهَدُوْا اس لیے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطورِ معجزۂ رسولِ اخیار واقع ہوا تھا ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنی؟!

انس بن مالکؓ کی روایت سے صحیحین میں ہے:

اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا [2] اہلِ مکہ (کفار) نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ نبی ﷺ نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے۔ کوہِ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعودؓ میں یہ بھی صراحت ہے کہ اِنْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ یعنی جب چاند پھٹا ہے تو اس وقت ابن مسعودؓ بھی مع دیگر صحابہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ التَّفْسِيرِ، بَابُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، ح۴۸۶۴۔ مسلم، كِتَابُ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ، بَابُ انْشِقَاقِ الْقَمَرِ، ح۷۰۷۱]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ آيَةً، ح۳۶۳۷، كِتَابُ مَنَاقِبِ الْأَنْصَارِ، بَابُ انْشِقَاقِ الْقَمَرِ، ح۳۸۶۸۔ مسلم، كِتَابُ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ، بَابُ انْشِقَاقِ الْقَمَرِ، ح۷۰۷۶]

[3] [بخاری، كِتَابُ التَّفْسِيرِ، بَابُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، ح۴۸۶۵۔ مسلم، كِتَابُ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ، بَابُ انْشِقَاقِ الْقَمَرِ، ح۷۰۷۲]

علیٰ ہذا بیہقی اور ابو نعیم نے جو روایت جبیر بن مطعمؓ سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ۔[1] ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اَجِلۂ صحابہ میں تین بزرگوں سیدنا علی و عبداللہ بن مسعودؓ، وجبیر بن مطعم نوفلیؓ کی شہادت چشم دید ہے اور عبداللہ بن عباس اور انس بن مالکؓ کی روایت مرسلِ صحابی[2] ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں، جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، ہر دو احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ وہ بھی چشم دید راوی ہیں۔[3] کیونکہ ان کے آخری لفظ یہ ہیں: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ۔ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: یااللہ گواہ رہنا (کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلا دیا ہے۔)

معجزہ کی توثیق

اس معجزہ کی توثیق قرآن مجید سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ لِلْبَيْهَقِيِّ، بَابُ سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ، ج۲، ص۲۶۸۔ دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ لِأَبِي نُعَيْمٍ، الْفَصْلُ السَّادِسُ عَشَرَ، بَحْثٌ: فَأَمَّا انْشِقَاقُ الْقَمَرِ... انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ، ج۱، ص۲۴۷]

[2] [اصولِ حدیث کی اصطلاح میں بالواسطہ ملنے ہونے والی روایت کو بلاواسطہ نقل کرنا ارسال کہلاتا ہے۔ مثلاً کوئی تابعی کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔ یوں مرسلِ صحابی کا مطلب یہ ہوا کہ صحابی نے ایک واقعہ خود نہیں دیکھا، بلکہ اسے کسی نے بتایا، مگر اس نے بلاواسطہ نقل کیا۔ (مدوّن)]

[3] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ۷۳ھ میں بعمر ۸۶ سال انتقال کیا۔ یعنی ان کی عمر ابتدائے ہجرت کے وقت ۱۳ سال کی تھی۔ ان کا اسلام اپنے والد کے ساتھ ۶ نبوت میں تھا اور واقعہ شق قمر ۹ نبوت کا ہے۔ لہٰذا شہادت چشم دید ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [القمر ۲-۱:۵۴]

وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔

علماء جانتے ہیں کہ قَرُبَ کے بجائے اِقْتَرَبَ کا استعمال وقوعہ کی تاکید کے لیے ہے۔ السَّاعَةُ سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں، جیسا کہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔ خواہ السَّاعَةُ سے مراد وہ وقت مقررہ ہے جو علم الٰہی میں واقعہ شق قمر کے لیے تھا۔ اس معنی کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے:

۱-لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً۔ [یونس ۴۵:۱۰] ۲-مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ [الروم ۵۵:۳۰]

لیکن ان مقامات پر سَاعَة معرف بالام نہیں۔

شبہات اور ان کا ازالہ

شبہ کرنے والے بیانِ شبہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا بلکہ روایت انسؓ میں لفظ اَرَاهُمْ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑوں میں ہو جانا دکھلا دیا گیا تھا۔

کاش! یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ اَرَاهُمْ سے پہلے کے الفاظ سَأَلُوْا اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً کو دیکھ لیتے۔ کیا کفار کا سوال بھی یہی تھا کہ "چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو مگر ہم کو شق شدہ نظر آ جائے۔" یقیناً ان کا یہ سوال نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اَرَاهُمْ تو اسی يُرِيَهُمْ کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسروں کا شبہ یہ ہے کہ یہ تو زمانِ مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جائے گا لیکن اِقْتَرَبَتْ اور اِنْشَقَّ دونوں لفظ صیغہ ماضی کے ہیں، اور مزید برآں خود کفار نے اسے دیکھ کر کہا ہے۔ اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا تو وہ اس واقعہ کو سحر مستمر سے کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک وشبہ پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے۔

پرانے زمانے کے متشکک، جو دقیانوسی ہیئت سے روشنی گیر تھے، خرق و التیامِ اجرامِ سماوی کے امکان وعدمِ امکان پر بھی بحث کیا کرتے تھے لیکن اب نہ ان کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان، اس لیے وہ اعتراضات بھی پادارِ ہوا ہو گئے۔

کاش! ان لوگوں کو زلزلۂ ارضی سے سبق ملتا کہ کس طرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور کیوں کر وہی غار دوسرے جھٹکے میں پھر ہموار شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے زمانے میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو تب صحیح ہوتا جب ان کے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جاتیں۔ جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو، جہاں واقعاتِ ملک و قوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو، ان کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے۔

مصریوں کو دیکھو یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں، مگر ان کی کتابوں میں واقعاتِ موسیٰؑ کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعاتِ ارضی سے خالی ہو، ان سے یہ توقع کہ ان کے ہاں جملہ واقعاتِ سماوی بھی ضروری درج ہونے چاہئیں کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

ہاں، یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھیے کہ وہ کتاب یشوع ۱۰/۱۳-۱۲ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں:

"[۱۲] یسوع نے کہا: اے آفتاب جبعون پر ٹھہرا رہ اور اے ماہتاب تو وادی ایلون کے مقابل[۱۳] تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔ قریب دن بھر کے سورج پچھم کی طرف مائل نہ ہوا۔"

کیوں جناب! سورج اور چاند کا ۱۲ گھنٹے کے لیے اپنی رفتار سے رک جانا کس قدر عجیب ہے۔ شق القمر کا واقعہ تو رات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سو رہے ہوں گے۔ ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہوں گے لیکن سورج کا ۱۲ گھنٹے رُک جانا تو سارے جہان میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی مگر اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا اور بایں ہمہ آپ اس واقعے کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے وقوع پذیر ہوا ہو تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اوقات کیا تھے۔ یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔ [مؤلف]

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	۱۲	۵۰-شب	انگلستان، آئرلینڈ، فرانس، بیلجیم، اسپین، پرتگال، جبل الطارق، الجیریا	۶	دن
ماریشس	۱۱	۲۰-شب	ریاست ہائے ملایا	۷	۵۰-دن
رومانیہ، بلگیریا، ٹرکی، یونان، جرمنی، لکسمبرگ، ڈنمارک، سویڈن	۸	۲۰-دن	پیرو تہامہ، جمیکا، بھامن، امریکہ	۱	۲۰بعد نیم شب
آئیس لینڈ، مڈیریا	۵	۲۰-دن	سموا	۶	۲۰-دن
مشرقی برازیل	۲	۲۰بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	۶	۵۰-دن
متوسط برازیل و چلی	۲	۲۰بعد نیم شب	تسمانیہ، وکٹوریہ نیو ساؤتھ	۵	۲۲-صبح
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰-قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	۴	۵۰-صبح
کولون	۹	۲۴-قبل دوپہر	جاپان، کوریا	۴	۲۰-بعد دوپہر
برہما	۱	۵۰بعد نیم شب	مغربی آسٹریلیا، شمالی بورینو، جزائر فلپائن، ہانگ کانگ، چین	۳	۲۰-بعد دوپہر
سمالی لینڈ مڈغاسکر	۱۰	۲۰-شب	جزائر سنڈوک	۲	۲۰بعد نیم شب

معجزات از قسم پیشین گوئی

تمہید

عہدِ مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا [لقمان۳۴:۳۱] کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔

لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔[الکھف۲۶:۱۸] علمِ غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے۔

رب العالمین ہی اپنے بر گزیدہ انبیاء ورُسل پر علمِ غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے، جس کی اُن کو ضرورت ہوئی، یا جس کی ضرورت اُن کی صداقت ورسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔[الجن۲۷-۲۶:۷۲] وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہو۔

معجزاتِ مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک واوہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں، مگر اخبارِ مستقبلہ کی اطلاعِ صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے لہٰذا یہ بھی معجزات میں داخل وشامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک اظہارِ اخبارِ غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزولِ وحی سے پیشتر حضور ﷺ پر رؤیائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور ﷺ پُر نور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے، بیداری میں وہ واقعہ اُسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔[1]

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر سورۃ اقرأ۔۔۔ح۴۹۵۳۔ مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ح۴۰۳]

انبیاءؑ کے رؤیا کو دیگر اکابر صالحین کے رؤیا پر یہی فوقیت ہے کہ اَوروں کے خواب تمثیلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں، مگر انبیاء کے رؤیا میں جلوۂ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبحِ پسر کے متعلق امام الخلائق حضرت ابراہیمؑ کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضورؐ اپنے فرزند اسماعیلؑ سے فرماتے ہیں:

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ [الصّٰفّٰت ۱۰۲:۳۷] پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تم غور کرو کہ اس میں تمہاری رائے کیا ہے؟

خلیل الرحمن کا فرزند، ذبیح اللہ کا منصب پانے کا آرزومند نبی بن نبی جواب دیتا ہے:

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ [الصافات ۱۰۲:۳۷] بزرگ باپ جو حکم آپ کو ملا ہے اُس پر عمل کیجیے۔

غور کرو کہ صورتِ مرئیۂ منام کا نام انھوں نے امر الٰہی رکھا ہے۔ چنانچہ اُس کی تعمیل ٹھیک اسی صورت میں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بھی ایک خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۙ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۙ [الفتح ۲۷:۴۸] اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا کہ تم ان شاء اللہ کعبہ میں داخل ہو گے۔ اُس وقت بعض مسلمانوں نے سر منڈوائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق و قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔ خواب کے بعد نبی کریم ﷺ کے وہ مشاہدات اور اعلامات ہیں جن میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر دنیا کو مطلع فرمایا ہے۔ عنوان بالا کے تحت ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالاختصار کرتے ہیں۔

۱-آنے والے واقعات کی خبر

حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ نے ہر ایک بات جو قیامت تک ہونے والی تھی، بیان فرمادی۔ جسے یاد ہے اُسے یاد ہے، جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ میرے سامنے [جب بھی] ایسا واقعہ آجاتا ہے جو میں بھول چکا ہوں تو اُسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں۔ جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اُسے پہچان لیا کرتے ہیں۔[1] صحیح مسلم بروایت ابوذرؓ روایتِ بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد نمازِ ظہر تک خطبہ فرمایا۔ نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔ غروبِ شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تا قیامت کا ذکر فرمایا تھا۔ جسے وہ خطبہ زیادہ محفوظ رہ گیا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔[2]

۲-ایک صدی کے دوران پیش آنے والے واقعات کی خبر

(۱) جہاد بحری کی اطلاع

انسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ نے ام حرامؓ کے گھر میں آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو حضور ﷺ ہنس رہے تھے۔ اُم حرامؓ نے وجہ پوچھی۔ فرمایا: مجھے میری اُمت کے وہ غازی دکھلائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے ملوک اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ اُم حرامؓ نے عرض کی کہ میرے لیے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اُن میں شامل فرمائے۔ حضور ﷺ نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ فرمایا: مجھے میری اُمت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد

---

[1] صحیح بخاری و مسلم [بخاری، كِتَابُ الْقَدَرِ، بَابٌ وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَقْدُورًا، ح٦٦٠٤۔ مسلم، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ أَخْبَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، ح٧٢٦٣]

[2] [مسلم، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ أَخْبَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، ح٢٧٦٨]

کرنے والے دکھلائے گئے۔ اُم حرامؓ نے کہا: دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا: نہیں، تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہؓ کے زمانے میں جب عبادہ بن صامتؓ بحری جہاد کو گئے تو یہ اُم حرامؓ بھی اپنے شوہر کے ساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرامؓ کے لیے سواری لائی گئی۔ وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری اور اُن کا انتقال وہیں ہو گیا۔[1]

(۲)[بدامنی میں امن کی] پیشین گوئی

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا اُس نے ڈکیتیوں کی شکایت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہو گی۔ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ [بنو] طی کے ڈکیت کدھر چلے جائیں گے، جنھوں نے تمام بستیوں کو اُجاڑ رکھا ہے۔)

(پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولوگے۔ میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ (پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لیے ہوئے پھرے گا اور اسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم [بخاری، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابُ غَزْوَةِ الْمَرْأَةِ فِي الْبَحْرِ، ح۲۸۷۸۔ مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ فَضْلِ الْغَزْوِ فِي الْبَحْرِ، ح۴۹۳۴]

عدی کہتے ہیں کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا جو کوفہ سے اکیلی حج کو آئی تھی اور اللہ کے سوا اُسے کسی اور کا خوف نہ تھا۔ اور خزائنِ کسریٰ کی فتح میں تو میں شامل تھا۔ تیسری بات بھی تم اے لوگو! دیکھ لوگے۔[1]

امام بیہقی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہوگئی کہ زکوۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔[2]

(۳) فتوحاتِ ممالک کے متعلق پیشین گوئی

بیہقی وابو نعیم نے براء بن عاذبؓ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر نکل آیا، جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی ﷺ سے یہ حال عرض کیا۔ حضور ﷺ نے پتھر کو دیکھا، کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اُس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْفَارِسِ وَاللّٰهِ لَاَبْصُرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْيَضَ۔ مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر پھر ٹوٹ گیا۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ۔ مجھے ملک شام کے خزانے یا کنجیاں عطا کی گئیں۔ بخدا میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو ابھی دیکھ لیا ہے۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنِّيْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَبْصُرُ اَبْوَابَ صَنْعَآءَ مِنْ مَّكَانِيْ السَّاعَةِ۔ مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ واللہ میں یہاں سے اس وقت شہر صنعا کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔[3]

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۹۵]

[2] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ۳۲۳/۶، ۴۹۳]

[3] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، بَابُ مَا ظَهَرَ فِيْ حَفْرِ الْخَنْدَقِ مِنْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ وَآثَارِ الصِّدْقِ، ۴۲۱/۳]

یہ پیشین گوئی اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر حملہ آور ہو رہے تھے اور اُن سے بچاؤ کے لیے شہر کے گرد اگرد خندق کھودی جا رہی تھی۔ ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بحرف پورا فرمایا۔

(۴) فتح مصر کی پیشین گوئی

نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ اَرْضًا يُّذْكَرُ فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَيْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّرَحِمًا فَاِذَا رَاَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يُقَاتِلَانِ عَلٰى مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا[1] تم عنقریب اُس ملک کو فتح کر لو گے جہاں سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا، کیونکہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں۔ (پھر ابوذر سے فرمایا) جب تم دیکھو گے کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں، تب وہاں سے چلے آئیو۔

ابوذرؓ نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی اور یہ بھی دیکھا کہ ربیعہ اور عبدالرحمن بن شرحبیل اینٹ برابر زمین کے لیے جھگڑ رہے ہیں، تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا کی تفسیر بیہقی و ابونعیم کی حدیث عن کعب بن مالکؓ میں موجود ہے کہ ہاجرہ اُم اسماعیلؑ اور ماریہ قبطیہ اُم ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ مصریہ ہیں۔[2] حدیث بیہقی و ابونعیم میں ملکِ مصر کا نام صراحتاً ہے۔

(۵) عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیشین گوئی

نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسلم، ابی ذر [مسلم، كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، بَابُ وَصِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ بِأَهْلِ مِصْرَ، ح ۶۴۹۳]

[2] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ: وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ۳۲۲/۶]

مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دِرْهَمَهَا وَقَفِيْزَهَا وَمَنَعَتِ الشَّامُ مُدَّهَا وَدِيْنَارَهَا وَمَنَعَتْ مِصْرُ اَرْدَبَهَا وَدِيْنَارَهَا وَعُدْتُّمْ مِنْ حَيْثُ بَدَأْتُمْ[1] عراق نے اپنے درہم وقفیز کو، شام نے اپنے مدودینار کو اور مصر نے اپنے اردب ودینار کو روک لیا، اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے جیسے شروع میں تھے۔[2]

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا ہے، حالانکہ اس کا تعلق عہدِ مستقبل سے تھا، اس لیے کہ حکم الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اُس زمانے کے متعلق پیشین گوئی ہے، جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور دمشق میں سلطنت امویہ کا قیام ہو گیا تھا کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالیہ نہ بشکل سکّہ اور نہ بشکل جنس کبھی حجاز کو حاصل ہوا۔ پیشین گوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح پر چلی آتی ہے۔

(٦) سراقہ بن مالکؓ اور کسریٰ کے کنگن

[یعنی یہ] پیشین گوئی کہ شہنشاہِ ایران کے کنگن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائیں گے۔ نبی ﷺ نے سراقہ بن مالک سے فرمایا:

كَيْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سَوَارَيْ كِسْرٰى.[3] تیری کیا شان ہو گی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروقؓ کے پاس فتح ایران کے مالِ غنیمت میں کسریٰ کے کنگن پہنچے تو انھوں نے سراقہ بن مالکؓ کو بلایا اور اُسے وہ کنگن پہنائے جو سراقہ کے

---

[1] [مسلم: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَحْسِرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ، ح ٧٢٧٧]

[2] قفیز، مُد اور اردب اناج کے پیمانے ہیں۔ قفیز مکوک کا اور ۳-۱۱ رطل یا بقول بعض ۲ رطل کا اور اردب ۲۴ صاع کا ہوتا ہے۔ (مجمع البحار)

[3] [السُّنَنُ الْكُبْرَىٰ لِلْبَيْهَقِيِّ، كِتَابُ قَسْمِ الْفَيْءِ، بَابُ الِاخْتِيَارِ فِي التَّعْجِيلِ، ج٦، ص٣٥٨]

بازوؤں کے اُوپر تک پہنچے۔[1] [حضرت عمر] فاروقؓ نے کنگن پہنا کر زبان سے کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے کسریٰ بن ہرمز سے، جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا، یہ کنگن چھین لیے اور آج سراقہ بن مالک اعرابی مُدلجی کو پہنائے۔

امام شافعیؒ نے تحریر کیا ہے کہ یہ کنگن سراقہ کو نبی ﷺ کی پیشین گوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو، جو تین پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے:

۱- خلافت فاروقؓ کی صداقت پر جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

۲- فتح ایران پر

۳- فتح ایران تک سراقہ کے زندہ رہنے پر۔

کتاب الاستیعاب سے واضح ہے کہ سُراقہ نے ۲۰ھ میں وفات پائی تھی یعنی فتح ایران سے صرف چند سال بعد [تک] وہ زندہ رہے۔

۳- سیکڑوں سال پہلے کی پیشین گوئیاں

اب ایسی پیشین گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا اندراج کتبِ احادیث میں پہلے سے ہو چکا تھا اور اُن کتب کو عالمِ اسلام میں تداول بین الناس اور اشاعتِ تام کا درجہ حاصل تھا۔ پھر ان پیشین گوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔ اس سے ثابت ہو گا کہ ایسی پیشین گوئیوں کی نسبت تصنّع یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز ان سے یہ بھی ثابت ہو گا کہ قُربِ قیامت کی علامات و شرائط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں اور جن کا ظہور آج ۱۳۴۸ھ تک نہیں ہوا۔ اُن کا ظہور بھی یقیناً اپنے اپنے اوقات پر (جو علمِ الٰہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری اور کمالِ تطابق کے ساتھ بصیرت افزائے مومنین ہو گا۔

---

[1] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ: وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ج۶، ص۳۲۵]

۳۹۳سال پیشتر کی پیشین گوئی

سنن نسائی و بیہقی میں غزوۂ ہند کی پیشین گوئی بایں الفاظ درج ہے:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ غَزْوَةَ الْهِنْدِ۔[1] رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔امام نسائی ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ کو وفات پائی۔ع

نسائی طاہر بزاد واز جہاں فیروز رفت

ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے ۳۹۳ھ کو حملہ کیا تھا،یعنی اشاعتِ کتب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد،جب کہ سنِ ہجرت ۳۹۳ تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہلِ اسلام کی کتابوں میں ہند دریائے اٹک کا نام ہے اور اسی مناسبت سے اُنھوں نے ماورائے اٹک کے رہنے والی قوموں کا نام ''ہندو'' رکھا تھا۔(انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہٰذا حدیث بالا کا مصداق وادیٔ غزوہ ہو سکتا ہے، جسے اٹک سے عبور کیا گیا۔

---

[1] بالفاظ بیہقی [نسائی، کِتَابُ الْجِهَادِ بَابُ غَزْوَةِ الْهِنْدِ، ح۳۱۷۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج۹، ص۱۸۶۔ السنن الکبریٰ للنسائی، ج۳، ص۲۸۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج۶، ص۳۳۶۔ متن میں مذکور الفاظ ان چاروں کتابوں میں یکساں ہیں۔(مدوّن)]

۶۵۴ سال پہلے کی پیشین گوئی

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنَ الْحِجَازِ تُضِيْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى۔[1] قیامت نہیں آئے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو، جو بصریٰ کے اُونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے گی۔

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری [نے] ۲۵۶ھ کو [اور] امام مسلم بن الحجاج نے ۲۶۱ھ کو انتقال فرمایا تھا اور ان ائمہ کبار کی ہر دو کتب و صحیحین اُن کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں اور روز افزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقے میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔ نبی ﷺ کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانی ۶۵۴ھ کو ہوا یعنی شیخینِ حدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔

گواہانِ عینی نے اس آگ کے متعلق جس کی ابتدا پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی، جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین مدرس مدرسہ بُصریٰ کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا اسی شب بصریٰ کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔

یہ آگ یکم جمادی الثانیہ کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس ہوتی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھوئیں نے زمین و آسمان اور اُفق کو چھپالیا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، پتھر پگھلنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہر احمر کی آبشار گر رہی ہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگانِ مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ خُرُوجِ النَّارِ، ح۷۱۱۸۔ مسلم، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، ح۷۲۸۹]

نبوی ﷺ میں حاضر رہ کر بسر کی اور تمام شب تضرع وزاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رُخ پلٹ گیا ہے۔ تعجب خیز امر یہ تھا کہ اس شدتِ نار کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی وہ ٹھنڈی نسیم ہوتی تھی۔

۶۵۶ سال پہلے کی پیشین گوئی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ زُلَفَ الْاَنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔[1] قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرلوگے جو چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے، اُن کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔

یہ فتنۂ تاتار کی خبر ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا، [بغداد] کو لوٹا تھا اور بالآخر اُن کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

۷۰۰ برس پہلے کی پیشین گوئی

طبرانی وابو نعیم نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اُتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ بِاَنَّ اَوَّلَ مَنْ يَّسْلُبُ اُمَّتِيْ مُلْكَهُمْ۔[2] ترکوں کو نہ چھیڑ ناجب تک وہ تم کو نہ چھیڑیں کیونکہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری اُمت سے ملک چھین لے گی۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، ح۳۵۸۷۔ مسلم، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ، ح۷۳۱۳]

[2] [سنن ابی داؤد، كِتَابُ الْمَلَاحِمِ، بَابُ فِي النَّهْيِ عَنْ تَهْيِيجِ التُّرْكِ، ح۴۳۰۲]

۸۵۵ سال پیشتر کی پیشین گوئی

مسند امام احمد میں اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ اور سنن ابی داؤد میں بروایت معاذ بن جبلؓ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔ امام ہمام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا، اور ان کی کتاب ''مسند'' تاریخِ تدوین سے ہمیشہ علماء ئے اُمت اور ائمہ محدثین کے پیشِ نظر رہی۔ محمد فاتح سلطان نے قسطنطنیہ کو ۸۵۵ھ/۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سالِ ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر اور نعم الجیش کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔

۱۳۴۸ سال کی پیشین گوئی

فتح مکہ کے دن (پنج شنبہ ۲۰ رمضان ۸ھ) نبی ﷺ نے شیبہ بن عثمانؓ اور عثمان بن طلحہؓ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

خُذُوْهَا يَا بَنِيْ اَبِيْ طَلْحَةَ تَالِدَةً خَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔[1] لو، یہ کنجی سنبھال لو۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا، مگر وہی جو ظالم ہو گا۔

ان مختصر الفاظ میں تین پیشین گوئیاں مندرج ہیں:

۱- خاندان ابو طلحہ کا دنیا میں باقی رہنا، نسل قائم رہنا۔

۲- کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انھی سے متعلق رہنا۔

۳- ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہونا۔

نمبر ۱ و ۲ کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنو شیبہ میں آج تک موجود ہے اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔

---

[1] [المنتظم، ابن الجوزی، بَابُ ذِكْرِ مَا جَرَىٰ فِي سِنِي الْهِجْرَةِ (فَصْلٌ) وَمِنَ الْحَوَادِثِ غَزْوَةُ الْفَتْحِ، ۳۸۶/۱]

نمبر ۳ کی بابت مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے اُن سے یہ کلید چھین لی تھی، اُس کے بعد پھر یہ ۱۳۳۳ سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

زمانۂ حال کی پیشین گوئی

۱-[یعنی ایسی] پیشین گوئی جس کی تصدیق زمانۂ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو مستورؓ کی روایت موجود ہے کہ انھوں نے عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ آخری زمانے میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائے گا۔ عمرو بن العاصؓ نے اُسے روکا اور کہا: دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ انھوں نے کہا: میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ عمروؓ بولے: تب تو درست ہے۔[1]

ناظرین غور کریں کہ یہ روایت صحابی رسول نے اس وقت بیان کی جب عساکرِ اسلام جملہ اطرافِ عالم میں مظفر یا منصور تھے۔ جب اُن کو عراق و شام و مصر، خراسان و ایران و سوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی۔ عیسائی، مسلمانوں کے سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل و وہم و قیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت و غلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکتی تھی۔

دنیائے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کی زندگی تک موجود تھی، مگر صحابی روایت کرتا ہے اور امام الحدیث اُسے اپنی کتاب میں ایمان و ایقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے۔ آج دنیا دیکھ لے کہ امریکن (جو اپنی اصلی زاد و نہاد کے اعتبار سے یورپین ہیں) برطانیہ، اطالیہ، پرتگال، سویڈن، ناروے، سوئٹزرلینڈ، اسپین، جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے؟

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ تَقُومُ السَّاعَةُ وَالرُّومُ أَكْثَرُ النَّاسِ، ح۷۲۸۰]

۲۔ پیشین گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے۔

بیہقی و حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعیؓ سے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ (لمبی روایت میں) بیان کیے ہیں:

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثَةٍ وَّسَبْعِينَ فِرْقَةً۔[1] میری اُمت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔

نزول قرآنِ پاک کے وقت اُمت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفرداً و مجتمعاً ایک ہی نام تھا یعنی ''مسلم'' جیسا کہ قرآن پاک میں هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ [الحج۲۲:۷۸] تمہارے باپ ابراہیمؑ نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا۔ لیکن خروجِ خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور اُن فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہو گئے۔ ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔

یہ پیشین گوئی ایسی ہدایت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کے متدعویہ دعاوی اس کی تصدیق میں موجود ہیں۔

جامعِ کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات (إِخْبَارٌ عَنِ الْغَيْبِ) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمدللہ کہ جو کچھ اس بارہ میں لکھا گیا وہ ثبوتِ مقصد کے لیے کافی ہے، ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

---

[1] [ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، ح۴۵۹۶۔ ترمذی، أَبْوَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي افْتِرَاقِ هَذِهِ الْأُمَّةِ، ح۲۶۴۰ المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، بَابُ ذِكْرِ مَنَاقِبِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، ح۶۳۸۹۔ اس میں ثلٰثۃ کی جگہ بضع کا لفظ ہے۔ (مدوّن)]

معجزاتِ نبوی ﷺ از قسمِ دعا

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کی صفاتِ عُلیا میں سے ہے۔ وہ رؤفٌ رَّحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو، بشرطیکہ پورے افتقار واضطرار سے کی گئی ہو، قبول فرماتا ہے:

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ ۔ [النمل ۲۷:۶۲] وہ کون ہے (اللہ کے سوا) جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔

وہ رَحۡمٰنُ الدُّنۡیَا وَرَحِیۡمُ الۡاٰخِرَۃِ اہلِ اطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے:

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔ [البقرۃ ۲:۱۸۶] جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں اُن کی پکار کو سُن لیتا ہوں اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔

وہ العزیز الحکیم اپنے عہد اور رسول ﷺ کی عزت اور بزرگی کو جہاں و جہانیاں کے دلوں میں مستحکم واستوار کرنے کے لیے اُن کی دعاؤں کو بہ سُرعت و بکثرت منظور فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنے والی) ایک نشان (طالبانِ ہدایت کو راہِ ہدایت پر ملانے والی) ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بن جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی قبولیت دعا کے چند نظائر

سیکڑوں ایسے نظائر موجود ہیں کہ نبی ﷺ کی زبانِ صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اُسی طرح من جانب اللہ پورے کیے گئے، جیسا کہ اُن الفاظ کے معانیِ لغوی کا اقتضا تھا۔ ایسے نظائر کا حصر دشوار ہے، مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے ناظرین کے دماغ کو عنبر آگین بنانے کی سعی کرے۔

۱- بارش کی دعا

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انھی ایام میں نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اُٹھا۔ اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مال تباہ ہو گیا اور عیال بھوک سے نڈھال ہے، ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اُٹھائے۔ اُس وقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم، ابھی حضور ﷺ نے ہاتھ نیچے بھی نہ کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔

پھر حضور ﷺ ابھی منبر سے نہ اُترے تھے کہ حضور ﷺ کی ریش مبارک پر قطراتِ بارش نظر آنے لگے۔ اُس روز سارا دن برستا رہا۔ پھر اگلے بھی اور اگلے دن۔ غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا اور پھر وہی اعرابی حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا، کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ الفاظ کہے: اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا لَا عَلَیْنَا، الٰہی گرد و نواح میں برسے، ہم پر نہ برسے۔ پھر حضور ﷺ جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرما دیتے تھے وہی پھٹ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر گیا اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔[1]

۲- قتل سے مصون رہنے کی دُعا

طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ ضمرہ بن ثعلبہ نبی ﷺ کے حضور میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بیہقی و ابن عساکر نے اس واقعہ پر حضور ﷺ کی دعائے استسقاء کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیثًا ھَنِیئًا مَرِیئًا غَدَقًا طَبَقًا عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ، وَتُنْبِتُ بِہِ الزَّرْعَ، وَتُحْیِی بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا، وَ کَذٰلِکَ تُخْرَجُونَ. (خصائص الکبریٰ، جلد ۳، ص ۱۶۲ [بَابُ مَا وَقَعَ فِی وَفْدِ فَزَارَۃَ، ج ۲، ص ۴۲])

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَۃَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ۔[1] الٰہی! میں مشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام کرتا ہوں۔

یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور اُن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور پھر صحیح سلامت واپس آجاتے۔

۳-دُعائے عفّت

[مسند میں] امام احمد نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے حضور میں آیا، عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اُسے دیکھنے اور جھڑکنے لگے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: قریب آؤ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضو ﷺ رنے فرمایا: کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور ﷺ نے پوچھا: تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور ﷺ نے پوچھا: تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بھی اپنی بہن کے لیے ایسا پسند نہیں کرتا۔

---

[1] [المعجم الکبیر للطبرانی، ج۸، ص۳۰۸، ح۸۱۵۶]

پھر حضور ﷺ نے پوچھا: تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا: تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور ﷺ نے دستِ مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَہٗ۔ الٰہی! اس کا گناہ دُور کر دے، اس کا دل پاک کر دے، اس کا ستر محفوظ کر دے۔

اس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔[1]

قبل از دُعا نبی ﷺ اُسے استدلالاً سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہر حال کسی نہ کسی کی بیٹی یا بہن یا ماں یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ ہو گی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود سائل اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرتاً پسند نہیں کرتے کہ اُن کی ایسی قرابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہٰذا جوازِ زنا کی درخواست جیسا کہ ایک غیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ جملہ نوعِ بشری کی غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کرتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور ﷺ نے اُس کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔

---

[1] [مسند احمد، ج۵، ص۲۵۷، ح۲۲۱۱۲، شعب الایمان، الباب السابع والثلاثون، ح۵۴۱۵]

۴-[تباہی کی دعا]

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسریٰ (خسرو بن پرویز) نے نبی ﷺ کے فرمانِ دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔ نبی ﷺ نے اُس کے حق میں فرمایا: أَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔[1] وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔

قومِ پارسی کو دیکھو اور وطن سے اُن کی جدائی کا خیال کرو اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفریق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بیہقی نے بروایت عبدالرحمن بن عبدالباری بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَزَّقَ كِسْرىٰ مُلْكَهٗ۔ کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا۔[2]

صفحہ امان پر تلاش کرو کہ جب سے آخری کسریٰ خلیفہ راشد، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہلاک کیا گیا، اُس کے بعد کوئی کسریٰ بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام و نشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسرو کا انجام بہت ہی حسرت ناک ہوا۔ اُس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں ''شیریں'' پر عاشق ہو گیا۔ باپ کو رشکِ رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا۔

چاکِ فرمانِ نبی کی ہے سزا چاکِ شکم دیکھ اے خسرو پرویز! یہ بیداد نہیں

۵-[بُجیر بن بُجرۃ کے لیے دعا]

بیہقی نے بروایت عبداللہ بن ابی بکر بیان کیا ہے کہ بجیر بن بجرۃ نے، جو قومِ طے سے تھا، واقعہ دومۃ الجندل کے متعلق اپنا شعر رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔[3] حضور ﷺ نے خوش ہو کر

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْعِلْمِ. بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ، ح۶۴۔ كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ. بَابُ دَعْوَةِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارىٰ، ح۲۷۲۲ وغیرہ]

[2] [دلائل النبوۃ للبیہقی، بَابُ مَا جَاءَ فِي بَعْثِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَىٰ كِسْرىٰ بْنِ هُرْمُزَ، ج۴، ص۳۸۸]

[3] شعر یہ ہے:

تَبَارَكَ سَائِقُ الْبَقَرَاتِ أَنِّي رَأَيْتُ اللهَ يَهْدِي كُلَّ هَادِ

فرمایا: لَا يُفْضِضِ اللهُ فَاكَ [1] وہ نوے برس کی عمر تک پہنچے۔ ان کی سب ڈاڑھیں اور دانت سالم تھے۔

۶- سائب بن یزید کے لیے دُعا

صحیح بخاری میں جعد بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ سائب بن یزید ۹۴ سال کے ہو کر فوت ہوئے اور بایں ہمہ مضبوط، معتدل تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ نبی ﷺ کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بینائی و شنوائی اب تک درست ہیں۔ [2]

۷- عبدالرحمن بن عوفؓ احد العشرۃ المبشرۃ کے لیے دُعا

صحیحین میں انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن کو بَارَكَ اللهُ لَكَ فرما دیا تھا۔ [3] عبدالرحمن کہتے ہیں اُس کی برکت سے اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو توقع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا چاندی دستیاب ہو گی۔ [4]

فَمَنْ بِكَ عَائِذٌ مِنْ ذِي تَبُوكَ فَإِنَّا قَدْ أُمِرْنَا بِالْجِهَادِ

الخصائص الکبری، ج۱، ص۲۷۸۔ [یہ کتاب فی الحال ہمیں دستیاب نہیں ہے، البتہ البدایۃ والنہایۃ میں فَمَنْ بِكَ عَائِذٌ مِنْ ذِي تَبُوكَ کے بجائے فَمَنْ يَكُ حَائِدًا عَنْ ذِي تَبُوكَ درج ہے۔ دیکھیے: ج۵، ص۲۲ (مدوّن)]

[1] [دلائل النبوۃ، بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَىٰ أُكَيْدِرِ دُومَةَ، ج۵، ص۲۵۱۔ ترجمہ: اللہ تیرے دانت نہ گرائے۔]

[2] [بخاری، کتاب المناقب، باب (رقم ۲۱)، ح۳۵۴۰]

[3] بخاری، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُتَزَوِّجِ، ح۶۳۸۶]

[4] [دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ لِلْبَيْهَقِيِّ، بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَائِهِ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ﷺ، ج۶، ص۲۱۸]

۸-انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دُعا

صحیحین میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ان الفاظ میں دُعا دی تھی: اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْ مَا رَزَقْتَهٗ [1] الٰہی! اس کے مال، اس کی اولاد کو بڑھا اور جو کچھ تو اُسے عطا فرمائے اُس میں برکت دے۔ انسؓ کہتے ہیں، بخدا میرے پاس مالِ کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو کے قریب تک ہے۔ [2]

ترمذی اور بیہقی میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ انسؓ کے پاس ایک باغ تھا جس کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ میں ایک ایسا پھول تھا جس کی خوشبو کستوری جیسی تھی۔ [3]

۹-مالک بن ربیعہ سلولی کے لیے دُعا

ابن عساکر اور ابن مندہ نے یزید بن ابو مریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ نے مجھے بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے میرے لیے کثرتِ اولاد کی دُعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اَسّی (۸۰) فرزندانِ نرینہ عطا فرمائے۔

۱۰- تکبر کی سزا

صحیح مسلم میں مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' وہ بولا، میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اُس

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ، ح ۶۳۷۸۔ مسلم، كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، بَابُ مِنْ فَضَائِلِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ ح ۶۳۷۲۔ ان مقامات پر رَزَقْتَهٗ کی جگہ أَعْطَيْتَهٗ کا لفظ درج ہے۔ (مدوّن)]

[2] [مسلم، كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، بَابُ مِنْ فَضَائِلِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ، ح ۶۳۷۶]

[3] [ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ مَنَاقِبِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ ح ۳۸۳۳۔ دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، بَابُ دُعَائِهٖ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، ج ۶، ص ۱۹۵]

نے صرف غرور میں آکر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تو نہ کھا سکے۔'' بعد ازیں اس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہیں اُٹھ سکتا تھا۔[1]

۱۱- شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ

صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل ابورافع کے بعد زینہ سے اُترے تو گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اُنھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ فرمایا: پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور ﷺ نے اُس جگہ دستِ مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا، گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔[2]

اسماء الرسول ﷺ

ہمارے سید و آقا خواجہ ہر دو سرا کا مقدس نام ''محمد'' ہے۔ ﷺ! یہ نام قدرتِ الٰہیہ کی طرف سے خود آیتِ عظیم ہے کہ اس کا مسمّٰی ضرور امام الانبیاء اور سرتاجِ کائنات ومافیہا ہے۔ اس کی شرح آیت محمد رسول اللہ کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں حضور ﷺ کے چند بزرگوں کے اسما پر غور دلانا ضروری ہے۔ ان اسما کو ''ارہاصِ نبوت'' قرار دینا صحیح ہوگا۔ حضور ﷺ کے والد بزرگوار کا نام عبداللہ ہے، والدہ مکرمہ و معظمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضور ﷺ کی دایہ (انّا) کا نام حلیمہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ ہی ایسے مقدس ہیں، جن کا پیکرِ اطہر عبودیت کے خون سے بنا۔ جنھوں نے امن کے بطن میں مراتبِ وجود کو مکمل فرمایا، جن کی تربیت حلم و بردباری کے شیر [دودھ] سے ہوئی۔ کیا ایسے اسما کا اجتماع محض اتفاق ہے؟ نہیں، بلکہ قدرت اس مولودِ مسعود کی شانِ رفیع کی آئینہ داری فرما رہی ہے اور بتلا رہی ہے کہ

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ، بَابُ آدَابِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، ح۵۲۶۸]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ قَتْلِ أَبِي رَافِعٍ، ح۴۰۳۹]

جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو، ضرور ہے کہ وہ بچہ حقیقتاً ''محمد'' ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیشین گوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوالم واہلِ عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمّٰی کی مدح وثنا دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی وتواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب میں ساری ہے؟ وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبتِ شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے؟ وہ کون ہے، جس کی سیرتِ پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ وہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے؟ وہ کون ہے، جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم سے محمُود ہے؟ وہ کون ہے، جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے؟ وہ کون ہے، جس کی تعلیم کی وسعت بر وبحر پر چھائی ہوئی ہے؟

۱-[محمد:]

بے شک وہ ''محمد،'' ہے۔ اسم بھی محمد ہے اور مسمّٰی بھی محمد ہے اور حمد کو اُس کی ذات ہمایونی سے نسبت خاص ہے۔

(۱) اُسی کے مقامِ شفاعت کا نام ''مقامِ محمود'' ہے اور اُسی کی اُمت ''حمادُون'' کے لقب سے روشناس ہے۔ اُس کی لائی ہوئی کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) ہاں اُسی کا نام ''احمد ﷺ'' ہے۔ یہ بھی اُسی سرچشمہ ''حمد'' سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع وماخذ کے اعتبار سے اتحادِ تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار وبرکاتِ خاص سے مختص بھی ہیں۔

(۳) وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور اسی لیے کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کا ثنا گستر ومدح خواں ہے۔

(۴)وہ ''احمد'' ہے اور اسی لیے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرّات سے بڑھ کر اپنے مالک، اپنے خالق، اپنے رازق، اپنے ہادی، اپنے مُعطی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔

(۵)ہاں وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور کل دنیا اس کی مداح ہے۔

(۶)وہ ''احمد ﷺ'' ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد ﷺ و احمد زمیں خواند و زماں حمید باشد و محمود ذاتِ ربّانی

فزوں تراز تو کسے را نہ مدح گفت زماں نہ بر تراز تو کسے گفت حمد سُبحانی

مُحَمَّدٌ اَحْمَدُ

[تدوینِ نو میں یہاں کے تین ذیلی نکتے، نمبر ۱۴ کے ذیل میں شامل کر لیے گئے ہیں۔]

۲-[مطلوب:] وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

۳-[متبوع:] وہ متبوع ہے اور اس کی تبعیت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

۴-[نبی:] وہ نبی ہے اور اسی کی بناوٹ نے ہزاراں ہزار حجاب چشمِ بصیرت سے ہٹا دیے ہیں۔

۵-[رسول:] وہ رسول ہے اور اسی کی رسالت نے نوعِ بشر کو اتمامِ نعمت اور اکمالِ دین اور رضوان رحمن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

۶-[عبد:] وہ عبد ہے اور اسی کی عبودیت نے عبودیت کو اورنگِ خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

۷-[معلم:] وہ معلم ہے اور اسی کی تعلیم نے مسیح کے اس قول اور اُمید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درس گاہِ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اُس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس نہیں مقرر کی۔ وہ مرموزات و تمثیلات میں تعلیم نہیں دیتا ہے۔ اُس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشاراتِ خاص نہیں تجویز کیے ہیں۔ اس کے ادبستان پر وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا

تَعْلَمُوْنَ۔ [البقرۃ۲:۱۵۱] کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاس دروس کا آغاز انسان کے جانے پہچانے علوم و معارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

۸-[امین:] وہ امین ہے، اس کا یہی نام یوحنا رسول کو مکاشفات میں بتایا گیا اور اُس کا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ اسی نام سے حضور ﷺ کا احتشام و وقار نمایاں ہے اور اسی نام سے حضور ﷺ کا وحیِ آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اِس معنی کی طرف حدیثِ مسلم عن ابی سعیدؓ میں صراحت کی گئی ہے۔ کعب بن [مالکؓ] کا شعر ہے:

اَمِیْنٌ مُحِبٌّ لِّلْعِبَادِ مُسَوَّمٌ بِخَاتِمِ رَبٍّ قَاهِرٍ لِلْغَوَاتِمِ[1]

۹-[اُمی:] وہ اُمی ہے اور اُم القریٰ کی عزت و وقعت اسی نسبتِ قدسیہ سے ہے۔

وہ اُمی ہے اور ولید سعید کی طرح جملہ افعال و اقوال میں معصوم ہے۔

وہ اُمی ہے اور اس کی تعلیم حروفِ کتابی یا نقوشِ مرئیہ کی احتیاج مند نہیں۔

۱۰-[برہان:] وہ بُرہان ہے، قرآن مجید میں قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ [النساء ۴:۱۷۴] فرمایا گیا ہے اور امام سفیان بن عینیہ نے اس کی تفسیر میں برہان آنحضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے۔

ہاں وہ بُرہان ہے اور حجت اللہ ہے۔

وہ برہان ہے اور حضور ﷺ کی ذاتِ ہمایوں بذاتِ خود ایک روشن دلیل ہے۔

۱۱-[بشر:] وہ بشر ہے، اور قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ [الکھف ۱۸:۱۱۰] کے تاج سے متوج ہے۔ آدم کے لیے ابوالبشر ہونا اسی لیے صد گونہ افتخار کا موجب ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں۔

ہاں وہ بشر ہے اور حضور ﷺ کا حسنِ ظاہر و جمال اطہر اہلِ لُغت کو اس معنی لغوی کی تعلیم دیتا ہے۔

---

[1] [سبل الہدیٰ والرشاد میں لِلْعِبَادِ کی جگہ فِی الْعِبَادِ اور لِلْغَوَاتِمِ کی لِلْخَوَاتِمِ ہے۔ دیکھیے: ج۱، ص۴۳۵]

۱۲- [بشیر:] وہ بشیر ہے،اور حضور ﷺ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ [فاطر ۳۵:۲۴] کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

وہ مبشر بھی ہے اور مسیحؑ کی نبوت کا مصدقہ حضور ﷺ ہی کی بشارت کا پہنچا دینا ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔ [الصف ۶۱:۶] وہ بشارت رساں بھی ہے اور اہلِ ایمان و ایقان کے لیے ہزار در ہزار بشارت کا اعلام فرمانے والا ہے۔

۱۳-[بیّنۃ:] وہ بَیِّنَۃ ہے۔ وہ خود آیاتِ باہرہ اور علاماتِ واضحہ اور دلائلِ حقّہ کا مجموعہ ہے۔اس کا وجود سراپا صداقت ہے اور اس کا پیکر سراپا حقانیت ہے۔یہی بیّنہ اہلِ کتاب اور مشرکین کی ظلمات کو دُور کرنے والا ہے،تاریکیوں کو اُٹھا دینے والا،عالم تیرہ وتار میں اُجالا پھیلا دینے والا ہے۔آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مثال حضور ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔

۱۴-[حبیب:] وہ حبیب اللہ ہے اور اس تقرب کا مالک ہے، جس کا ذکر حدیث صحیح میں بندۂ عابد وساجد کے لیے ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهٖ (الحدیث)[1]

(۱)ہاں وہ پیارا ہے،اُسی نے دشمن دوست سب سے پیار کیا ہے۔

(۲)وہ حبیب ہے اور اسی نے محبت کا تاج اکمال سے مزین فرمایا ہے۔

(۳)وہ محبوب ہے، مگر محبین سے بے نیاز ہے۔

۱۵-[حلیم:] وہ حلیم ہے۔ حلیم، حُلم بالضم سے بھی ہے اور یہ لفظ وفورِ دانش اور کمالِ عقل پر دال ہے۔

---

[1] [اس حدیث میں وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهٖ والے فقرے کی جگہ درست الفاظ یہ ہیں: وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ۔ دیکھیے: بخاری، كِتَابُ الرِّقَاقِ،بَابُ التَّوَاضُعِ، ح ۶۵۰۲۔السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۳۴۶ وج ۱۰، ص ۲۱۹ (مدوّن)]

حلیم، حِلم بالکسر سے بھی ہے۔ وہ مصائب کا برداشت کرنے والا، دشمنوں کے ہاتھوں سے پتھر کھانے والا اور جواہر لٹانے والا، گالیاں سننے والا اور دعائیں کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ کا یہ اسمِ گرامی قبل از نبوت مشہورِ عالم تھا۔ سردار ابو طالب فرماتے ہیں:

حَلِیْمٌ رَّشِیْدٌ عَادِلٌ غَیْرُ طَائِشٍ یُوَالِیْ اِلٰھًا لَیْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ

۱۶-[خازن:] وہ خازن ہے۔ امام احمدؒ کی روایت میں ہے: اَنَا الْخَازِنُ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ[1] ہاں وہ خزینہ دارِ ربانی ہے، وہ گنجورِ رحمانی ہے، عطائے سبحانی کی تقسیم اسی گھر سے ہوتی ہے۔ گہر پاشی اسی یدِ مبارک کا خاصہ ہے۔

۱۷-[خلیل:] وہ خلیل الرحمن ہے۔ اہلِ عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب ہیں: (۱) علاقہ: دل کا ذرا سا اٹکاؤ۔ (۲) ارادہ و میلان: جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ (۳) صبابت: [صَبَّ یَصَبُّ] پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اس جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے۔ (۴) غرام: غرام قرض یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے جو قرض ہو کر چمٹ جاتی ہے اور کسی وقت بھی علیحدہ نہیں ہوتی۔ (۵) وداد: خلوصِ محبت اور مغزِ محبت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی وُدود بتلایا ہے۔ (۶) شغف: شغاف، پردۂ دل اور شغف و محبت جو قعرِ دل تک جا پہنچے۔ (۷) عشق: یہ عشقۃ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل ہوتی ہے، زرد رنگ کی، جس درخت سے لپٹ جاتی ہے، اُسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباسؓ اس حالت سے استفادہ فرمایا کرتے۔ (۸) الیتم: انکسار اور عجز تمام کو کہتے ہیں۔ یتیم کا نام یتیم بھی اسی لیے ہوا کہ وہ انکسار اور عجزِ تام کا مورد ہوتا ہے۔ (۹) اَلتَّعَبُّدُ: جب کہ محب جملہ دعاوی تملیکِ نفس و مال و عزت سے دستبردار ہو کر سارے دل و جان سے دوسرے کا غلام بن جائے۔ (۱۰) خُلّت: جب کہ

---

[1] [مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۴، ح ۸۱۴۰]

دل وسوسۂ غیر سے اور عقل تعقلِ غیر سے اور نیت و عزم، تعبد و تشوقِ غیر سے کُلِّیَۃً خالی ہو جاتا ہے۔اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجہ خُلّت حضرت ابراہیم کے لیے ہے اور وہ خلیل الرحمن ہیں اور درجہ محبت سیدنا محمد رسول اللہ کے لیے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں، لیکن دو حدیث صحیحہ میں نبی ﷺ کا خلیل الرحمن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے:

(۱)اِنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا[1]

(۲)لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً مِّنْ اَھْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ وَّلٰکِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ[2]

۱۸-[خطیب:] وہ خطیب الانبیاء ہے۔ حدیث الشفاعت میں ہے: کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَھُمْ[3]

(الف)خطیب، خطب سے ہے۔ خطب کے معنی فصاحت زبان ہیں اور خطیب وہ ہے جو صاحبِ فصاحت و بلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کی صفتِ فصاحت کا ذکر فرمایا ہے: ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ[القصص ۲۸:۳۴] اور حدیث بالا میں ہے کہ جملہ انبیاء کے مقدس ترین گروہ

---

[1] [سنن ابن ماجہ، اَلْمُقَدِّمَۃُ، بَابُ فَضْلِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، ح۱۳۸۔ اس حدیث کو امام البانیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیے: سنن ابن ماجہ مع الحکم للالبانی، ح۱۴۱۔ مگر امام حاکمؒ کہتے ہیں: ھٰذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ، وَلَمْ یُخَرِّجَاہُ۔ دیکھیے: المستدرک علی الصحیحین، کِتَابُ تَوَارِیخِ الْمُتَقَدِّمِینَ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ، بَابُ ذِکْرِ إِبْرَاھِیمَ، ح۳۹۷۷]

[2] [بخاری میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً مِّنْ اُمَّتِیْ خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ وَّلٰکِنْ اَخِیْ وَ صَاحِبِیْ۔ دیکھیے: کِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ: لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیلًا، ح۳۳۸۳۔ جب کہ مسلم میں اس پر یہ اضافہ ہے: وَ قَدِ اتَّخَذَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلاً۔ دیکھیے: مسلم، کِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، بَابٌ: مِنْ فَضَائِلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، ح۴۳۹۱]

[3] [ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ ﷺ، ح۳۵۴۶]

میں یہ شرف حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ[1] سادہ صاف الفاظ، شُستہ ترکیب، مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی، داخل کمال فصاحت ہے اور حضور ﷺ کا خطیب الانبیاء ہونا اسی اعتبار سے ہے۔

(ب) خطیب، خطابت سے ہے اور اس سے مراد اوامر ونواہی اور مواعظ وامثال کا بیان کرنے والا ہے۔

(ج) خطیب کے معنی وہ شے بھی ہے، جس میں الوان بوقلموں شامل ہوں اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواعِ کلام اور اسالیبِ خطاب کا ماہر و قادر ہو۔

۱۹-[خافض:] وہ خافض ہے، یہ نام قرآن مجید کی آیتِ ذیل سے مستنبط ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ [الحجر ۱۵:۸۸]

طیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسے پیار، کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہلِ ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت وپیار اور نگہداشت وحفاظت کا سلوک اس مثال سے بھی بڑھ کر تھا۔

۲۰-[خیر:] وہ خیرۃ اللہ ہے، خیرۃ کو علماءِ لُغت نے بکسرِ خا اور بفتحِ خا، ہر دو صورت روایت کیا ہے۔ اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ خیر الناس ہیں۔ خیر البریہ افعالِ خیر میں افضل واکثر ہیں۔

۲۱-[داعی:] وہ داعی الی اللہ ہے۔ کسی شخص کی طرف سے کسی کا دعوت دینے کا حق اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو، اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوتِ بعام دے آئے۔ مہمان صاحبِ خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتہ لگے کہ نہ کسی نے

---

[1] [مسلم، کِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاۃِ بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاۃِ، ح ۱۱۷۱]

بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا، تب طرفین کو کس قدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل و حقیر اور جانبین کی طرف سے ہدفِ ملامت سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا اسم مبارک دَاعِيًا اِلَى اللهِ تجویز کیا، تو کلام پاک میں اس کے ساتھ ساتھ وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ۔[الاحزاب۳۳:۴۶] بھی شامل فرمادیا اور اہلِ عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کو اختیار کُلی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنائیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور کے اسمائے خاصہ میں سے ہے۔

۲۲-[رحمت:] وہ رحمت ہے اور آیتِ قرآنیہ میں حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔[الاعراف۷:۵۴] فرمایا اور قرآن حکیم ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [یوسف۱۲:۱۰۴] خانہ کعبہ کو مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [آل عمران۳:۹۶] کشتیِ نوح اور مریم و مسیحؑ کو اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [العنکبوت۲۹:۱۵،الانبیاء ۲۱:۹۱] بتایا، مگر رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔[الانبیاء ۲۱:۱۰۷] صرف حضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ [الاعراف۷:۱۵۶] کے ارشاد کو پیشِ نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت، کتنی برکت، کتنا فیض موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا فیضان اہلِ ایقان کو بھی پہنچا، جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھہرے۔ منکرین اور اہلِ خسران کو بھی پہنچا جو بہ برکت دعائے مصطفوی ﷺ عذاب دنیوی غرق و حرق اور ہلاکت و تباہی سے مامون کیے گئے۔

عورتوں، بچوں، یتیموں، بیواؤں، مسافروں، اسیروں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا و برایا، طبقۂ امراء و گروہِ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور ﷺ نے مستحکم آئین شرع متین، ضابطہ مبین، دستور اساسی اور اصولِ مدنی و سیاسی وضع فرمائے اور اُن سب پر اپنی حیاتِ طیبہ میں خود بھی عمل فرما رہے اور تمام اُمت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض طیور، وحوش اور مراکب و مواشی کو بھی پہنچا، جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض شوارع و طوارق اور مشارب و موارد کو بھی پہنچا، جن کو پُرامن اور مصفّا و پاکیزہ رکھنے نیز انجاس و ارجاس و قاذورات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے۔ الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتنی و گردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی اُن سے مہجور کیا گیا۔ لہٰذا حضور ﷺ کا سراپا رحمت ہونا اور بہ ہمہ وجوہ رحمۃ للعالمین ہونا مسلم و ثابت ہے۔

۲۳-[روح:] وہ روح الحق ہے، اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے مسیح نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا جو اُنھوں نے دنیا چھوڑنے سے پیشتر اپنے خلفا کے سامنے فرمائی تھی۔ (دیکھو یوحنا ۱۶: ۱۱-۱۶)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اناجیل اربعہ میں عام طور پر اسم روح القدس کا استعمال ہوا ہے اور اس سے وہ ملکوتی قوت و شخصیت مراد ہے، جسے اہلِ اسلام جبرائیل کہتے ہیں اور جسے مسیحی صاحبان اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم اور ارکانِ تثلیث میں سے ایک رُکن بتاتے ہیں اور بایں ہمہ اس کی ہستی کے متعلق وہ ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم رُوح الحق کا استعمال ہوا۔ اس کے کام اور اس کی شان اور اس کی علامات کا اعلام کیا گیا۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے۔ وہ روح الحق ہے اور طالبانِ خاک نشیں کو پستی سے اُٹھا کر زندگی کے بلند ترین گنگرہ پر پہنچا دینا اُس کا کام ہے۔ وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اُس کے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوبِ مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر، دماغ کو روشن اور قلب کو منور کرنے والی ہے۔

۲۴-[سید:] وہ سید ہے اور سیادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اے کہ بر تختِ سیادت زِازل جاداری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وہ سید کہلانے سے بے نیاز ہے، وہ سید ہے اور اپنے سید (اللہ تعالیٰ) کا عبد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سید ہے اور اسباطِ رسول ﷺ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ [1] کے خطاباتِ صحیحہ سے معزز ہیں۔

وہ سید ہے اور اس کے وزرا بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ [2]

وہ سید ہے اور اس کے حلقہ نشین بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں۔ سعد بن معاذؓ کی سواری دیکھ کر حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ [3]

وہ سید وُلدِ آدم ہے۔ وُلْد جمع ہے وَلَد کی۔ اس خطاب سے حضور ﷺ کا سید اولادِ آدم ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر، ہر ایک انسان، ہر ایک آدم زاد داخل ہے۔ جملہ اوّلین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں۔ کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں۔ شک کی ضرورت نہیں۔ دوسری صحیح حدیث میں اٰدَمُ وَدُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ موجود ہے اور ہر دو احادیث بصر افروز و بصیرت افزا ہیں۔

۲۵-[شارع:] وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں۔ موسیٰ صاحبِ شریعت ہیں اور اُن کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار سال تک کوئی بھی صاحبِ شریعت نہ نکلا۔

---

[1] [رواہ] الترمذی عن ابی سعید وصححہٗ [أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، ح۳۷۶۸]

[2] رواہ الترمذی [أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابٌ: أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ح۳۶۶۵]

[3] [بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ مَرْجِعِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْأَحْزَابِ، ح۴۱۲۱]

بزرگوار مسیحؑ نے بھی فرمایا: ”یہ مت سمجھو کہ میں تورات منسوخ کرنے کو آیا ہوں، بلکہ اُسے مضبوط کرنے کو آیا ہوں۔“[1]

ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں، جنھوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور ضوابط و قواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ہر سہ شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کون سی شریعت زیادہ مکمل زیادہ مفصل جزئیات پر حاوی، کلیات پر مشتمل، ضروریاتِ انسانی پر محتوی اور تمدن کی حامی ہے۔

بس ایک بات پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پڑتال ان اصولوں پر کی جائے گی تو شریعتِ محمدیہ کی فوقیت اور حضور ﷺ فداہ ابی وأمی کا تفوق خود بخود آشکار اور واضح ہو جائے گا۔

۲۶-[شافع:] وہ شافع ہے، شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا: شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفرانِ ذنوب فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفیع بمعنی غفور استعمال کرتے ہیں لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل نہیں۔ کسی نے شفاعت کو بے جا دباؤ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے: (۱) مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ جسے اللہ اذن دے (۲) وَقَالَ صَوَابًا جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے۔

ہر دو اصول بالا شفاعتِ اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے، شفاعت کو معقول اور قابل التسلیم بنا دینے والے ہیں۔ ہاں حضور ﷺ ہی صاحب مقامِ محمود ہیں اور حضور ﷺ ہی شفاعتِ کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

۲۷-[شاہد:] وہ شاہد ہے، اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعاتِ صحیحہ کو کتمان سے بُروز میں لے آئے، جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین

---

[1] [انجیل متّی ۵:۱۷]

کو مثلِ حاضر بنادے۔ نبی ﷺ شاہد ہیں اور اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے حضور ﷺ ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لیے استحقاقِ الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادت و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سیکڑوں مذاہب سر گرداں و حیران وپریشان تھے۔

حضور ﷺ ہی کی شہادت نے اِن حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ﷺ نے ہی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی شہادت ادا کی۔ رسالت و نبوت کے خصائص، وحی ربانی کی حقیقت، اعمال کا رُوح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتب، شریعت کی ضرورت اور شرائع الٰہیہ و نوامیس حکمیہ کا استحکام، یہ سب حضور ﷺ ہی کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر! شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ داوری گاہ عالم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار در ہزار بندگانِ الٰہ کو اس شہادت پر قائم بلکہ آیندہ آنے والی نسلوں کے سامنے اُن کو بھی شاہد بنا گیا اور وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ [الحج ۲۲:۷۸] کی سند عطا فرما گیا۔

۲۸-[صاحب:] وہ صاحب ہے۔ صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ مسیحؑ نے حضور ﷺ کا نشان انھی الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اِس سے حضور ﷺ کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوعِ انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے۔ منکرین مکہ بھی حضور ﷺ کو صاحبِ قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا، لیکن قدرتِ الٰہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا اور وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ۔ [التکویر ۸۱:۲۲] فرما دیا۔ انبیاءؑ میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنھوں نے اُمتِ عاصی کے مفسدات اور قابلِ نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور اُن کو چھوڑ کر خود اُن سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے استقامت و صبر کی [مدح] و ثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا، اُن کو اپنے دربار سے دُور نہیں کرتا۔ خود اُن سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ

صابر ہے اور اُس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو، کل کو تمہیں خود اس کا صحابی بننا موجبِ شرف و عزت بن جائے گا۔

۲۹-[صادع:] وہ صادع ہے۔ صدع بیان واشگاف کو کہتے ہیں۔ امر الٰہی کو صاف صاف بیان کرنا، دنیا کی مخالفت و مخاصمت کی پروانہ کرنا، دباؤ اور دھمکی کو وقعت نہ دینا، اعداء کی تدابیرِ فاسدہ اور مکائد کاسدہ سے مرعوب نہ ہونا حضور ﷺ کا خاصہ ہے۔

وہ صادع ہے، اس نے عرب جیسے خونخوار، وحشی خوں ریز بت پرستوں کو صاف صاف سنادیا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۔ [الانبیاء ۲۱:۹۸] تم بھی اور تمہارے معبود بھی جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔ وہ صادع ہے جس نے یہودی قوم کو، جو تجارت کے مالک واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضے کی زنجیریں ہر ایک امیر و غریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں، نیز مسیحیوں کو، جن کی حکومتیں شام، مصر و یمن اور ایشیائے کوچک و یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں، صاف صاف لفظوں میں یہ سُنا دیا تھا: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ [المائدۃ ۵:۶۸] اے یہودیو! اے عیسائیو! تم سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو، جب تک کہ تم (۱) تورات اور (۲) انجیل اور (۳) خدا کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، قائم نہ ہو جاؤ۔

ہاں صادع وہ ہے، جو اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی فرمادیتا ہے: قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔ [الجن ۷۲:۲۱] کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نقصان یا بہبودی کا مالک نہیں۔ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۔ [الجن ۷۲:۲۲] کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکے گا اور میں تو اُس کے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔

ہاں صادع وہ ہے جو اپنے عزیز و اقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سناتا ہے: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ [الشعراء ۲۶:۲۱۴] اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرادے۔

۳۰-[صادق:] وہ صادق ہے، منازل روحانی میں صدق کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صادق ہی معیارِ احوال۔ صدق ہی وہ دروازہ ہے جو دربار ذوالجلال تک پہنچا ہے۔ صدق ہی بنیادِ دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال خلیل ربّ العالمین نے فرمایا تھا۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔[الشعراء ۲۶:۸۴] صدق ہی ہے جس کی مجلس دربارِ شاہی کے قریب میں منعقد ہوئی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔[القمر ۵۴:۵۵]

نبی ﷺ ہی صادق ہیں اور حضور ﷺ کا یہ نام یوحنا کو مکاشفات میں بتایا گیا ہے۔

حضور ﷺ ہی صادق ہیں۔ اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اطراف واکناف میں حضور ﷺ اسی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے۔ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ۔[الزمر ۳۹:۳۳] وہ جو صدق کو لے کر آیا۔

حضور ﷺ ہی ہیں جس کے متبعین صدیقیت و محدثیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

۳۱-[مصدوق:] وہ مصدوق ہے۔ اس کے صدق پر زمین و آسمان گواہ ہیں۔ اس کے صدق کی شہادت میں بر و بحر تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رُہبان اور احبار یہودیوں کے ائمہ اور ربیون اُس کی صداقت کے کلمہ خواں ہیں۔ لات و منات و عزیٰ کے پُجاری اپنے اپنے کذب و بطلان اور حضور ﷺ کے صدق و حقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال، ذی الکفل اور دانیال، یسعیاہ و یرمیاہ، حبقوق و حزقی ایل، حجی و ملاکی زکریا و یحییٰؑ کے صحیفے اس کے صدق و حقانیت کے بیان سے مملوء ہیں۔ عباس بن مرداس جو عیسائیوں کے مشہور بشپ تھے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں:

فَاٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنَا عَبْدُهٗ وَخَالَفْتُ مَنْ اَمْسٰى يُرِيْدُ الْهَالِكَا
وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا وَبَايَعْتُ بَيْنَ الْاَخْشَبَيْنِ الْمُبَارَكَا
نَبِيٌّ اَتَانَا بَعْدَ عِيْسٰى بِنَاطِقٍ مِنَ الْحَقِّ فِيْهِ الْفَضْلُ كَذَالِكَا

۳۲-[طٰہٰ:] وہ طٰہٰ ہے۔ وہ زہرۃ الحیاۃ الدنیا سے دُور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے۔ وہ وَرِضًی لَهٗ قَوْلًا [۲۰:۱۰۹] کی سند ہاتھ میں لے کر آیا ہے۔ اُس کی راحت، اس کی آسائش، اس کی خوشنودی، اس کی رضا کا ربّ العالمین خود نگران ہے۔

۳۳-[طیب:] وہ طیب ہے۔ اس کی اصل، اس کی نسل، اس کی ازواج، اس کی ذریت، اس کا پیکر، اس کا عنصر ارجاس وانجاس وعیوب ونقائص قبائح اور رزائل سے پاک ہے۔ وہ زکی ہے، وہ طاہر ہے۔ طیبون اس کے ثنا گستر ہیں اور قدوسی اس پر درود خواں۔ سیدنا حسّان بن ثابت فرماتے ہیں:

صَلَّى الْإِلٰهُ وَمَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهٖ والطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدِ

۳۴-[طاہر:] وہ طاہر ہے۔ وہ حسب ونسب میں عالی ہے۔ آبائے اوّلین جو اسی کے نور کے حامل تھے، سفّاح سے پاک رہے اور عمود نسب سے جملہ بزرگان ومحترمین اغیار کی غلامی سے آزاد۔

وہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اسی نے طہارت کی تعلیم دی اور اُسی نے طہارتِ ظاہری و باطنی سے اپنے متبعین کو پاک ٹھہرایا۔ اسی کی تعلیم نے فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ [التوبۃ ۹:۱۰۸] کی جماعت کو قائم فرمایا اور اسی کے احکام و افعال کی غایت تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ۔ [التوبۃ ۹:۱۰۳] کو ٹھہرایا ہے۔

۳۵-[عبداللہ:] وہ عبداللہ ہے، عبودیت ہی کمالِ انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازلِ نبوت ہی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیار اور محبت و قبولیت کے لہجے میں فرماتا ہے تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ۔ [ص ۳۸:۱۷]

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ۔ [ص ۳۸:۴۱]

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔ [مریم ۱۹: ۲]

نبی ﷺ کی عبودیت وہ شجرۂ طیبہ ہے جس کے پھل نہایت شیریں ہیں۔

الف: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ ۔ [الفرقان۱:۲۵] نزولِ قرآن کا سبب عبودیتِ کاملہ ہے۔

ب: اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔ [الزمر۳۶:۳۹] کفایتِ الٰہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

ج: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ۔ [بنی اسرائیل۱:۱۷] معراج عبودیت کا ثمر ہے۔

د: فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ۔ [النجم۱۰:۵۳] خطاباتِ عالیہ کا شرف عبودیت پر عطا ہوا۔

یہ سچ ہے کہ مسیحؑ نے بھی صدیقہ مریم کی گود میں اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ [مریم۳۰:۱۹] کہا تھا۔ اور حضور ﷺ کو بھی آیت وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ [الجن۱۹:۷۲] میں عبداللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوتِ درجات کا نور اپنی اپنی ضیا میں روشن ہے۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ، حضرت مسیحؑ کا اپنا قول ہے، ہنوز فعل اس کی معیت میں نہیں۔ نبی ﷺ کو خود ربّ العالمین نے ''عبداللہ'' فرمایا اور حضور ﷺ کی قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔

ہاں وہ عبداللہ ہے اور اُس کی عبودیت کا شاہد خود معبود و مسجود ہے۔

وہ عبداللہ ہے اور دعوتِ عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے۔

وہ عبداللہ ہے اور اُس نے کلمۂ توحید میں اپنے مبارک و محمود اسم کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کو جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمۂ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ اور اسمِ محمد کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ نہ پڑھے۔

اے مالک! میں بھی اس مقام پر کلمۂ شہادت کو دُہراتا ہوں اور تیرے خزائن رحمت میں بطورِ امانت سپرد کرتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا

۳۶-[عَفُوّ:] وہ عفوّ ہے۔ عفوّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی ﷺ کی صفاتِ عالیہ میں سے بھی۔ جُملہ صفاتِ نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی صفاتِ الٰہی کے ظلال ہیں اور حضور ﷺ کے جملہ محاسن عطیاتِ ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

۱- کوہِ تنعیم کے اسّی اعدائے دین کو، جنھوں نے حضور ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروفِ نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا، معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۲- زینب بنت الحارث بن سلام خیری کو، جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی، اقبالی جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۳- سردارانِ قریش کو، جنھوں نے ۱۳ سال تک اشاعتِ کلام کو روکا، اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا، مغلوب کر لیے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۴- ابن سلول رئیس المنافقین اور اس کی جماعت اہلِ یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی پاجیانہ حرکات سے در گزر کرنے والا وہی ہے۔

۵- جنگ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو ایک زبانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔

حسانؓ فرماتے ہیں:

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ یَقْبَلُ عُذْرَھُمْ فَاِنْ اَحْسَنُوْا فَاللّٰہُ بِالْخَیْرِ اَجْوَرُ

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و در گزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۳۷-[فاتح:] وہ فاتح ہے۔ اگر فتح کے معنی کشور کشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور ﷺ کی سیرتِ پاک میں اس کے نمونے بہت کم ملیں گے۔ حضور ﷺ کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی، بدر و اُحد، احزاب و خیبر اور حنین ہیں۔ ان پانچ میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں کی ارضیات پر اُنھی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور اُن سے صرف حق مالکانہ [لینے] کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات کی بابت سُنو کہ اُحد اور احزاب کی

جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی ہے اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالصہ نہ ہوا تھا۔

بوجوہاتِ بالا ضروری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا [الفتح۴۸] موجود ہے اور اُسی میں حضور ﷺ کی فتحِ مبین اور نصرتِ عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آیندہ تبلیغِ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

ہاں! حضور ﷺ فاتح ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے ناواقفوں کے سینے کھول دیے، اسرارِ رُوحانی واضح کر دیے، صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے سامنے جو موانع موجود تھے ان کو دُور فرما دیا، حریت عطا فرمائی اور آزادیٔ دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران اکیدر کا بادشاہ، حبشہ کا تاج ور، یمن کا فرماں روا، شام کا حاکمِ مختار اپنے اپنے مقامات پر مقیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشیں ہیں، لیکن ان کے دل و دماغ کو اس حبیب ﷺ نے فتح کر لیا ہے اور اب اُن کو فدوی باخلاص کہلانے میں وہ مزہ ملتا ہے جو شاہِ گردوں قباب کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے، وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے، وہ روح ورواں ہے اور تاب و تواں کی جان ہے۔

۳۸-[قاسم:] وہ قاسم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ مُعْطِیْ[1] دینے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔ حضور ﷺ نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات و تدلیات کو بصیرت افروز بنایا، کن کن آلاءِ نعم سے دنیا کو متمتع کیا اور کن کن عطایا سے اہلِ دین کو ممتاز بنایا، یہ ایک وسیع بیان ہے۔

---

[1] [بخاری، کِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ.بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: فَإِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ، ح۳۱۱۶]

اس عرب کو جو گرسنہ علوم اور تشنہ حقائق تھا، حضور ﷺ ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا۔ جن نعمتوں کے گنجینہ دار اہلِ زر تشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے اور جس پر شاد کے بھنڈاری گنگا جمنا پر قبضہ کرنے والے تھے، اُن جملہ خزائن و دفائن کو حضور ﷺ نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔ وہ عرب جو اَب تک ریگ بیاباں اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے، انھی لوگوں نے اپنی عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا، انھی نے ہر ایک صادر و وارد کو اپنے دستر خوان پر بٹھلایا، انھی نے مساکین وابنائے سبیل کے لیے مشرق سے مغرب تک لنگر جاری کیے، پیاؤ بٹھلائے، برابر کا بٹھلایا، برابر کا پلایا، غیروں کو اپنا کیا اور دشمنوں کو چھاتی سے لگایا اور اس طرح پر آج تمام دنیا زلہ خوارِ کرم مصطفیٰ ﷺ [1] ہے اور جملہ اہلِ عالم نمک خوار احمد مجتبیٰ ہے۔ ورنہ یہ حقائق، یہ معارف دنیا کو کہاں نصیب تھے۔

۳۹-[مصطفیٰ:] وہ مصطفیٰ ﷺ ہے، نبی ﷺ کے خاص اسمائے مبارک میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اسمِ مصطفیٰ اب حضور ﷺ کے لیے بطور عَلَم مستعمل ہے اور دوسرے کے لیے نہیں۔ آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح اور ابراہیم و موسیٰؑ خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں، جن کے لیے فعلِ اصطفا کا اِطلاق ہوا ہے اور اصطفا کا سبب یا ذریعہ کلامِ الٰہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔ یہ وجوہِ امتیاز بدرجہ اتم واکمل وجود نبی ﷺ میں موجود ہیں۔ کتاب استثنا کے باب ۱۸ میں نبی ﷺ کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔ وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تکمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ لہٰذا محمد ﷺ ہی وہ برگزیدہ ہستی ٹھہرے جن کا نام مصطفیٰ ہوا اور جن کا اصطفا ہر ایک مقدس کے اصطفا سے برتر و اعلیٰ ہو۔

---

[1] [زلہ خوار کے معنی ہیں بچا ہوا کھانا کھانے والا۔]

قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ [اٰل عمران ۳:۳۳] فرمایا گیا ہے۔ آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیمؑ خود اور حضور ﷺ کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ ہے ہی یہی کہ آلِ ابراہیم کا اصطفا حضور ﷺ ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

۴۰-[مطاع:] وہ مطاع ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لیے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیائے الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے، اور اطاعتِ انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعتِ ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیے جائیں گے۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانونِ محکم ظاہر فرمادیا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ [النساء ۴:۶۴]

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمایا: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [النساء ۴:۸۰] اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اُس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔

بعدازاں فرمادیا: وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا [النور ۲۴:۵۴] اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔

قرآن مجید میں مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ [التکویر ۸۱:۲۱] حضرت جبرئیلؑ کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورۂ تحریم میں وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ [التحریم ۶۶:۴] نازل کیا گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں، جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مومنین۔ ہر دو آیات نے نبی ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرمادیا۔

لہٰذا اب کوئی نبی یا مرسل، کوئی ملک یا حامل وحی، کوئی پیرومرشد، کوئی امام، کوئی شہید، یعنی مخلوقِ الٰہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کر سکتا ہو یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعثِ ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو۔ حدیث پاک وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَّمَا وَسِعَهٗ اِلاَّ اتِّبَاعِیْ [1] اسی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خوان اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الٰہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰؑ کی اطاعت کا مدعی بن کر حضور ﷺ کی اطاعت سے اظہارِ [استغنا] کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دُور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے مہجور۔

نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحابِ کرام کے مدارج و مناسب اس لیے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سراست کسے — کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اوست

بیندار سعدی کہ راہِ صفا تواں یافت — جز در پئے مصطفیٰ ﷺ

۴۱-[ماحی:] وہ ماحی ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث پاک عن جُبیر بن مطعمؓ میں ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِیْ خَمْسَةَ اَسْمَآءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ [2]

---

[1] [مسند احمد، ۳، ص ۳۳۸، حدیث ۱۴۵۶۵]

[2] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الصف، ح ۴۸۹۶، مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابُ فِي أَسْمَاءِهِ ﷺ، ح ۶۱۰۵۔ ترجمہ: میرے پانچ نام ہیں: میں محمد، احمد اور ماحی ہوں۔ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا۔ میں حاشر یعنی اکٹھا

حضور ﷺ ماحی ہیں۔ کفر وضلالت کو محو کرنے والے، شرک اور ماسوا پرستی کو مٹا دینے والے، حجاب رسم و نفس کو اٹھا دینے والے، کفران وخذلان کے غاروں کو بھر دینے والے، طغیان و عصیان [کی] بلند بلند چوٹیوں کو [زمین سے] پیوست کر دینے والے حضور ﷺ ہی ہیں، جنھوں نے عرب کے تین سو ساٹھ بتوں کو وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [بنی اسرائیل ۱۷:۸۱] کا حکم سنا کر اوندھے منہ گرایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں، جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم کو والدۂ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی تعلیم نے مانی مشروک کی ناپاک تعلیم سے ایران کو نجات دی۔ حضور ﷺ ہی ہیں، جن کی ہدایت نے دام مارگیوں، چترر نگدیوں جیسے فحش پسند فرقوں کا بیڑہ غرق کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے معصوم بچیوں کو پیوندِ خاک ہونے سے اور ناکردہ گناہ دلہنوں کو زندہ نذرِ آتش بنائے جانے سے بچایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے خمر وقمار کو رجس و نجس بتایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے ایک نشیلی چیز کو جوہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد ورذائل کو مٹانا، [مکارِہ و مآثم] کو محو کرنا حضور ﷺ ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کا ماحی ہونا مسلم ہے۔

۴۲-[حاشر:] وہ حاشر ہے۔ قیامت کے دن مرقد پاک اور آرام گاہِ خاص سے سب سے پہلے سر اٹھانے والے احیائے موتیٰ کی کیفیت کا ملاحظہ کرنے والے، منادیٔ رب العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والے، عذر خواہیِ اُمت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں۔

کرنے والا ہوں، قیامت کے دن لوگوں کو میرے پاؤں میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اور میں آخر میں آنے والا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مدوّن)]

۴۳-[عاقب:] وہ عاقب ہے۔ سب سے پیچھے آنے والا۔ جملہ انبیاء کی اقتدا کو جمع کرنے والا، عدیم النظیر، عدیم المثال، آغاز نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا اتمام۔

۴۴-[نور:] وہ نور ہے اُسی کے دین پر چلنے والا فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ [الزمر ۳۹:۲۲] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے: وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۔ [الاعراف ۷:۱۵۷] اس نور کا اتباع کیا جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔

اسی کا مبارک نام سورۂ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ [المائدۃ ۵:۱۵]

[تفسیر] خازن و معالم [التنزیل] میں نور کو نبی ﷺ ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ﷺ ہی وضوحِ امر اور تبینِ نبوت میں نور ہیں اور حضور ﷺ ہی کی تعلیم تنویرِ قلوب کے لیے نور ہے۔ حبیب اللہ ﷺ کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ مجیب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذاتِ سبحانی کسی کا سوال ردّ بھی فرماتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا[1]

الٰہی! میرے قلب میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور۔ نور کو میرا بنا دے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور

---

[1] [اس مفہوم پر مشتمل دعا کے سب سے تفصیلی الفاظ ترمذی ابواب الدعوات کے "بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُوْلُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ إِلَى الصَّلَاةِ" کے بعد "بَابٌ مِنْهُ" میں مذکور ہیں مگر اس کے ہر فقرے میں نور کا لفظ مقدم ہے۔ اس کے علاوہ اس دعا کے کچھ حصے بخاری، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَهَ مِنَ اللَّيْلِ، مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ، بَابُ الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِهِ، اور أَبُو دَاوُدَ، كِتَابُ التَّطَوُّعِ، بَابُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ، میں مذکور ہیں۔ (مدوّن)]

ہو، میرے بالوں میں نور ہو، میرے چہرے پر نور ہو۔ یااللہ مجھے نور عطا فرما۔ یااللہ! میرے نور کو بڑھا، یااللہ مجھے نور ہی بنا۔

کعب بن زہیرؓ قصیدہ ''بانت سعاد'' میں کہتے ہیں:

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ

۴۵-[مدّثّر:] وہ مدثر ہے۔ تدثیر کے معنی ہیں طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا۔ کاشانۂ عالم حضور ﷺ کے علوِ مراتب کے مقابلے میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہلِ عالم کی ضروریاتِ مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرما دیتا ہے۔ یہ تکمیل، انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیرِ خلائق از علائقِ مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے۔ رجزور جس کو دُور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہلِ عالم کو مطہر بنانا اسی مُدثر کا کام ہے۔

۴۶-[مزّمّل:] وہ مزمل ہے۔ اس کی آنکھیں دنیائے تیرہ و تاریک کے بدنُما چہرے کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے کان عالم زُور کے کذب و بُہتان کو نہیں سن سکتے۔ وہ گھبرا کر غارِ حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے، اس کی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قُدسیہ کو اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ ملکوتِ اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کلامِ لم یزلی سامع نواز بن جاتا ہے۔ اس وقت ترہب و تبتّل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظلمت کدۂ آفرینش سے بیزار ہوئے، اکثر اُنھوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ دانش مند بُدھ مرتاض دیوجانس، رشی دید بیاس وغیرہ نے جو آسمانِ تاریخ کے روشن کواکب ہیں، اسی روش کو پسند فرمایا۔ ہزاروں نن اور منک نے نیک نیتی سے رُہبانیت ہی کو اس دنیائے غدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا۔ ہزاروں چینی درویش اسی ریاضت میں اپنی جان پر کھیل گئے۔

قدرتِ ربّانیہ نے تبتّل کا نسخہ اسی مُزّمّل کو بتایا۔ وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سارا دن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری رات اپنے مالک کے سامنے

معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی انذار و بشارت سے بعض کے سامنے فرعونیوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے، اور بعض کو ہلاکت و تباہی کے بحرِ احمر سے بخیر و سلامت گزر جانے کے لیے دلیلِ راہ بن جاتی ہے۔ ہاں وہ مزمل ہے۔ وہ فرعونیوں کے لیے موسیٰ جیسا شکوہ، اور ایمانیوں کے لیے عیسیٰ جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کے لیے ہدیِ محمد ﷺ لے کر آیا ہے۔

۴۷-[مشہود:] وہ مشہود ہے۔ امام قرطبیؒ کا بیان ہے کہ ''انبیاءؑ شاہد ہیں اور محمد ﷺ مشہود ہیں۔'' قرطبیؒ کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوبؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یسعیاہ، دانی ایل، یرمیاہ، حبقوق، یوحنّا، مسیحؑ نے حضور ﷺ کی شہادت ادا کی ہے۔ حضور ﷺ کے خیر مقدم کی اطلاعیں دی ہیں۔ حضور ﷺ کا حُلیہ، حضور ﷺ کا مقامِ ولادت و ہجرت، حضور ﷺ پر کلام اللہ کا نزول، حضور ﷺ کی پاک تعلیم اور راست بازی کا ملہ کے دروسِ پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ انبیاءؑ کی زبان پر بالتحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل، سر مور واشنگٹن، جان ڈیون، ایڈورڈ گبن جیسے بے باک آزاد خیال بھی حضور ﷺ کی روشن ضمیری، خیر خواہیِ خلائق، بے لوث زندگانی، پاک ترین حیات، پاک ترین مقصود کے لیے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانے کے مداحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔

ہاں، وہ زمین و آسمان جس میں روزانہ اس کی عبودیت و رسالت کی شاہانہ نوبت اوقاتِ خمسہ میں بلند آوازہ ہے حضور ﷺ کا مشہود ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

۴۸-[رؤفٌ رحیم:] وہ رؤف اور رحیم ہے، ہر دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور ﷺ کا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ [التوبۃ۹:۱۲۸] ہونا مسلم ہے۔ اختصار نگار کے لیے یہی سند کافی ہے۔

۴۹-[مذکّر:] وہ مذکّر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو، وہ آگے بڑھتا ہے۔ خشک پتھروں کی اُوٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی

تذکیر فرماتا ہے اور وہی مبارک نام جس کی تذکیر فرمائی گئی، سننے والوں کے دل و زبان پر بطور ذکرِ دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی محفلوں، سالانہ منڈیوں، پُر رونق میلوں ٹھیلوں میں جاتا ہے اور یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا[1] کی تذکیر فرماتا ہے۔

وہ پہاڑ پر جاتا ہے، پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام غافلوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدانِ جنگ میں نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا ہے، اُس کا بازو، اُس کا سر، اُس کے دو دندان سنگ باری سے مجروح ہیں، لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے۔ وہ بستر پر پڑا ہوا ہے، دو دن سے شدید تپ ایک منٹ کے لیے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ دردِ سر بھی ہے، ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہے، لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے۔ وہ وصایا و نصائح سے اُمت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے اور اللہ پاک کا نام تلقین کر رہا ہے۔ وہی مذکّر ہے اور تذکیر اسی پر ختم ہے۔

۵۰-[مبارک:] وہ مبارک نام ہے۔ لفظ برکت، برک البعیر سے ماخوذ ہے۔ اُونٹ کا جم کر بیٹھ جانا۔ اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معانی داخل و شامل ہیں۔ وہ مبارک ہے، اسی کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے، اُسی کی شریعت نسخ سے مبرا ہے، وہی تا قیامِ قیامت سب کا ہادی ہے۔ اسلام جہاں پہنچ گیا، جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں، وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ سیدنا حسان نے حضور ﷺ کے اس اسم کا استعمال کیا ہے:

صَلَّى الْاِلٰهُ وَمَنْ يَّحُفُّ بِعَرْشِهٖ وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدَ

سیدنا عباس بن مرداسؓ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے:

وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا وَبَايَعْتُ بَيْنَ الْاَخْشَبَيْنِ الْمُبَارَكَ

---

[1] [مسند احمد، ج۳، ص۴۹۲، ح۱۵۹۶۵]

۵۱-[مہاجر:] وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین وانصار کے فضائل و مدائح سے مملُوء ہے۔ مہاجرین کو انصار پر مزیّت خاص اور امتیازِ خاص ہے۔ مہاجرین وہی ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کی اقامت کو پورا کیا۔ گھر بار، خویش و تبار، وطن و دیار کو ترک کر دیا۔ مگر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی ہجرت حضور ﷺ ہی کی ہجرت سے مقبول ربّانی ہوئی۔

حضور ﷺ مہاجر ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم و لوط و اسماعیل و موسیٰ و ہارونؑ بھی مہاجر تھے۔

۵۲-[ہادی:] وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے معنی و مفہوم دو ہیں:

(الف) کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا۔ آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔[القصص ۲۸:۵۶] تو ہدایت نہیں دے سکتا اُسے جسے تو پسند کرتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کسی کو بھی وہ چاہے۔

(ب) کسی کو ایمان و یقین کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہینِ رُوحانی یا عقلی سے اور اپنے افعالِ حمیدہ و اقوالِ حکیمہ سے مستحکم کرنا، بلاشائبۂ غرض اور بلاآمیزشِ طمع خالصتاً خیر خواہی و نیک سگالی کے فرائض ادا کرنا۔ اس مفہوم کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیتِ ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [الشوریٰ ۴۲:۵۲] تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔

نبی ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جُملہ بہترین طریقوں کو جمع فرما دیا تھا۔ کشادہ رُوئی، نرم خوئی، خُلقِ عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی، واضح بیانی ایسی کہ جو لفظ زبانِ مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اُتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ژولیدہ تقریروں اور مغلق الفاظ اور الزامِ خصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیے تھے۔ حضور ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا یا انسان کے ماحول کو انسان کے لیے دلیلِ راہ بنا دینا حضور ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر اُن قوانینِ فطرت کو کھول دیا تھا، جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے دلائل بھی براہِ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

مع ہذا حضور ﷺ نوعِ انسانی کے لیے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، حضور ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور حضور ﷺ کے اقوال حضور ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر و باطن کے توافق اور افعال و اقوال کے تطابق نے حضور ﷺ کو نوعِ بشر کا سچا ہادی بنا دیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الفہری ؓ نے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

يَانَبِيَّ الْهُدٰى إِلَيْكَ لِجَاجِي قُرَيْشٌ وُلِدْتُ حِينَ بِحَاءٍ [1]

نابغہ جعدی کا شعر ہے:

اَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ إِذْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَيَتْلُوْ كِتَابًا كَالْمُجَرَّةِ نَيِّرًا [2]

۵۳-[یٰسٓ:] وہ یٰسٓ ہے۔ وہ سیّد ہے۔ وہ سیّد النّاس ہے۔ وہ سیّد البشر ہے۔ اس کا صدق، اس کی دیانت، اس کی راستی سب پر ثابت ہو چکی ہے، اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ

---

[1] [الاصابۃ میں یہ شعر ان الفاظ کے ساتھ درج ہے: يَا نَبِيَّ الْهُدٰى إِلَيْكَ لِجَأَ حَيُّ قُرَيْشٍ وَلَاتَ حِينَ لَجَاءِ. (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۲، ص۵۶) الاستیعاب میں ایک مقام پر آخری الفاظ یہ ہیں: وَأَنْتَ خَيْرُ لَجَاءِ. (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج۱، ص۲۲۵) پہلے والے الفاظ زیادہ درست معلوم ہوتے ہیں۔ (مدوّن)]

[2] [الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج۱، ص۴۷۸]

کریں۔ قرونِ ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نسمۂ طیبہ [پاکیزہ فرد] کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سیّد وہ ہے جو اکیلا آیا، سیکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکالنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا، مگر اس کی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک براعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لیے بینائی ہے اور وہی بیناؤں کے لیے روشنی، دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا، بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا، اسرائیلیوں اور اسماعیلیوں کی منافرت کو دُور کرنے والا، عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا۔ وہ احرار کا سیّد اور غلاموں کا مولیٰ ہے۔ امویہ، عباسیہ، فاطمیہ، رخشیدیہ مغلوں اور ترک، افریقی و مراکشی، الجزائری و حجازی اگرچہ اپنی اپنی فرمان دہی و حکمرانی میں اپنے آپ کو لاثانی سمجھتے ہیں۔

ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت و شوکت سے انکاری ہے، لیکن حضور ﷺ کی کفش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت واورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ ہی سیّد ہیں اور حضور ﷺ ہی سرورِ عالم۔

۵۴-[خاتم النبیین:] وہ خاتم النبیین ہے۔ آیت قرآنیہ میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ [الاحزاب۳۳:۴۰] فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ طبائع انسانی پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔ اس آیت سے پیشتر ہی بنی اسرائیل میں سیکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا۔ چین و ایران میں بھی سروش یزدانی کا نزول اور ملکوتی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اُترتی رہیں، مگر اس آیت کا اُترنا تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور جمیع اقوام کے علم و خیال اور دل و دماغ سے وجودِ نبوت اور اس کے دعویٰ کے اظہار کا تصور و تخیل ہی اُٹھ گیا۔ سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوت کے دروازوں پر قفل ڈال دیے اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صاد کر دیا۔

دیکھیے اسے کہتے ہیں نصرتِ ربانی اور اسے کہتے ہیں کلامِ ربانی، جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مخالفین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا عملی اتفاق پیش کر دیا۔ نظامی گنجوی فرماتے ہیں:

نبوت را توئی آں نامہ در مشت — کہ از تعظیم دار و مہر بر پشت

عباس بن مرداس اسلمیؓ فرماتے ہیں:

یَاخَاتَمَ النَّبَاءِ اِنَّکَ مُرْسَلٌ بِالْحَقِّ — کُلُّ ھُدَی السَّبِیْلِ ھُدَاکَا

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسم مبارک احمد ﷺ کے اعداد (۵۴) پر ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر کبھی اسے اسم مبارک محمد ﷺ کے اعداد (۹۲) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف [میں] بھی ذرا وسعت و فسحت سے کام لیا جائے گا اور پھر بھی یہی ہو گا کہ اس اعتراف کو مکرر سہ کرر دہرا تا رہوں گا۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار — گلچین تو از تنگیِ داماں گلہ دارد

اخلاقیاتِ نبوی ﷺ

فصل اول

سنتِ مصطفویہ وطریقۂ محمدیہ

قاضی عیاض [1] نے کتاب الشفا میں حدیث ذیل بروایت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ بیان کی ہے۔اس سے نبی ﷺ کے محاسنِ اخلاق اور مکارمِ عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔ [2]

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ: اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِيْ وَالْحُبُّ اَسَاسِيْ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ وَذِكْرُ اللهِ اَنِيْسِيْ والثِّقَةُ كَنْزِيْ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ وَالْعِلْمُ سِلَاحِيْ وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ وَالْعِجْزُ فَخْرِيْ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ وَالْيَقِيْنُ قُوَّتِيْ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ والطَّاعَةُ حَسَبِيْ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ [3]

علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا: معرفت میرا راس المال ہے۔ عقل میرے دین کی اصل ہے۔ محبت میری بنیاد ہے۔ شوق میری سواری ہے۔ ذکر الٰہی میرا انیس ہے۔ اعتماد میرا خزانہ ہے۔ حزن میرا رفیق

---

[1] مصنف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وہ اُن کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور مشارق الانوار سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فضائل و شیم و خصائل کے بیان صحیح میں اُن کو جو شغفِ قلبی ہے، وہ اُن کی کتاب الشفا فی بیان حقوق المصطفیٰ سے خوب واضح ہے۔ مصنف کی ثقاہت اور امانت فی الدین توثیقِ حدیث کے لیے مکتفی ہے۔ مع ہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہو جاتی ہے۔

[2] شرح حدیث کے وقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی الفقیہ، الحنبلی المفسر النحوی الاصولی المتکلم الشہیر بابن قیم الجوزیہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام الہروی عبداللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوۃ الحافظ الاعلام کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے۔ اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ جَزَاهُمَا اللهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ.

[3] الشفاء، قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۴۶-۱۴۷

ہے۔ علم میرا ہتھیار ہے۔ صبر میرا لباس ہے۔ رضا میری غنیمت ہے۔ عجز میرا فخر ہے۔ زُہد میرا حرفہ ہے۔ یقین میری خوراک ہے۔ صدق میرا ساتھی ہے۔ طاعت میرا بچاؤ ہے۔ جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

۱-[معرفت، اصل پونجی]

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ معرفت میری اصل پُونجی ہے۔

راس المال اُس رقم کو کہتے ہیں، جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا، جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے۔ حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمایا گیا ہے۔ معرفت، لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاحِ عُرفا میں اس کا استعمال ہدایت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔ واضح ہو کہ معرفت کی ابتدا خود نفسِ انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدمؑ کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے اُنھوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں۔ پھر اُسی وقت اُنھوں نے درختوں کے پتّے جمع کیے اور اُن کو ٹانک ٹانک کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔ پدرِ اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اُس کے ازالے کی تدبیر کرنا چاہیے۔

[علم اور معرفت میں فرق]

لُغت اور شرع میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں۔ اہلِ علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظِ معرفت سے برتر ہے۔ گو متصوّفین کی اصطلاح میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظِ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱-وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ [المائدۃ ۵:۸۳] جب اُنھوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اُتارا گیا، تب اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اُنھوں نے حق کی شناخت کر لی۔

۲-وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۔ [یونس ۱۰:۴۵] جس دن ہم اُن کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں۔ تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔

۳-وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ [یوسف ۱۲:۵۸] جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے اُن کو شناخت کر لیا۔

۴-اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ [البقرۃ ۲:۱۴۶] جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اُس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت اُن کو اپنے فرزندوں کی ہے۔

ہر چہار آیاتِ بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں۔

اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھو:

۱-فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ [ھود ۱۱:۱۴] جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔

۲-اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۔ [النساء ۴:۱۶۶] اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔

۳-وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا [طٰہٰ ۲۰:۱۱۴] اے نبی ﷺ! یہ دعا کیجیے کہ اے رب! مجھے علم میں بڑھائیو۔

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔ بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اُس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔ لہٰذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جا سکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمانے سے اُسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے ہادیِ راہ بن جاتا ہے۔

[معرفت کی نشانیاں]

واضح ہو کہ اہلِ تصوف نے امارات اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ شبلیؒ [ف ۳۳۴ھ] فرماتے ہیں:

"عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ، مُحب کو شکوہ سے کیا نسبت، بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق۔"

جُنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا: عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے۔" اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر اَلوانِ عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی ابتلائے ربّانی کے سامنے صابر ہوتا ہے اور کبھی نعمائے ربّانی کے سامنے شاکر، کبھی وعدہائے صدق کی بشارت سے اُس کا قلب خلدِ بہار ہوتا ہے اور کبھی مواعیدِ الٰہی سے وہ سراپا عجز وانکسار!

ذُوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:

۱- نورِ معرفت پر نورِ ورع غالب ہو۔

۲- اعتقادِ باطن، حالتِ ظاہر سے متناقض نہ ہو۔

۳- نعمِ الٰہیہ کی فراوانی سے محارمِ الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر اُنس و انشراح ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے:

اَنَا اَعْرَفُکُمْ بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّکُمْ لَہٗ خَشْیَۃً[1] میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اُس کے سامنے خشیت والا ہوں۔

گو معنیٔ بالا کو الفاظِ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے، جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف، صفات پر ایمان رکھتا ہے اور اُن کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا [ہے]۔ وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر وہ صفات وذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل، وسائط، براہین اور شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب ورُوح کو اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے، تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ۔ [الفاتحۃ، ۱:۷] کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

۲-[عقل، دین کی جڑ]

اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ۔ میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدۂ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہمِ انسانی سے بالاتر ہے۔ وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ، خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔

---

[1] [یہ حدیث ہو بہو ان الفاظ میں نہیں ملی۔ کشف الخفا اور المقاصد الحسنۃ میں اَنَا اَعْرَفُکُمْ بِاللّٰہِ کے الفاظ تو موجود ہیں، مگر اَشَدُّکُمْ لَہٗ خَشْیَۃً کی جگہ أَخْوَفُکُمْ آیا ہے۔ دیکھیے: کشف الخفا، ج۱، ص۲۰۰۔ المقاصد الحسنۃ، ج۱، ص۵۳۔ جہاں اَشَدُّکُمْ لَہٗ خَشْیَۃً کے الفاظ ہیں وہاں پہلا فقرہ أَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ ہے۔ مثلاً دیکھیے: تفسیر الکشاف، سورۃ الفاطر، آیت ۲۷، عمدۃ القاری شرح البخاری، کِتَابُ الْعِلْمِ. بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، ج۲، ص۴۱۔ جب کہ بخاری و مسلم میں بالکل مختلف الفاظ ہیں: إِنَّ أَتْقَاکُمْ وَأَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ أَنَا (بخاری، کِتَابُ الْإِیمَانِ. بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ: أَنَا أَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ، ح۲۰)، فَوَاللّٰہِ لَأَنَا أَعْلَمُہُمْ بِاللّٰہِ وَأَشَدُّہُمْ لَہٗ خَشْیَۃً. (مسلم، کِتَابُ الْفَضَائِلِ. بَابُ عِلْمِہِ ﷺ بِاللّٰہِ تَعَالَی وَشِدَّۃِ خَشْیَتِہِ، ح۶۱۰۹)]

مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا۔ عقل اور عاقلین کی فضیلت آیاتِ قرانیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

۱- كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ [الروم:۲۸:۳۰] ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔

۲- وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ [العنکبوت۳۵:۲۹] ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں، عقل والوں کے لیے۔

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے:

۳- وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ [یونس۱۰۰:۱۰] رجس اُنھی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔

بتلایا گیا کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور انہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں:

۴- وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۔ [العنکبوت۴۳:۲۹] ان باتوں کی عقل اہلِ علم ہی کو ہے۔

بے شک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور اُن حِکم پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اُسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکامِ شرعیہ کا تعلق بطریقِ مستحکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھو:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ [العنکبوت۴۵:۲۹] نماز تو بدکاریوں اور بُرے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

روزے کے لیے یہ حکم پڑھو:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ [البقرۃ۱۸۳:۲] تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۔[ابراھیم ۱۴:۷] اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔

حج کی بابت جو حکم ہے اُس کے فوائد پر غور کرو:

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ۔[الحج ۲۲:۲۸] تاکہ تم اپنے اپنے نفع کو دیکھ لو۔

قصاص کا اثر مجرم کے لیے:

لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۔[المائدۃ ۵:۹۵] تاکہ اپنے بُرے کام کا وبال دیکھے۔

قصاص کا فائدہ مالک کے لیے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ ۔[البقرۃ ۲:۱۷۹] تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے۔ عقل ہی بُرہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اسی لیے مخالفین کو فرمایا گیا ہے:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔[البقرۃ ۲:۱۱۱] کہہ دیجیے کہ تم اپنی بُرہان پیش کرو، اگر تم سچے ہو۔

عقل، جبر و اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتابِ حمید میں ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۔[البقرۃ ۲:۲۵۶] دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔

اِن جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمینِ عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اُسے پالا گیا ہے۔

نبی اُمی ﷺ کا یہ فرمانا کہ اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ اس دین کے من جانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ [البقرۃ ۲:۲۶۹]

مسلمان نوجوانوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل، اپنا فہم سمجھا کرتے تھے۔ یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔ جو لوگ قانونِ سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے قُفل اُتارنے سے عاجز ہیں، اُن کا کیا حق ہے، اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحبِ شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

۳-[محبت، بنیاد ہے]

وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ۔ محبت میری بنیاد ہے۔

واضح ہو کہ تغزل و ابیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے، مگر فرقانِ حمید اور حدیث پاک ﷺ میں لفظ عشق اور اُس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ذلیل لفظ ہے اور اصل لُغت کے لحاظ سے معنیٔ حُبّ سے عاری ہے۔ قاموس میں ہے: اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَالْعِشْقُ مِنْ فَنِّهٖ جنون کی بہت اقسام ہیں، عشق بھی یکے از اں جملہ ہے۔ لہٰذا لفظ حُبّ کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔

[حُبّ کی لغوی تحقیق]

زبانِ عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

۱-حَبَّبَ الْاَسْنَانُ۔ دانت روشن اور صاف ہیں۔

۲-حَبَّبَ الْمَآءُ۔ پانی نتھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انھی معنی کے لحاظ سے بُلبلے کو حباب کہتے ہیں جس میں علو اور صفائی پائی جاتی ہے۔

۳-حَبَّ الْبَعِیْرُ۔ اُونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اس محاورہ میں حُبّ کو لزوم و ثبات کے معنی میں لیا گیا۔

۴-حَبٌّ۔ دانہ و تخم یا اصل شے۔ اسی لیے سویدائے دل کو حَبَّۃُ الْقَلْبِ کہتے ہیں۔ اسی لیے دانہ کو حَبّ (جس کی جمع حبُوب ہے) بولتے ہیں۔

۵-حَبُّ الْمَآءِ۔ وہ جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے۔ یہاں حفاظت و نگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حُبّ کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے، حرکتِ ضمہ دی گئی، جو جملہ حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ حُبّ میں اوصاف صفا و بہا اور علو و ارتقا اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے، حُبّ ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حُبّ ہی کے حفظ و تمسک کو مایہ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔ بے شک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے۔

[محبت، قرآن و حدیث میں]

اللہ تعالیٰ نے اثباتِ محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے:

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ [البقرۃ ۲:۱۶۵] یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے، مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عزوجل کو ہونا (ہر دو اُمور کو) ثابت فرمایا ہے:

فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۔ [المائدۃ ۵:۵۴] اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

۱-اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ ثُمَّ الْجِھَادُ [1] اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے، پھر جہاد ہے۔

۲- اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ مَا دَاوَمَ عَلَیْہِ صَاحِبُہٗ [2] سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے، جس پر عمل والا مداومت کرے۔

۳-اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْخَذَ بِرُخَصِہٖ [3] اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔

۴-اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی اَوَّلِ وَقْتِھَا [4] سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے جو اوّل وقت پر پڑھی جائے۔

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اُس محبت کا ذکر تھا جو اُسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے۔

اب بندوں کی محبت کا ذات پاک کے ساتھ ہونا آیتِ ذیل میں بصراحت ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ۔ [التوبۃ ۹:۲۴]

---

[1] [بخاری، کِتَابُ الْعِتْقِ، بَابُ أَيِّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ.، ۲۵۱۸، کتاب التوحید، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا. تَرْجَمَةُ الْبَابِ. (باختلاف الفاظ)]

[2] [مسلم، كِتَابُ الصِّيَامِ، بَابُ صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ.، ح۲۴۲۳]

[3] [إِتْحَافُ الْخِيَرَةِ الْمَهَرَةِ بِزَوَائِدِ الْمَسَانِيدِ الْعَشَرَةِ، ج۲، ص۹۷۔ زیادہ تر کتب میں رُخصتُہٗ کی جگہ رُخَصُہٗ (بصیغۂ جمع) آیا ہے۔ دیکھیے: تہذیب الآثار للطبری، ج۱، ص۳۵۸۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج۷، ص۱۵۴۔ مجمع الزوائد، ج۳، ص۱۶۳۔ کنز العمال، ج۳، س۳۴]

[4] [یہ حدیث ان الفاظ میں نہ مل سکی۔ مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک صحابی نے پوچھا: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: الصَّلَاةُ عَلَىٰ وَقْتِهَا. دیکھیے: كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ بَيَانِ كَوْنِ الْإِيمَانِ بِاللهِ تَعَالَىٰ أَفْضَلَ الْأَعْمَالِ.، ح۲۵۲]

کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، بیویاں اور خویش و قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو، اور تجارت جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو، اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، تب انتظارِ مہلت کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔

اس آیت میں انسان کی اُس محبت کا، جو اُسے مادر و پدر، دختر و پسر، برادر و خواہر، خویش و قبیلہ، تجارت و منفعت، قصر و باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیا کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔ اس کے بعد اَحَبِّیّت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت ان جملہ انواعِ محبت پر غالب تر ہے، تب تو سب کچھ ٹھیک، لیکن اگر خدانخواستہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت سے ان اشیا کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی، تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارے میں جو حکم اللہ تعالیٰ چاہے گا، وہی جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن اور تَبَتُّل کا راز منکشف کر دیا ہے اور تَوَحُّش و تَرَهُّب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہِ عدل قائم فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اُس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے وہ عبودیت ہے۔ یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسنِ اعمال [کا] سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف و رجا کا معدن ہے، محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقامِ رضا پر اور کبھی مقامِ شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو، ورنہ اُس کا نام بیچارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو، ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب و تعظیم کی ہوا میں پلی ہو، ورنہ اُس کا نام انفعالِ طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے جو محب کو بجانب محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جود و نوال کی جانب منجذب ہو جائے، ورنہ اُس کا نام تنگ دستی ہو گا۔

الغرض محبت ہی قُوتُ القلوب ہے اور محبت ہی غذاء الارواح ہے۔ محبت ہی قرۃ العیون ہے، محبت ہی حیٰوۃ الابدان ہے، محبت ہی دل کی زندگی ہے، محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے، محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی ہے، محبت ہی بقا کو تختِ ارتقا پر بٹھلاتی ہے۔

[محبت کے مدارج]

اب ہم مدارجِ محبت کا ذکر کرتے ہیں:

۱- محبت کی ابتدا علاقہ سے ہوتی ہے یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔

۲- اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

۳- اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے اسی طرح محب کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

۴- اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت ایک جلن رہنے لگتی ہے۔

۵- اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفتِ وِداد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

۶- اس پر ترقی و افزونی ہوتی [ہے] تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعرِ قلب (دل کے گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کے برداشت اور موانعات کی سبکی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر قرب اور مواصلات وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔ محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

۷- اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے، یہ لفظ اسم عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے، جس درخت پر چڑھ جاتی ہے، اسے خشک کر دیتی ہے اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

۸-اس سے آگے درجہ یُتم کا ہے۔ یُتم کے معنی ''غلامی'' ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور اُن سے رہائی پانا اُس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

۹-اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے، جب کہ محب ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے، جب کہ دنیا میں کوئی شے اُس کی نہیں رہ جاتی ہے، جب کہ اُس کا جسم، اُس کا دل، اُس کی روح، اُس کی تمنا، اُس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی ہے اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

۱۰-اس سے بھی بالاتر درجہ خُلّت کا ہے۔ اب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں۔ جذبات اور متمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ، طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے، وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محب کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود محب کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہمِ انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیمؑ نے اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے کی ہے۔ الفاظ درود پاک ﷺ میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبّہ و مشبّہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں۔ ایک کو تقدیم کی اوّلیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی فضیلت۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

[محبّتِ الٰہی کے اسباب]

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر اُن اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالبِ محبت اور جاذبِ محبت ہیں تاکہ کوئی سعادت مند اُن سے تمتع حاصل کر سکے۔

اسباب بقاوارتقاے محبت الٰہیہ درج ذیل ہیں:

۱-قراءتِ فرقانِ حمید: قراءت کے تحت میں، تدبرِ معانی اور فہمِ مرادِ ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔

۲-نماز: فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت و کثرت۔

۳-دوامِ ذکر: اس لفظ کے اندر ذکر لسانی اور قلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔

۴-اسماوصفاتِ الٰہی کا مطالعہ ومشاہدہ بذریعہ قلب۔

۵-اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی وروحانی کا تذکار۔

۶-مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضورِ تام کے ساتھ وقوفِ قلبی۔

۷-ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلّی۔

۸-اپنی خواہشات کا احکامِ ربّانی پر ایثار۔

۹-محبّین وصادقین کی مجالست۔

۱۰-اُن اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندۂ ناچیز کے درمیان بُعد ودوری کا موجب ہیں۔ اِن اُمور کی مواظبت سے اُمید ہے کہ وہ سرچشمۂ محبت، جو انسان کی سرزمینِ قلب میں ودیعت ہے اور جسے خس وخاشاکِ علائق نے بند کر رکھا ہے، پھر فوارہ ساں جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زارِ تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ۔

ناظرِ کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ پر ایک بار اور تدبر کر لینا چاہیے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد ''محبت'' ہو وہ عمارت کیا ہو گی اور اُس مکان کا مکین کس نشان کا ہو گا؟ یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ ﷺ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے۔

۴-[شوق، سواری ہے]

وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ۔ شوق میری سواری ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ ''شوق'' وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ ''لقاء'' کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علماءِ فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصولِ دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''شوق'' تو اُس سفر کا نام ہے جو محب کو بجانبِ محبوب لے جاتا ہے۔ لہٰذا جب منزلِ مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیثِ زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ[1] تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقا کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثارِ محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کم تر ہے۔ کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہاں! شوق:

وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے
وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اُٹھتی ہے

شوق ہی اعضا و جوارح کو منقادِ اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔

---

[1] [نسائی، کتاب السہو، باب نوع آخر من الدعاء، ح ۱۳۰۶]

شوق ہی ہے جو آلائے اُخروی کو نعم دنیوی سے بھی قریب تر دکھلاتا ہے اور شوق ہی ہے، جو ہر ایک شکستہ پَر کو مائلِ پرواز رکھتا ہے۔

شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لکد کوب بناتا ہے۔

یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محب آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدارِ شوق محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فراوانیِ محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر اور کوئی سواری نہیں۔

یہ وہی مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پُل سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے: فَطُوْبٰى لِلْمُشْتَاقِيْنَ وَطُوْبٰى لِلْمُحِبِّيْنَ

۵-[ذکر، مونس ہے]

ذِكْرُ اللهِ اَنِيْسِيْ۔ اللہ کا ذکر میرا مونس ہے۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں:

- ذکر ہی اہلِ ایمان کا زادِ راہ ہے، جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔
- ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے، جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔
- ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گور رہ جاتے ہیں۔
- ذکر ہی وہ ہتھیار ہے، جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔
- ذکر ہی وہ پانی ہے، جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔
- ذکر ہی وہ دَوا ہے جس سے باطن کا روگ دُور کیا جاتا ہے۔

فَاِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ اَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو تمہارے ذکر کو اپنی دوا بناتے ہیں۔ کبھی کبھی ذکر چھٹ جاتا ہے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

[قرآن مجید اور ذکر]

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔

۱-ذکر کا حکم دیا گیا:

(الف) حکم مطلق بھی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۔[الاحزاب۳۳:۴۱] اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو، بہت ذکر کرنا۔

(ب) حکم مقید بھی:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً [الاعراف۷: ۲۰۵] اپنے رب کو یاد کرو۔ اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔[الاحزاب۳۳:۴۲] اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح و شام۔

۲-[ذکر کی ضد] غفلت و نسیان سے نہی فرمائی گئی:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ [الحشر۵۹:۱۹] مت بنو تم ویسے جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے اُن کو نسیان میں چھوڑا۔

۳-فلاح و نجات کو کثرتِ ذکر پر معلّق فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔[الانفال۸:۴۵] اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔

۴-اہلِ ذکر کی مدح و ثنا فرمائی ہے:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔ [الاحزاب۳۳:۳۵] مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے اُن کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔

۵-غافلینِ ذکر کے خُسران کا اعلان فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ [المنافقون۶۳:۹] اے ایمان والو! تمہارا زر و مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، جس نے ایسا کیا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۶-ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ [العنکبوت۲۹: ۴۵] نماز تو بدکاریوں اور بُرے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔

۷-قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمالِ صالحہ کا اختتام بیانِ ذکر پر ہوتا ہے:

الف: حکم نماز پر غور کرو:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۔ [النساء۴:۱۰۳] جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔

ب: اختتام حکم نمازِ جمعہ کو پڑھو:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ [الجمعۃ۶۲:۱۰] جب نماز ہو چکے، تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ۔ اللہ کے فضل کی تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ج: اختتام حکم صیام پر تدبّر کرو:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۔ [البقرۃ۲:۱۸۵] تاکہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔

د: اختتام حکم حج کو دیکھو:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ۔[البقرۃ۲: ۲۰۰] جب مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔

ہ: اختتامِ حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اُس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے۔ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ۔[1]

۸-ذاکرین کو ہی صاحبانِ عقل وہوش فرمایا گیا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ۔[آلِ عمران۱۹۱-۱۹۰:۳] آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے اُلٹ پلٹ کر آنے میں بے شک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے لیے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔

۹-ذکرِ الٰہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے۔ نماز کے متعلق ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔[طٰہٰ۲۰: ۱۴] نماز کو قائم کر میرے ذکر کے لیے۔

[احادیث مبارکہ اور ذکر الٰہی]

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے اُن کا ذکر الٰہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے:

---

[1] [جس کی تین نابالغ اولادیں فوت ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (بخاری، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَنْ مَاتَ لَهُ وَلَدٌ، ح ۱۱۷۱]

وَاِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ[1] خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکرِ الٰہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔

صحیح مسلم عن ابی ہریرۃؓ میں اہلِ ذکر کو مُفَرِّدُونَ فرمایا گیا ہے یعنی اہلِ تفرید و توحید۔[2]

ابو درداءؓ سے مسند امام احمدؒ میں [روایت] ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْنَ اَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوْا: وَمَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: ذِكْرُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ۔[3] کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستھرا کیا ہے اور تمہارے درجات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زر و سیم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو، ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کا ذکر۔

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهٗ۔[4] جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں فرشتے اُن کے گرداگرد آجاتے ہیں۔ رحمت اُن پر چھا جاتی ہے سکینہ اُن پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔

---

[1] [ابوداؤد، كِتَابُ الْمَنَاسِكِ، بَابُ فِي الرَّمَلِ.، ح١٨٨٨]

[2] [مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى ذِكْرِ اللهِ.، ح٦٨٠٨]

[3] [مسند احمد، ج٥، ص١٩٥، ح٢١٥٩٩]

[4] [مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ.، ح٦٨٥٥]

صحیح مسلم میں معاویہؓ سے مروی ہے[1] کہ نبی ﷺ صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں، اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ فرمایا: کیا قسمیّہ کہتے ہو؟ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا کہ ہاں قسمیّہ عرض کرتے ہیں۔ فرمایا:

اَمَّا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُهْمَةً لَّکُمْ وَلٰکِنْ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللهَ یُبَاهِیْ بِکُمُ الْمَلَائِکَةَ۔ سنو! میں نے تم سے حلف نہیں لیا بہ سبب جھوٹ کی تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریلؑ ابھی آئے تھے۔ اُنھوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللهِ۔[2] جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے۔

ایک اور شخص نے عرض کیا کہ مجھے احکامِ اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں، مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجیے۔ فرمایا:

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللهِ۔[3] تیری زبان برابر ذکرِ الٰہی میں جاری رہنی چاہیے۔

مسند وغیرہ[4] میں جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ ارْتَعُوْا فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ۔ اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔

---

[1] [مسلم، کِتَابُ الذِّکْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَی تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، ح۶۸۵۷]

[2] [المعجم الکبیر للطبرانی، ج۲۰، ص۹۳]

[3] [ترمذی، کِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ الذِّکْرِ، ح۳۳۷۵]

[4] -[یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ شعب الایمان للبیہقی، ج۲، ص۹۸، نیز کنز العمال، ج۱، ص۴۳۷ پر موجود ہے۔ مگر ان کے علاوہ اس قدر تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملی۔ (مدوّن)]

لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: مَجَالِسُ الذِّكْرِ۔ ذکر کی مجلسیں۔

اُغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَاذْكُرُوْا۔ مَنْ كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ اَنْزَلَهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ۔ صبح و شام ذکرِ الٰہی برابر کیا کرو، تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہو کہ اپنا درجہ خدا کے ہاں دریافت کرے اسے لازم ہے کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اُس کے دل میں کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اُس کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیمؑ سے روایت کیا ہے:

اِقْرَأْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ[1] اپنی اُمت سے میرا اسلام کہہ دیجیے اور بتا دیجیے کہ جنت پاکیزہ زمین، میٹھے پانی والی ہے، وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل، بوٹے سبحان اللہ والحمد للہ الخ ہیں۔

صحیحین میں ابو موسیٰؓ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ[2] جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اُس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔

---

[1] [ترمذی، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ فِي أَنَّ غِرَاسَ الْجَنَّةِ: سُبْحَانَ اللهِ، ح ۳۴۲۲۔ مسند احمد، ج۵، ص۴۱۸، ح۱۸۲۳۔ اس حدیث کی عبارت میں بھی رحمۃ للعالمین کا اصل مصادر کے ساتھ لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (مدوّن)]

[2] [بخاری، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ، ح ۶۴۰۷۔ صحیح مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ۔۔۔ دیکھیے: مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ، بَابُ اسْتِحْبَابِ صَلَاةِ النَّافِلَةِ فِي بَيْتِهِ، ح ۱۸۲۳]

روایت صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ۔[1] جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے میں بھی اُس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں۔ جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو اُن کے گروہ سے بہتر ہے۔

[ذکر کے طرق، اقسام اور مراتب]

یاد رکھو، کہ ذکر کے تین طریقے ہیں:

صرف زبان ذکر کر رہی ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

صرف دل ذکر کر رہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔

دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

یہ بھی یاد رکھو، اقسامِ ذکر بھی تین ہیں:

اسما و صفات اور اُن کے معانی کا ذکر، ثنائے ربانی اور توحید الٰہی۔

امر و نہی، حلال و حرام کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام، احسان اور عطیات کا بیان۔

یاد رکھو کہ مراتب ذکر بھی تین ہیں:

وہ ذکر جو غفلت و نسیان کو اُڑا دیتا ہے۔

وہ ذکر، جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

وہ ذکر، جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقّانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ التَّوْحِيدِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ: وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ، ح۷۴۰۵۔ مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى ذِكْرِ اللهِ، ح۶۸۰۵]

مبارک ہے وہ انسان، جسے ذکرِ ربّانی نے اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔

مبارک ہے وہ صاحبِ ایمان جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

۶-[اعتماد، خزانہ ہے]

اَلثِّقَةُ كَنْزِیْ۔ اعتماد الٰہی میرا خزانہ ہے۔

اصل اس بارے میں سیدنا موسیٰؑ کی ماں کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۔[القصص،۲۸:۷]جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اُسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کرنا۔

یہ ظاہر ہے کہ اس خاتونِ بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈال دیتی۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے اور اعتماد ہی دائرہ تفویض کا مرکز ہے اور اعتماد ہی قلبِ سلیم کا سویداء ہے۔

یہ اعتماد بوقتِ یاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اُس کے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ۔

یہ اعتماد بوقتِ اُمید بھی ہوتا ہے اور انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدمِ استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عالم پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے، جب کہ انسان کو نظر آجاتا ہے کہ جمادات کا ذرّہ ذرّہ، نباتات کا پتّہ پتّہ، ارضیات و سماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جوہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اُسی کے انعام سے فیض یاب اور اُسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے۔

۷-[غم، رفیق ہے]

وَالْحُزْنُ رِفِیْقِیْ۔ اندوہِ دل میرا رفیق ہے۔

خوف و خشیت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اُردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن زبانِ عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حِسّی اشیا پر ہوتا ہے۔ خشیت کا اطلاق غیر حسّی اشیا پر بہ کثرت ہوتا ہے۔

حُزن اُس اندوہِ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے، گو لب خاموش ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ میں لفظ حُزن کا استعمال انبیا و اصفیا کے لیے بہ کثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا ہے:

فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ [یٰسٓ ۳۶:۷۶] اُن کی باتوں سے اے نبی آپ کو حُزن نہ ہونا چاہیے۔

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت و رأفت نوعِ انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب اُمور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گین رہتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ [نے] اُس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم ﷺ نے غارِ ثور میں رفیق صادق ابو بکر صدیقؓ سے فرمائی تھی، یعنی لَا تَحْزَنْ۔

صدیق کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا، تب نبی ﷺ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر بابِ حزن سے قصرِ اُنس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطۂ لطیف یہ تھا کہ اُس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی ﷺ، صدیقؓ داخل و شامل تھے اُس حزن سے برتر و اعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیانک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ''اللہ'' کے ظلال میں جو معیت شامل ہے وہ جملہ اسماء حُسنیٰ کے ظلال سے بدرجہ عُلیا ہے اور کمالاتِ عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ''اللہ'' کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیتِ الٰہی کا ظہور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسما کی عظمت و رفعت بھی اُسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و علل ساقط و مضمحل ہو جاتے ہیں۔

مادرِ موسیٰؑ کو جو [وحیِ] ربانی ہوئی، وہ یہ تھی:

وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔[القصص،۲۸:۷] تو نہ خوف کیجیے اور نہ حُزن کیجیے۔ ہم اُسے تیرے پاس واپس کریں گے، ہم اُسے مرسلین میں سے بنائیں گے۔

ذرا غور کرو، کہ خوف حسّی کے مقابلے میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حُزن غیر حسّی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل ہے۔ خوف کے مقابلے میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اُسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا۔ حُزن غیر حسّی کے مقابلے میں یہ کہ اُسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے۔

ان آیات پر تدبّر اور تتبع کے بعد حدیث زیرِ عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حُزن جو ہر وقت پیراہنِ دل پاک رکھتا تھا، وہ یا تو اُمت آثمہ کی بخشش کا تھا یا اُمت عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلقِ خدا کی محبت بھری تھی اور عامۃ الناس کی ہمدردی و غم گساری حضور ﷺ کے رگ و پے میں ساری تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور ﷺ کو اس طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔ اُس کی سو بکریوں میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اُسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیئے کا شکار ہونے والی ہے۔ وہ اُس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اُسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی ﷺ کا یہ حُزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت اُمت کے لیے دُعا کرنے میں وقف فرما دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۔ [المائدۃ۵:۱۱۸] اگر تو اُن کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُن کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔

۸-[علم، ہتھیار ہے]

وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ۔ میرا ہتھیار علم ہے۔

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ، حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔ علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔ علم امام ہے، حال مامو م ہے۔ دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے، دائرہ حال صرف صاحبِ حال تک ہے۔ حال ایک تیغِ بُراں ہے۔ اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلوار اُسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔ حال ایک آگ ہے، جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو۔ حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کی اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن علم ہی ہے جو حیات القلوب ہے، نور البصائر ہے، شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے۔ علم ہی لذت الارواح ہے، اور علم ہی مونس متوحشین ہے۔ علم ہی وہ میزان ہے، جس میں اقوال و احوال و اعمال وزن کیے جاتے ہیں۔ علم ہی وہ حاکم ہے جو شک و یقین اور ضلالت و ارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔

علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے، اور علم ہی سے رب العالمین کی تحمید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔ علم ہی حلال و حرام میں فرق بتلاتا ہے۔ علم ہی مواریث و ارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے۔ آب و خورش کی ضرورت تو شبا روز میں دو بار پڑتی ہے، مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر ہے۔

علم ہی ہے، جس کی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰؑ نے سفرِ طویل اختیار کیا تھا اور اس سفر میں تین مسائل کو ثمرِ سفر قرار دیا تھا۔

علم ہی ہے، جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبی ﷺ کو دیا تھا:
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ علماً [طٰہٰ ۱۱۴:۲۰] پڑھا کر، اے اللہ مجھے علم میں بڑھایا کر۔

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتا، یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عربی میں معلَّم کہتے ہیں وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اُس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس کی جنس کے دوسرے حیوان غیر [معلَّم] کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلَّم جارحہ انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اُس کے ابنائے جنس نجس العین ہی رہتے ہیں۔ یہ درجہ اُس کو کیوں ملا؟ اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔

[علم کے مدارج]

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے جس کی ابتدائی علامت اقامتِ دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفعِ جہل ہے۔ ہاں علم کے تین مدارج ہیں:

درجہ اوّل: (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوتِ باصرہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو استفادۂ صحیحہ سے قوتِ سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم: وہ علم ہے جو اجسام زکیہ و بواطن طاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ جو اہلِ ہمت عالیہ کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

درجہ سوم: وہ علم ہے، جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقّہ کا پھل ہوتا ہے۔ جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے، تب جواد مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائقِ اصلیہ کھول دیے جاتے ہیں، [جن] تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا۔ ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر اُن مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے تھے کہ ''اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے۔'' غور کرو کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور اُن فتوحاتِ عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمراتِ علم قرار دیتے ہیں۔

در حقیقت نبی اللہ کا فخر اینٹ، چونہ، پتھر کی دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں، سکندر، تیمور، ہلاکو خاں، بوناپارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے۔ نبی اللہ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حُصُون کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے اُن یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہلِ ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتشِ جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لیے، تو انھی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبش کے نو مسلم سردارانِ دربار بھی حاضر ہوئے اور اُسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں [کو] کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے کہ وہ اللہ کے، اس کے رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسے پر اَڑے بیٹھے ہیں، جس کا علم سمندر پار حبش کو فتح کر رہا ہے، جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا عَلَم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگین نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اوٹرم نے یمن کو فتح کر کے ۶۰ ہزار فوج کا لشکر جرار مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لا ڈالا تھا۔

یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادتِ اقدس سے صرف پچاس دن پہلے کا ہے۔

ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود اُن کا بادشاہ رسولِ حجازی کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبودیت کو جھکائے گا۔

معشر مسلمین! کسی ملک، کسی قوم کو بزورِ شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں، جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ اُن کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ ایسے بہادر، ایسے تلواریے، ضرار بن الازور، شُرَحبیل بن حسنہ، عدی بن حاتم، عکرمہ بن ابی جہل، مقداد بن الاسود الکندی، مقدام بن معدی کرب، خالد بن الولید، زبیر بن العوام اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ اجمعین جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے؟

اُن کی تلواروں پر نہتّے، غریب و مسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے جری، ایسے بطل تو خوفِ شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور اُنھوں نے تو صرف خوفِ جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔

جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے، کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہزبرانِ نبرد[1] کو خادم بنا سکتی ہے، تو پھر اُن کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا اُسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ ایسی حقیقت کا مظہر ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔

جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی، اُس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو اَرزانی فرمایا تھا۔

وہ علم، جو ظلمات کو دُور کر دیتا ہے اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔

---

[1] [ہِزَبر فارسی کا ایک نادر لفظ ہے جو ''شیر'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نَبَرد کے معنی جنگ کے ہیں۔ چنانچہ اس ترکیب کے معنی ہوں گے: جنگجو شیر۔ (مدوّن)]

وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو بینا بنا دیتا ہے۔

وہ علم ہے کہ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ [الجاثیۃ ۴۵:۲۰] کی صفت اُسی پر صادق آتی ہے۔

۹-[صبر، لباس ہے]

وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ۔ صبر میرا شان دار لباس ہے۔

قرآن مجید میں ۹۰ مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

[قرآن میں صبر کی توصیف]

کتابِ حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔

ہم اختصار کے ساتھ اُن طریقوں کا ذکر کریں گے:

۱-[صبر کا حکم]: اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا:

الف: قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا [الاعراف ۷:۱۲۸] موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔

ب: وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ [البقرۃ ۲:۴۵] صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔

ج: اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا۔ [آل عمران ۳:۲۰۰] صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔

د: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ [النحل ۱۶:۱۲۷] صبر کرو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔

۲-[بے صبری کی ممانعت]: عدمِ صبر سے نہی فرمائی۔ فرمایا:

الف: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ [الاحقاف ۴۶:۳۵] صبر کیجیے، جیسا کہ "والا ہمت" رسولوں نے صبر کیا اور اُن کے لیے جلدی نہ کیجیے۔

ب: فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ [الانفال ۸:۱۵] دشمنوں کو پیٹھ مت دکھاؤ۔

ج: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ [آلِ عمران ۳:۱۳۹] اپنا دل تھوڑا نہ کرو اور غمگیں نہ بنو۔

۳-[صابرین کی تعریف]: اہلِ صبر کی ثنا فرمائی:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۷۷] جو تکلیف میں اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں، وہی ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔

۴-[صابرین سے اظہارِ محبت]: اہلِ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ [آلِ عمران ۳:۱۴۶] اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

۵-[صابرین سے اللہ کی معیت]: اہلِ صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۵۳] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک معیتِ عامہ ہے جو بذریعہ علم واحاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ، جس کا نتیجہ حفاظت ونصرت وتائید الٰہی ہوتا ہے۔ آیت بالا میں معیتِ خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

۶-[صبر بہتر ہے]: صبر کو اہلِ صبر کے لیے بہتر بتلایا:

الف: وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ [النحل ۱۶:۱۲۶] اگر تم صبر کرو، تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

ب: وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ [النساء ۴:۲۵] اور صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

۷-[جزائے اَحسن]: اعلان فرمایا کہ اہلِ صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوگی:

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ [النحل ۱۶:۹۶] ہم صبر کرنے والوں کو اُن کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔

۸-[بے حساب اَجر]: خبر دی کہ اہلِ صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ۔ [الزمر ۳۹:۱۰] صبر والوں کو اُن کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔

۹-[بشارت]: اہلِ صبر کو بشارت دی گئی:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۵۵] صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔

۱۰-[مدد ونصرت]: اہلِ صبر کی نصرت وامداد کی ضمانت فرمائی:

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔[آل عمران۳:۱۲۵] ہاں! اگر تم صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آجائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے، جو نشان والے ہوں گے، فرمائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ[1]

۱۱-[صبر والے، باہمت ہیں]: اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہلِ صبر ہی اہلِ عزم ہوتے ہیں:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔[الشوریٰ۴۲: ۴۳] جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔

۱۲-[صبر، ایمان و عمل کی بنیاد]: فرمایا کہ اعمالِ صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہلِ صبر ہی ہوتے ہیں:

الف: وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۔ [القصص۲۸:۸۰] تمہیں خرابی ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک اعمال والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

ب: وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۔[حٰمٓ السجدۃ۴۱:۳۵] اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پا سکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔

۱۳-[صبر، ذریعۂ عبرت]: بتلایا کہ آیاتِ الٰہی سے انتفاع و عبرت صرف اہلِ صبر ہی حاصل کر سکتے ہیں:

---

[1] [المستدرک علی الصحیحین، كِتَابُ مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ، بَابُ ذِكْرِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، ح۶۳۶۴۔ شُعَبُ الْإِيمَانِ لِلْبَيْهَقِيِّ، التَّاسِعُ وَالثَّلَاثُونَ مِنْ شُعَبِ الْإِيمَانِ، فَصْلٌ فِيمَا يَقُولُ الْعَاطِسُ، ح۹۶۴۴]

الف: اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۔ [ابراھیم ۱۴:۵] ہم نے موسیٰ کو کہا: اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لا اور اُن کو تاریخ الٰہیہ کا سبق دے، کیونکہ اسی میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔

ب: وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ۔ اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ [الشوریٰ ۳۳-۳۲:۴۲] اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور عَلَم کی طرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رُک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اُوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں نشانات ہیں ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔

۱۴-[صبر، ذریعۂ فوز و فلاح]: بتلایا ہے کہ مطلوب و محبوب تک فائز ہونا، مرعوب سے نجات پانا [اور] جنت العلیٰ کا داخلہ اُن ہی لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے صبر کیا۔

وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ ؕ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ [الرعد ۱۳: ۲۴-۲۳] فرشتے ہر طرف [سے] اُن کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو، اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔

۱۵-[صبر، معیارِ امامت]: اہلِ صبر درجۂ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں:

وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا [السجدۃ ۳۲: ۲۴] ہم نے انھی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، جب کہ انھوں نے صبر کیا۔

۱۶-[صبر، اسلام و ایمان کا ہم پلہ]: اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقانِ حمید میں اسلام و ایمان اور یقین و تقویٰ اور توکل و شکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔

[صبر کی اہمیت]

یہاں تک سولہ اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یہ یاد رکھیے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے۔ بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں۔ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟

سیدنا عمر فاروقؓ کا قول ہے: خَيْرُ عَيْشٍ اَدْرَكْنَاهُ بِالصَّبْرِ۔

صحیح حدیث میں ہے:

عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَّلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ [1] مومن کی حالت بھی عجب سی ہے یعنی اُس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا ہی اُس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔

[صبر کے معنی]

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی حبس (روک) ہیں۔ محاورہ ہے: قُتِلَ فُلَانٌ صَبْرًا فلاں شخص باندھ کر مارا گیا۔ آیتِ ذیل میں بھی یہی معنی ہیں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ [الکھف ۱۸:۲۸]

اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی کی ذات کے خواست گار ہوتے ہیں۔

اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے۔

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الزُّهْدِ، بَابٌ: الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ لَهُ خَيْرٌ.، ح ۷۵۰۰]

[صبر کی اصناف]

معنی بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں:

صنف اوّل: طاعتِ الٰہی پر صبر۔ صنفِ دوم: معصیت الٰہی سے صبر۔ صنف سوم: امتحانِ الٰہی پر صبر۔

صنف اوّل و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے، مگر صنفِ سوم میں کسبِ انسانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیدنا یوسفؑ کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرادیے جانے پر صبر بھی مقاماتِ صبر میں سے ہیں، مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا۔ خصوصاً جب اُمور ذیل کو بھی زیرِ نظر رکھا جائے۔

(۱) جوانی (۲) خالی مکان (۳) مجردی (۴) نفس کے مطابق خواہش کا ہونا (۵) بے وطنی، جہاں خویش اقارب کا نہ دباؤ ہوتا ہے، نہ اُن کی طرف سے حیا ہوتی ہے (۶) محکومی (۷) حسین عورت کی ذاتی درخواست (۸) اُس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکر و فریب (۹) لالچ اور خوشامد (۱۰) دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کی موجودگی صدیق کے منصب کو نہایت بلند کر دینے والی [ہے]۔

ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ [طاعات پر صبر] کا درجہ صبر از پرہیزِ محارم سے اکمل و افضل ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے نزدیک فعلِ طاعت، ترکِ معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدمِ طاعت کا نقصان وجودِ معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔

[صبر کی حالتیں]

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں: (۱) صبر باللہ (۲) صبر للہ (۳) صبر مع اللہ۔

۱- صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ [النحل، ۱۶:۱۲۷] صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے ہے۔

۲- صبر للہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبتِ الٰہی اور ارادۂ تقرب الٰہی ہو، نہ قوتِ نفس کا اظہار ہو اور نہ خلقِ خدا میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

۳- صبر مع اللہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامرِ الٰہی اور محارمِ الٰہی کا مطیع بنا دے، جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے، جہاں رُک جانے کا حکم ہو، رُک جائے۔ یہ صبر [حدِ] یقین کا ہے اور یہی سخت تر قسم صبر کی ہے۔

[صبر کا مفہوم]

خواجہ جنید بغدادیؒ سے صبر کی بابت پوچھا گیا، فرمایا: صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے محبین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا موجب ہے۔

اَلصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا اِلَّا عَلَيْكَ فَاِنَّهٗ لَا يُحْمَدُ

جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

امام المحدثین بخاری نے کتاب الادب میں نبی ﷺ سے یہ روایت بیان کی کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ[1] صبر اور سیر چشمی۔

---

[1] سماحت، جوانمردی، نرمی، آسانی پیدا کرنا، سرکشی و نفرت چھوڑ دینا، سیدھا رویہ۔ [مسند احمد، ج ۴، ص ۳۸۵، ح ۱۹۳۲۸]

فریاد، صبر کی نفی نہیں

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں۔ حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ [یوسف ۱۲:۸۶] میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔

ایوبؑ کی، جنابِ اَحدیّت میں دُعا ہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ [الانبیاء ۲۱:۸۳-اور جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا:] مجھے نقصان اور ضرر آلگا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وَاِذَا عَرَتْكَ بَلِيَّةٌ فَاصْبِرْ لَهَا صَبْرَ الْكَرِيْمِ فَاِنَّهٗ بِكَ اَعْلَمُ
وَاِذَا شَكَوْتَ اِلَى ابْنِ اٰدَمَ اِنَّمَا تَشْكُوا الرَّحِيْمَ اِلَى الَّذِيْ لَا يَرْحَمُ

جب تجھ پر بلا نازل ہو تو اچھا صبر کر، کیوں کہ رب کو تیرا علم ہے، لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا، تب رحیم کا شکوہ اُس سے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔

الصَّبْرُ رِدَائِی کی عملی تصویر

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے احکامِ الٰہی کی تبلیغ، اہلِ ایمان کی تعلیم، اہلِ خُسران کے [انذار] اہلِ عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب و نوائب اور ہموم و غموم کی برداشت فرمائی تھی۔ کبھی حضور ﷺ کے اَستانِ فیض پر غلاظت گرائی جاتی، جس سے تشتتِ طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو۔ کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اُسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیے جاتے کہ حضور ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔

کبھی حضور ﷺ کو سجدہ میں محوِ تام دیکھ کر حضور ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر چادر کو پھانسی کا رسا بنایا جاتا۔ گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی حضور ﷺ کی پُشت مبارک پر (بحالتِ سجود) اُونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اُسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔ کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قراءتِ قرآنِ پاک سے آپ ﷺ کو روکا جاتا۔

کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے جب حضور ﷺ کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا اور دانہ وخورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضور ﷺ ہی کا دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ [النحل،۱۶:۱۲۷] کے تمغہ سے حضور ﷺ کو مشرف فرمایا۔ سچ ہے ایسے ہی مقدس رسول ﷺ کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا کہ اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ فرماتے اور صبر کو تجمل وشان اور شوکت ووقار کا خلعت قرار دیتے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلٰی حَبِیْبِہٖ بِقَدْرِ صَبْرِہٖ عَلٰی بَلَائِہٖ وَشُکْرِہٖ عَلٰی اٰلَائِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

۱۰-رضائے الٰہی، غنیمت ہے

وَالرِّضَا غَنِیْمَتِیْ۔ رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین اقوال ہیں:

۱-اہلِ خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

۲- اہلِ عراق کہتے ہیں کہ رضا، من جملہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں بلکہ مواہب میں سے ہے۔

۳-تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجے میں اکتسابی ہے اور من جملۂ مقامات ہے اور انتہائی درجے میں محض عطیۂ ربانی ہے، لہٰذا من جملۂ احوال ہے۔

گروہِ اوّل کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ رضا کی مدح و ثنا فرمائی ہے اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدور بشری سے باہر ہوتا، تو ایسا نہ کیا جاتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا [1] ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔

نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا پڑھتا ہے تو اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ [2]

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقاماتِ دین کا انھی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چار اُمور کا ثبوت ملتا ہے:

الف: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔

ب: نبی ﷺ کی رسالت اور حضور ﷺ کی اطاعت پر رضامندی۔

ج: دین الٰہی پر رضامندی۔

د: دین الٰہی کے سامنے تسلیم وانقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ ہر چہار اُمور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔

ہاں! دعوٰیٔ زبان آسان ہے مگر کامیابیٔ اُمتحان دشوار ہے، خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد و خواہش اس کے خلاف ہو۔

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا۔۔۔، ح ۱۵۱]

[2] [مسلم، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ، ح ۸۵۱]

یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت وانابت اور تبتل الی اللہ میں توحید حاصل ہو، خوف ہو تو اُسی کا ہو، اُمید ہو تو اُسی سے ہو۔ جملہ قویٰ کا انجذاب اُسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود توحید فی الاخلاص ہو۔

ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الٰہی کی توحید حاصل ہو، توکل واعتماد اور استعانت میں توحید ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔

رسالتِ محمدیہ ﷺ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکامِ نبویہ کے مقابلے میں اطاعتِ کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور ﷺ کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔ ہدایت اور حکم اور فیصلہ، نبی ﷺ کی آستانِ پاک ہی سے حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو، خصوصاً علوم الٰہیات کے متعلق، جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسمِ امر یا نہی ملے، اُسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اُس کے خلاف، اگرچہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو، ہرگز قبول نہ کرے۔

اِس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، مگر رضا باسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں اُس پر ہرگز ہرگز اہلِ ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل و تفویض اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا، البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ سے سوال ہوا کہ مسلم مقامِ رضا کیوں کر حاصل کر سکتا ہے؟ کہا: جب وہ چار باتوں میں پختہ ہو جائے:

(۱) عطا کو قبول کرے۔

(۲)عدم عطیہ میں راضی رہے۔

(۳)انقباض میں عبادت کرے۔

(۴)انشراح میں حاضر درگاہ رہے۔

سیدنا امام حسن بن علیؓ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابوذرؓ یوں کہتے ہیں کہ اُن کو فقر، غنٰی اور مرض، صحت سے زیادہ محبوب ہے۔ امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم فرمائے۔ میرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔

فضیل بن عیاضؒ نے بِشر حافیؒ سے فرمایا تھا: رضا کا درجہ زُہد سے برتر ہے، کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت میں دوسری حالت کا آرزومند ہی نہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ کر بھیجا تھا: اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الرِّضَا فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَرْضٰی وَاِلاَّ فَاصْبِرْ [1] رضا میں تو سراپا خیر ہے، اگر تم میں استطاعت ہے تو اس درجہ میں رہو، ورنہ صبر کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ۔ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ۔ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [الفجر ۸۹:۲۷-۳۰] اے اطمینان والے نفس، اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ درآں حالیکہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کردہ ہے۔ اب میرے بندوں میں شامل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا اور میدانِ قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائے گا۔ اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخل ہوا اور جنت میں پہنچا۔ ہر دو انعام راضی و مرضی ہونے کی صفت پر ہیں۔

---

[1] [الرسالۃ القشیریۃ، الجزء الثانی، باب العبودیۃ، ص ۹۰]

۱۱-[عاجزی، فخر ہے]

وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ. عاجزی میرا فخر ہے۔

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔

[عجزِ نبوی سے مراد]

عجز کے معنی درماندگی ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کر سکنا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ مفوضہ کام نہ کر سکنے کو کوئی مناسبت نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس سے نہیں ہو سکتی، کیوں کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ تو سراپا سعی، مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔ لہٰذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہِ اَحدیت ہے اور یہی معنی رب العالمین کے جاہ و جلال اور خاتم النبیین کے مقام و احوال پر صادق آتے ہیں۔

[عجز و افتقار پر افتخار]

اہلِ ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد اُن کے غرور و پندار کی کیا حالت ہوتی ہے اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔ وہ رسول ﷺ جس کی نصرت و تائید زمین کے ہر ذرّہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو، جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو۔ وہ لمحہ بہ لمحہ، لحظہ بہ لحظہ عجز و افتقار اور تضرع و انکسار ہی کے تحیات و طیبات درگاہِ احدیت اور آستانِ صمدیت پر پیش کر رہا ہے اور افتقار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھلائی ہوئی، دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو جن سے غفلتِ قلب کا فور اور حجاب روح دُور ہو جاتا ہے کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اُٹھتا ہے اور بے اختیار

سطوتِ الٰہی اور احتشامِ لم یزلی کے سامنے جھک پڑتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک دُعا کا اندراج کیا جاتا ہے۔ ناظرین اس کے اسلوبِ بیان پر غور کریں، علو مکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل وزبان سے یہ الفاظ نکلے وہ خود بھی اظہار عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایۂ ناز و فخر و امتیاز سمجھتا ہے اور متبعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَکَانِیْ وَتَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ وَالْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ وَاَنَا الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ۔ اَسَالُکَ مَسْئَلَةَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ ابْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ اَنْ لَّا تَجْعَلَنِیْ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَّ کُنْ لِّیْ رَؤُفًا رَحِیْمًا یَاخَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَاخَیْرَ الْمُعْطِیْنَ [1]

"یااللہ! تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سُن رہا ہے۔ میری پیدا و پنہاں کو خوب جانتا ہے۔ میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کانپنے والا، ڈرنے والا ہوں۔ میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں۔ تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں۔ گنہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں۔ نابینا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں۔ میری پکار اُس شخص کی سی ہے جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو۔ اے معبود! مجھے محروم نہ رکھنا۔ میرے ساتھ رأفت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک! تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے، تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے۔"

---

[1] [المعجم الصغیر للطبرانی، بَابُ الْعَیْنِ، فَضْلُ عَبْدِ الْمَلِکِ، ج۲، ص۳۰۷، الدر المنثور للسیوطی، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۹، ج۱، ص۴۵۸]

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہلِ ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہِ منّان میں حاضر ہو تو ضرور ہے کہ رحمت اُس کی دستگیری فرمائے، محبت اُس کی شمعِ راہ بنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اُٹھا کر کرسیٔ قبول و عزت پر بٹھلائے۔ فَطُوْبٰی لَھُمْ!

۱۲-[زُہد، پیشہ ہے]

وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ۔ زُہد میرا پیشہ ہے۔

حِرفت، اُس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے۔

[زُہد کا مفہوم]

زُہد، اصل لغت میں عدمِ رغبت کو کہتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں ہے:

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ۔ [یوسف ۱۲:۲۰] قافلہ والوں کو یوسف کے پاس رکھنے کی رغبت نہ تھی۔

شَیْءٌ زَھِیْدٌ۔ چیز اندک جو قابل التفات نہ ہو۔

اصطلاع شرعیہ میں دنیا اور مال و متاعِ دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زُہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے: زُہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسّف ہو۔

[زُہد کی قسمیں]

امام المحدثین احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: زُہد کی تین اقسام ہیں:

الف: ترکِ حرام، یہ عوام کا زُہد ہے۔

ب: حلال میں سے زائد شے کو چھوڑ دینا، یہ خواص کا زُہد ہے۔

ج: ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو۔ یہ عارفین کا زُہد ہے۔

[زُہدِ نبوی سے مراد، اعتمادِ تام]

ناظرین! حدیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجیے:

حرفہ تو اُس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی ﷺ نے ''زہد'' ہی کو اپنا حرفہ بتلایا، تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ کو اُن سب اشیاء، جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسویٰ اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں، ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے وسائل اور وسائط کو ہیچ پوچ سمجھ لیا جائے۔ وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامانِ حاضرہ کو موجبِ طمانیت نہیں بنا سکتا اور اُسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زُہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زُہد پر یہ اعتراض بھی عائد نہیں ہو سکتا کہ زُہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے، یا زُہد تو اصولِ تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

۱۳-[یقین، روزی ہے]

وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ۔ یقین میری روزی ہے۔

واضح ہو کہ کتاب حمید میں یقین اور اہلِ یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے۔

الف: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ [البقرۃ ۵-۲:۴] جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو تجھ پر اُتارا گیا، نیز اُس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

آیاتِ بالا پر غور کرو کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

ب: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۔ [السجدۃ۲۴:۳۲]

ہم نے اُنھی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، کیونکہ انھوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ [الذاریات۲۱-۲۰:۵۱] یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود اُن کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیاتِ ربانی کا مشاہدہ اور اعلامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہلِ یقین ہی کے لیے حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ رُوح کا جسمِ انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا، پیکرِ ایمانی میں ہے۔ یقین ہی اعمالِ قلب کی رُوح ہے۔ یقین ہی حقیقتِ صدیقیت ہے۔

علماء میں اختلاف یہ ہے کہ یقین کسبی [اختیاری] ہے یا وہبی [غیر اختیاری] ہے۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسبی ہے اور بہ لحاظ اصلیت وہبی ہے۔

[یقین کے مراتب و علامات]

سہل تستری فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا ہوا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ذُوالنّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین ہیں:

(۱) لوگوں سے میل جول کم ہو۔

(۲) کسی کے عطیّہ پر مدح نہ کرے۔

(۳) کسی کے نہ دینے پر اُس کی مذمت نہ کرے۔

انھی کا ارشاد یہ بھی ہے: یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو، ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین ہیں:

مرتبہ اولیٰ میں اوامر و نواہی، علم معاد، علم الاسماء والصّفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت وصدق پر وثوق کلی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی، دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رؤیت حاصل کر لیتی ہے۔ اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتابِ حقیقت نور بیز ہوتا ہے۔ کُلفتِ یقین جاتی رہتی ہے، حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسے حق الیقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیاءؑ کا ہے۔ انھی کی چشمِ [بینا] کے سامنے جملہ اسرار و خفایا منکشف ہوتے ہیں اور انھی پر علومِ معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے جیسے دوسروں کے لیے مادّی اشیا کا شُہود۔

[نبی ﷺ اور صحابہؓ کی غذائے یقین]

اب یہ غور کرو کہ حدیث زیر شرح میں نبی ﷺ نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے، یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی جسم کا نشو و نما ہے اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضور ﷺ اسباب مادّیات سے کس قدر دُور تھے۔ حضور ﷺ کی قوتِ یقینیہ کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی قوتِ یقینیہ کا اندازہ کرو۔

ایک صحابی جنگ اُحد میں خوشہ انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے کہ انگور کھا کر اور طاقتِ جسمانی بڑھا کر شریکِ معرکہ ہوں گے۔ اُنھوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمر جنتِ عُلیا ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ اُن کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنت کے لیے اتنی دیر کیوں کروں؟ یہ کہہ کر انگور پھینک دیے اور رزم گاہ میں پہنچے اور جوہرِ شجاعت دکھلاتے ہوئے بزم گاہِ رضوان کو جا سدھارے۔

نقیبِ محمدی ﷺ عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا حال بھی انھی سے ملتا ہوا ہے۔ دشمن پر حملہ کر رہے تھے کہ اُن کا چچیرا بھائی یخنی لے آیا، کہا: یہ تھوڑی سی پی لو، طاقت پا کر زیادہ لڑ

سکو گے۔ پیالہ ہاتھ میں لیا، دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔

سچ ہے کہ یقین شکوک واوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے۔ اُس وقت چہرۂ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے۔ رؤیتِ ایمانی کا درجہ بصارت عینی سے بالاتر پہنچ جاتا ہے اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائقِ اصلیہ اور معارفِ روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۴-[صدق، ساتھی ہے]

وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ۔ صدق میرا ساتھی ہے۔

جب ایک شخص کے ساتھ اُس [کے] اغراض ومقاصد میں متفق ومتحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے۔ لغت میں [شفع] بمعنی جفت آتا ہے۔ کتابِ حمید میں ہے: وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ [الفجر ۸۹:۳] صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمالِ قوت کو کہتے ہیں۔ الفاظِ ذیل پر غور کرو:

۱- عزمِ صادق، اُسی ارادہ کو کہیں گے جو تام وقوی ہو۔

۲- محبتِ صادق، اُسی محبت کو کہیں گے جو کامل واصلی ہو۔

۳- خبرِ صادق، وہی اطلاع ہے جس میں اصلیت کے سب اجزا کامل وقوی ہوں۔

[مقاماتِ صدق]

قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

۱-[مُخْرَجَ وَمُدْخَلَ صِدْقٍ]: نبی ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۔[بنی اسرائیل ۱۷:۸۰] اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔

اس دُعا میں مدخل صدق اور مخرج صدق کا سوال سکھلایا گیا ہے۔

مدخل صادق سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے، جو اللہ کے لیے، اللہ کی جانب اور احکامِ الٰہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے۔ اس توجہ میں شائبہ ریب وشک نہیں ہوتا۔ اس کی ترقّیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ کا داخلہ مدینۃ المنورہ بھی اسی مدخل صدق میں داخل ہے، جس کی برکات وانوار لامنتہی ہیں۔

مخرج صدق سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہواء وہوس اور اقتضائے طبع ونفس سے منہ موڑ کر اور اُمورِ خاکی سے دامانِ دل کو جھاڑ پھاڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔ کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی اُمیدِ منفعت، کوئی خوفِ ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا۔ نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دُوری، تعلقات سے بے تعلقی، راہِ ہجرت کی بادیہ پیمائی اسی مخرجِ صدق میں داخل ہے۔

۲-[قَدَمَ صِدْقٍ]: [اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:]

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ [یونس ۱۰:۲] اور جو ایمان لے آئے اُن کو بشارت سنایئے کہ اُن کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔

آیت بالا میں قَدَمَ صِدْقٍ کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔ قدم صادق سے مراد وہ اعمالِ صالحہ اور افعالِ حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیاتِ فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہِ رب العزت میں بھیج دیے گئے۔ تقدیم اعمال تو مومن وکافر مطیع وفاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قدم صدق کا اطلاع سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

۳-[لِسَانَ صِدْقٍ]: سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی دُعا میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔ [الشعراء ۲۶:۸۴] اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔

یہاں لسانِ صدق کی دُعا فرمائی ہے۔ لِسان صدق سے مراد ثنائے حسن ہے۔ یہ اُس بندہ کے لیے بطورِ جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال واعمال اور اقوال اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں معیارِ صدق پر پورے اُترتے ہیں۔

۱۵-[طاعت، عزت ہے]

وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ۔ طاعت کرنا میری عزت ہے۔

طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیادِ امر اور اتباعِ حکم ہیں، جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراحِ صدر اور نشاطِ قلب سے کر رہا ہو۔

حَسَب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ یا سخا وجُود کی وجہ سے حاصل ہو۔ حدیث بالا میں صنعتِ تضاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ اُن اشیا کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔ لیکن نبی ﷺ نے بندگی و فرماں برادری کو اپنے لیے باعثِ برتری و تفوق قرار دیا ہے۔ بے شک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاءؑ کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرورِ عالم کے عنصرِ پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا۔ اُسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا، مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرطِ مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے، لہٰذا عمر فاروقؓ، اُسید بن حضیرؓ، سعدؓ بن عبادہ اور سہلؓ بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے غیرت مندانِ اسلام نے، جو شبانہ روز اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْن کا وِرد رکھتے تھے، اس شرط کو حمیت مسلمین اور عزتِ اسلام کے منافی سمجھا۔ جب اُنھوں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے اُن کے دلائل کی تردید کی اور نہ اُن کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبانِ عالی سے یہ فرمایا:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَسْتُ اَعْصِیْہِ وَھُوَ نَاصِرِیْ [1] میں اللہ کا رسول ہوں میں اُس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ وہی میرا مددگار بھی ہے۔

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت وانقیاد الٰہی کے پابند تھے کہ حمیت وحمایتِ ظاہری اور وقار عزتِ عینی، نو مسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلّمہ اصول بھی حضور ﷺ کو ذوقِ اطاعت اور کمالِ انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حُسن عمل کا بدل اسی جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم وعالمیان پر فرضِ عین ٹھہرایا۔ فرمایا:

۱- مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ [النساء ۴:۸۰] جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔

۲- وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا۔ [النور ۲۴:۵۴] اے لوگو! اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت کروگے تو ہدایت پالوگے۔

۱۶- [جہاد، آپ ﷺ کی خصلت]

وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ۔ جہاد میری خصلت ہے۔

جہاد [کے معنی ہیں] پوری کوشش سے کوئی کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگادینا۔ [اور خصلت] خلق، طبیعت، جبلّت، پیدائشی خصلت [کو کہتے ہیں]۔

[جہاد کی قسمیں اور مشکلات]

جہاد شرعیہ کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنّفس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ۔ [الصف ۶۱:۱۱] اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

---

[1] [شرح] زرقانی، ج۳، ص۲۰۴

مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروا نہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں۔ جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو، وہاں پورا اُترنا اللہ تعالیٰ کے [مخلص] بندوں ہی کا کام ہے۔ بسااوقات یہی مال و جان انسان کو اُس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجباتِ اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں، لیکن راہِ خدا کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ [الحج ۲۲:۷۸] اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

اس جہاد سے مراد علم الٰہی کی تحصیل، رضائے ربّانی کا حصول، تقربِ سبحانی کا شوق، مدارجِ روحی کا ارتقا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صَرفِ طاقت اور اخلاصِ توجہ بمعنی لغوی اور ایمان و عمل صالحہ بمعنی شرعی بہ ہمہ وجوہ درکار ہیں۔ جہاد کے معنی اعدائے دین کو تحت میں لانا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وسائلِ مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔

[شوقِ جہاد اور اس کے نتائج]

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی اِن جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افرادِ اُمت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کا عزم و ارادہ اور نیت و تمنا، حضور ﷺ کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا۔ وہ آسودگی و آرمیدگی جو خاصہ اَہلِ حکومت ہے۔ وہ وہن و ضعف جو لاحقِ احوالِ امرا ہے۔ وہ کسل و جُمود جو محبوب مترفین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذاتِ گرامی [ﷺ] پر نہ تھا۔

جد و جہد، سعی و طلب، ارتقا و ارتفاع، سوز و گداز، حزن و شوق حضور ﷺ کے خدّامِ دربار تھے اور اسی اسوۂ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرامؓ خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دُور آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے۔ اسی صفتِ عالیہ کے تحت میں انھوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیاتِ دَنی قرار دیا۔ وطن

سے نکلے اور تمام دنیا کو ہمتِ بلند، عزمِ راسخ، طلبِ صادق، سعیِ موفور کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک وَكَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا کا آوازہ بلند ہو گیا۔

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا۔ انفاس کا پاس ہونے لگا۔ حیاتِ ارضی کے بعد حیاتِ رُوحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدتِ قلیل میں فوائدِ کثیرہ، فتوحاتِ عظیمہ، غنائمِ وافرہ، نتائجِ عالیہ حاصل ہو گئے۔ کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مآلِ زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جبلّت و فطرت بنالیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں، نہیں! دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمحِ نظر بہت پست ہے۔ اہلِ ایمان کو اپنی نیت و فعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے، تاکہ انھیں انبیاء و صدیقین اور شہدا کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادتِ دارین کا تاج، جسے تاجِ خلافت بھی کہا جاتا ہے، اُن کے سر پر رکھا جائے۔

۱۷-[نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک]

وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

[نماز کی اہمیت]

حج عمر میں ایک دفعہ ہے، ادائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے، صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں، مگر نماز ایک دن میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے۔ سات برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس برس کے بچے کو ترکِ نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو یا مرض، مفلسی ہو یا امیری، اسیری ہو یا آزادی، نوکری پر ہو یا گھر پر، فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی۔ جب تک ہوش و حواس درست ہیں، نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال

میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے۔ نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروزِ محشر ہوگا۔

عماد دین نماز ہے، شوکتِ اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے۔ مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے۔ حُفّاظِ قرآن کی عزت، محرابِ مسجد سامنے آشکارا ہوتی ہے اور علماء ئے دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار ہے۔

[نماز کے فوائد]

نماز ہی اجتماع و تنظیم کی سبق آموز ہے اور نماز ہی پابندیٔ وقت کا خُو گر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المزاج افراد کو واحد مرکز پر لاتی ہے اور نماز ہی قوم کے پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کو بدن، لباس اور مقام کی پاک و پاکیزہ اور صاف و مجلّٰی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی سحر خیزی سکھلاتی ہے اور نماز ہی بیہودی تھیڑوں، تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے، جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔

نماز ہی ہر انسان کو دربارِ الٰہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کا راز کھول دیتی ہے۔ نماز ہی کمالِ عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیلِ انسانیت۔ نماز ہی اخلاقِ حسنہ ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالم گیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندانِ اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پائیدار بنتا ہے۔ نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں اور نماز ہی سے تجلیات حضور ﷺ کی اشاعت نور ہوتی ہے۔ جس دین میں نماز نہیں وہ دین، دین ہی نہیں۔ مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہِ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔

بزرگانِ دین سمجھتے تھے کہ چنچل مَن صرف نماز ہی میں سکینہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں انابت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے۔ نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس، روح اور سِرّ اور اخفیٰ پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو بحالتِ ارتعاب، انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے، ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور میں لے جاتا اور بے واسطۂ دیگر براہِ راست عرض معروض کا موقع عطا کرتا ہے۔ جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کے لیے ہیں تو کچھ نہیں رہ جاتا کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہان کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل، خائب و خاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ سید الوریٰ، حبیب رب العلیٰ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔ البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ رسالت مآب نے نماز کو قُرۃ العین فرمایا ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے، جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ بنا کر اپنی زبانِ مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا۔ لہٰذا سیرت نگارِ نبوی کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرتِ نبوی کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اوّل میں بھی اس مبحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب اُس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند مبحث ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنیٰ کی طرح ۹۹ تک پہنچ گئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام مبارک ''کلام اللہ'' ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام ''القرآن'' ہے۔

امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب '' اَلْمُشَوِّقُ إِلَىٰ عُلُومِ الْقُرْآنِ '' میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاورہ قَرَأَتِ الْحَوْضُ سے ماخوذ ہے۔ جو حوض پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے، اُسے قَرَأَتِ الْحَوْضُ کہا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآنِ پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائقِ اصلیہ سے پُر ہے اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔ اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔

فصل اوّل

ضرورتِ قرآن

[نزولِ قرآن سے پہلے انسانیت کی حالتِ زار]

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اُس زمانہ کی تاریخ اور صفحۂ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔

ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر اُن کی ماں، بیٹی، بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بُت پرستی میں مبتلا ہو کر اُس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگانِ خدا کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔

[ہند] کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد و عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب [شِوَالوں[1]] میں قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفاتِ بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔

الغرض تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کے دُور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، ناکافی ثابت ہو چکی تھیں۔

---

[1] [واحد: شِوَالا، مہادیو کا استھان، شِوْ کا مندر۔ شِوْ ہندوؤں کے تین بڑے دیوتاؤں میں سے ایک کا نام ہے۔ مندروں میں سے اس کے عضو تناسل (شِوْلنگ) کی پوجا کی جاتی ہے۔ (مدوّن)]

اُن کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اُسی کی قوم (جس میں اُس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی۔

اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہیمن کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت [ہوتی] اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں، جس طرح سخت گرمی اور حبس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشید عالم افروز طلوع فرماتا ہے، اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت مظلمہ ہی نے قرآن مجید کے نور مبین کی ضرورت کو افراد عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔ لہٰذا اُسی رحمتِ ربّانیہ نے، جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسان کامل بنانے میں کارفرما ہے، ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔

[جملۂ معترضہ، ہندوؤں کی جہالت]

بد بختی سے ہند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اُسے کلامِ خدا کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکاری ہے۔ یہ کور سواد تسلیم کرتے ہیں کہ اُس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے اگر آنکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے اَن گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔ اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اُس کی جولانی کے لیے فرش زمین کی ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے تو ذائقہ کے واسطے میٹھے، سلونے، کھٹے، پھیکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں یعنی جس قدر حواس ظاہری اور قوائے باطنی جسم انسان میں پائے جاتے ہیں اس کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا۔

مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ رُوح انسانی کے لیے (جو فطرت انسانی کی خزینہ دار اور اس کی مملکت کی حکمراں ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ رُوح کا انکار کر دیتے تو اُن

کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن رُوح کا اقرار اور رحمتِ الٰہیہ کی جانب سے اُس کے لیے عالمِ خاص کا انکار قطعاً اسرارِ فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے۔ خیر یہ تو جُملہ معترضہ تھا۔

[نزولِ قرآن کے بعد دنیا کی ترقی]

ضرورتِ قرآن حمید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔ نیز اُن تمام ترقیات کو [جو] دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزولِ قرآن مجید اور اشاعتِ کتابِ حمید کے بعد اپنے اپنے عقائد اور اصول میں کی ہے اور اُن تمام اصلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں، جو غیر مسلم اقوام نے اس ۱۳۵۲ سال کی مدت رسالتِ محمدیہ میں تعلیمِ قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کرلی ہیں۔

ان ترقیات واصلاحات کے ازمنۂ ارتقاء کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک منصف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معمورۂ عالم کو قرآنِ مجید کے نزول کی سخت ضرورت واحتیاج تھی۔

فصاحت وبلاغتِ قرآن

اگر کسی کو فصاحت وبلاغتِ قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے زبان دانیِ کامل کی ضرورت ہے۔ اور علمِ معانی وبیان وبدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے، اور پھر فہمِ سلیم وطبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔ اگر یہ آنکھیں، یہ عینک، یہ دُوربین کسی کو مل جائے تو وہ بے اختیار بول اُٹھے گا کہ قرآنِ عظیم کی فصاحت وبلاغت طاقتِ بشری سے بالاتر ہے۔

[الف: ناقابلِ شکست چیلنج]

جہلائے عرب شیدائیِ زبان اور فدائیِ حُسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیبِ غریب و قصائدِ عجیب کے مالک، رجز فاخرہ واسجاعِ موجزہ اور خُطبِ بلیغہ کے انشاء پر قادر تھے۔ صرف اسی

قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زباں آوروں، خطیبوں اور شاعروں سے منوادیا تھا کہ قرآن کلامِ بشر نہیں۔

ذرا غور کرو، دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو، جیسے خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، رَسُولٌ كَافَّةً لِلنَّاسِ، رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ، مُطَاعٌ عَالَمٍ کے اعلام سے نمایاں ہے، اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اُسی کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو ضلالت و عمایت اور خلودِ نار وغیرہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلایا ہو، پھر ایسی حالت میں بھی اُسی کے ملک کے رہنے والے، اُسی کی زبان کے بولنے والے، اُسی زبان کے قادرالکلام اور سحر البیان لوگ اُس کے سامنے ساکت و خاموش اور متحیر و مدہوش رہ گئے ہوں؟!

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فِدَاهُ أَبِي وَأُمِّي) نے معارضہ کی چھ قسمیں بتلائیں اور ہر ایک قسم کے مقابلے میں سب کو عاجز و درماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتابِ روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گو عربی مبین ہے، مگر اُس کی فصاحت و بلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

ب: [بے نظیر قادرالکلامی]

اَب یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ فردوسی و ہومر، سعدی و شیکسپیئر و المیک و ملٹن، گوئٹے و بیکن، نابغہ و سسرو، امرءالقیس و خسرو وغیرہ وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں، مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں۔ اُن سب کا جوش و خروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات و تصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات و استعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی، جن میں ترکِ غلّو یا پابندیٔ صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔ اگر انھی زبان آورانِ پُرکلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقائقِ الٰہیات اور رموزِ

فطرت یا اسرارِ آفرینش پر اُن کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سُست، الفاظ کیسے گھٹیل، طرزِ ادا کتنا مبتذل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکامِ شریعت اور مواعظ و امثال، اخبار و انذار، زمانِ ماضی کی سرگزشت اور عہدِ مستقبل کی حالت پر آیات کا القا فرما رہا ہے اور باایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت و روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

ج: [وسعتِ موضوعات و مضامین]

اندازۂ فصاحت و بلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے مسلّمہ و مقتدر فصحاء کے میدانِ کلام اور وادیٔ سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدی کی نصیحت قعرِ قلب میں جگہ پالیتی ہے، لیکن بزم و نشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز و اختلاط کے کواڑ کھول دینا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیانِ جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ و اخلاق کی سڑک پر اُس کا خنک قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امرءالقیس و عنترہ، ابونواس و ابوالعتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔

جرمنی و فرانس، اٹلی و انگلستان کے اہلِ قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں) یا زبان آوروں (پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔

رینالڈ کبھی گبن نہیں بن سکتا اور کارلائل کبھی شیکسپیئر کا رُوپ نہیں دھار سکتا۔ ہربرٹ سپنسر اور نارتھ بروک کی زبان کبھی ایک نہیں ہوسکتی۔

قرآن کریم پڑھو، اُسے موجودہ ماہیات و کیفیات کے متعلق کس قدر دلائل ساطعہ و براہین بیّنہ سے کام لینا پڑا۔ اُسے اقوامِ ماضیہ کے عروج و زوال اور اُس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اُس نے مذاہب و ادیان اور عقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اُس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکار کیے۔ اُس نے تدبیرِ منزل و سیاستِ مدن، حقوقِ افراد و [واجباتِ] قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کیے، اور ان سب کی تبیین و وضوح کے سلسلے میں اُسے کس قدر اقسامِ سخن اور اسالیب کلام پر تکلّم کی ضرورت ہوئی، لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حُسن اُسی خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے، جیسا کہ اثباتِ توحید و ردِّ شرک و ابطالِ باطل و احقاقِ حق کی فضا میں عطر بیز و رُوح پر تھا۔

یہ وہ وقائع کلام ہیں، جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اِسی شوقِ فہم و ذوقِ وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

د: [اختصارِ الفاظ و جامعیت معانی]

فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاقتِ معنی سے بھی۔ ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیبِ اخلاق، تہذیبِ نفس، تدبیر منزل، حصانتِ قوم اور سیاستِ مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے، جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اِسی سے قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیاتِ شریفہ کا اندازہ کرو اور اُن علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کیے گئے ہیں۔

اِن آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لَا وَاللہِ!

اس وقت ہماری مثال اُس گل چیں کی سی ہے جو ایک گلستانِ تازہ بہار کی سیر کو نکلتا [ہے] اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گلِ شاداب کو زیبِ سر و سینہ بنالیتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گل چیں کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا نزہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں؟! ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہو گا۔

۱-اُصولِ عبادت: وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ-[یٰسٓ ۳۶:۲۲] کیا وجہ ہے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

۲- شرافت انسانیت: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا- [بنی اسرائیل ۱۷:۷۰] ہم نے فرزندانِ آدم کو عزت دی اور بحر و بّر میں اُن کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں اُن کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو برترین فضیلت عطا کی۔

۳- اوامر یعنی کرنے کے کام: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى- [النحل ۱۶:۹۰] اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔

۴- نواہی یعنی نہ کرنے کے کام: وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ- [النحل ۱۶:۹۰] اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ اُمور سے تم کو منع کرتا ہے۔

۵- محرمات: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ- [الاعراف ۷:۳۳] میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرادیا ہے:

الف: بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوں۔

ب: گناہ۔

ج: بغاوتِ حق۔

د: شرک باخدا، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

ہ: اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

۶- تعاون: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ [المائدۃ۵:۲] نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔

۷- عدم تعاون: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ [المائدۃ۵:۲] گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔

۸- [اعضا کی مسئولیت] جملہ اعضائے انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ [بنی اسرائیل۱۷:۳۶] شنوائی، بینائی اور دِل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔

۹- وزنِ اعمال: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ [الزلزال۹۹:۷-۸] جو کوئی ذرّہ برابر بھی نیکی کرتا ہے وہ اُسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی بدی کرتا ہے وہ اُسے دیکھ لے گا۔

۱۰- عدل و رحم: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ [الشوریٰ۴۲:۴۰] بدی کا بدلہ تو بالکل ویسا ہی ہے، بعد ازیں جس کسی نے معافی دی اور بھلائی کی تو اُس کا اجر اللہ تعالیٰ خود دے گا۔

۱۱- عدل رحم اور معافی: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ [الشوریٰ۴۲: ۴۳-۴۱] الف: جو کوئی ظلم سہنے کے بعد اپنا چارہ کار کرتا ہے، اس پر کوئی اخذ نہیں۔

ب: اخذ تو اُن لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے اور ملک میں بغاوتِ ناحق پھیلاتے ہیں۔

ج: جو لوگ ظلم و زیادتی پر صبر کرتے اور معافی دیتے ہیں تو یہ کام بڑے شاندار کاموں میں سے ہے۔

۱۲-عفوِ عام: وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۔ [النور ۲۴:۲۲] لازم ہے کہ معاف کرو۔ لازم ہے کہ در گزر کیا کرو۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دیا کرے۔

۱۳- دشمن کو دوست بنانے کی ترکیب: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ [حم السجدۃ ۴۱:۳۴] تم بدی کی مدافعت نیکی اور سلوک کے ساتھ کیا کرو، پھر تو عداوت والا شخص تم کو گرم جوش دوست نظر آئے گا۔

۱۴- حُریتِ دین: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ [البقرۃ ۲:۲۵۶] دین کے معاملے میں کسی شخص پر کوئی دباؤ نہیں۔ نیک رفتاری اور کج روی کو الگ الگ کرکے دکھلایا گیا ہے۔

۱۵- قول بلا عمل: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ [الصف ۶۱:۳] جب قول ہو اور فعل اُس کے ساتھ نہ ہو تو خدا کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔

۱۶-اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ [الانعام ۶:۱۶۴] کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۱۷- برائی کی اشاعت بھی بری ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ [النساء ۴:۱۴۸] برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۸- حلم و تواضع کی تعلیم: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ [الفرقان ۲۵:۶۳] رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں، اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو سلام کہتے ہیں۔

۱۹- ناپسندیدہ عادتیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ [لقمان ۳۱:۱۸] مکار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

۲۰- چغلی سے نفرت دلانے والی مثال: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ۔ [الحجرات ۴۹:۱۲] تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے۔ کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو (چغلی کی یہی مثال ہے)۔

۲۱- نفع رسانی کی ضرورت اور فضیلت: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ [آل عمران ۳:۹۲] تم اصل نیکی کو اُس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کروگے۔

۲۲-اخوتِ عامہ کی تعلیم: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ [الحجرات ۴۹:۱۰] سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہی پکی بات ہے۔

۲۳- عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ [البقرۃ ۲:۲۲۸] دستور کے مطابق [جو] حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

۲۴- زن و شوہر کا اتحاد: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ [البقرۃ ۲:۱۸۷] عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔

۲۵-عورت کو جدانہ کرنے کی نصیحت: اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ۔ [الاحزاب ۳۳:۳۷] اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرا کر۔

۲۶-شکر کا حکم اور فائدہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔ [ابراھیم ۱۴:۷] اگر تم شکر کروگے تو تم کو بڑھاتا رہوں گا۔

۲۷-امتحان الٰہی کی چیزیں: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔ [التغابن ۶۴:۱۵] مال دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔

۲۸- کسرِ نفسی کی تعلیم: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ [یوسف۱۲:۵۳] میں نفس کو بَری نہیں ٹھہراتا، نفس تو بُرائی کی طرف بہت اُکسایا کرتا ہے۔

۲۹- جنگ سے بچنے کی تدبیر: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ [الانفال۸:۶۰] تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو۔ اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے۔

۳۰- جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ [الفاتحہ۱:۱] اللہ، جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے۔ وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔

۳۱- دین الٰہی کی تعریف: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ [الروم۳۰:۳۰] وہ سرشتِ الٰہی جن پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔

۳۲- دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ [المائدۃ۵:۶] اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اُس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو۔

۳۳- [رب کا بندوں سے تعلق] ربِّ برتر کا تعلق اہلِ ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے:

الف: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ [الانعام۶:۵۴] تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)۔

ب: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔ [البروج۸۵:۱۴] وہ تو بہت بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

ج: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ [البقرۃ۲:۲۵۷] اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور اُن کا کارساز ہے اور اُن کو سب تاریکیوں سے نکالتا اور نور میں لاتا ہے۔

۳۴-انسانِ واحد کی جان کی قیمت: اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ [المائدۃ۵:۳۲] اگر کسی نے ایک انسان کو بھی مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا کو مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اُس نے تمام نوعِ انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس کسی نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا گویا اُس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا۔

۳۵- امن شکنی عامہ کی ممانعت: فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ [الاعراف۷:۷۴] اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آجاؤ۔

۳۶-اصولِ مصارف: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ [الفرقان۲۵:۶۷] رحمن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور اِن حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں۔

۳۷- [دنیا و آخرت کا ساتھ ساتھ]: مال و منال دنیا سے آرام و آسائش بھی اٹھاؤ اور آخرت بھی کماؤ: وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ۪ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۔ [القصص۲۸:۷۷] جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اُس میں آخرت کی بھی طلب کر اور اپنا دنیوی حصہ بھی مت بھول جا اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے۔

۳۸-امداد غرباو مساکین: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ [الروم۳۰:۳۸] قرابت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر۔ یہ باتیں اُن لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔

۳۹- [فضول قسمیں کھانا] سوگند کھانے والا انسان بے اعتماد بن جاتا ہے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۔ [القلم ۶۸:۱۰] جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے اُس کا اعتبار نہ کرو۔

۴۰- خدا سے دُعا مانگا کرو: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ [غافر ۴۰:۱۴] اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اُسی کے ہو کر اور اُسی کے فرمانبردار بن کر رہو۔

۴۱- حمدِ خالق و مدحِ مخلوق: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ۔ [النمل ۲۷:۵۹] حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام [سلامتی] ہے۔

اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیمِ مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اُسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں ردِّ شرک، اسی میں برگزیدہ بندگانِ الٰہ کے مدارجِ عُلیا کا بیان۔

۴۲- قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال: وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ [العنکبوت ۲۹:۴۱] سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے اگر لوگوں کو علم ہو۔

علم کو بیت العنکبوت سے متعلق فرمایا، اس لیے کہ عنکبوت کے گھر میں اہلِ علم کے لیے بڑے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ مکڑی کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں کا ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بٹا ہوا ہوتا ہے یعنی ایک تار میں چار ہزار تاگے ہوتے ہیں۔ اہلِ علم غور کریں کہ اس اوہن البیوت بنانے والی مکڑی کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نسج و خیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

۴۴- قرآن مجید اور نحل کی مثال: وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ [النحل ۱۶:۶۸] تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔

شہد کے چھتہ کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین، فوج اور اہلِ صنعت کی جداگانہ تقسیم، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے، بچہ دینے والی رانی کی حکومت، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ، شہد کے ذخیرے، ذخیروں کی حفاظت کے

طریقے، شہد بنانے کے لیے ہزارہا اقسام کے پھولوں میں سے چاشنی کا نکال کر لانا، چھتے کے سب گھروں کا مسدس اور یکساں رقبہ ہونا۔ یہ جملہ اُمور اس نتیجہ کے مؤید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی رُوح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اُسے کیا بنا دیتی ہے۔

اور جب قرآن جیسی وحی، انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق وتدبّر کے [ارتقائے] بدنی ورُوحی کی طرف التفات فرمائے تو اُسے کن کن منازل تک بلند فرمادے گی۔

۴۵- قرآن مجید اور نمل کی تمثیل: قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔ [النمل ۱۸:۲۷] چیونٹیوں کی رانی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں تم کو سلیمان اور اُس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں اور اُن کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔

اللہ اللہ چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ جب وہ اُن میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمانؑ کا لشکر بھی اُن کو نہ بگاڑ سکے۔ یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کی قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے، جن میں سے پہلا سبق وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم وعامل ہوں۔

دوسرا سبق، ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔

اور تیسرا سبق، کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔

چوتھا سبق، نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔

پانچواں سبق، جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو اُن کو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیے۔

چھٹا سبق، آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔

ساتواں سبق، چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے، اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے۔ اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

۴۶- قرآن مجید اور ارض و سماء کی اشیاء پر نظرِ اعتبار کا حکم: قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ [یونس ۱۰:۱۰۱] آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں۔

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظرِ اعتبار سے دیکھنا، اُس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے۔ افسوس، ہم لوگ ایسے احکام کی تکمیل سے کس قدر لاپروا، قاصر اور غافل ہیں۔

۴۷- قرآن مجید اور فوائدِ بحر: وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ [النحل ۱۶:۱۴] اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا ہے وہ فوائد یہ ہیں:

۱- تازہ بتازہ گوشت، سمندر کی تجارت۔ ماہی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوامِ عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے، اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔

۲- دُرّ و گوہر، جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے۔ اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین کے زمانے میں بحرین پر اسلامی قبضہ تھا، جسے ہم کھو بیٹھے ہیں۔

۳- جہاز رانی، دنیا پر شہنشاہی کے لیے اوّلین شرط ہے۔ امیر المومنین عثمان غنیؓ نے سب سے پہلے بیڑہ قائم کیا اور بحری جزائر کریٹ، مالٹا، طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔

موسیٰ بن نصیر اور جنرل طارق نے اسپین کو فتح کیا۔ خیر الدین بار بروسا نے ترکی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے ہیچ سمجھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیے گئے۔

۴- بحری تجارت، جس میں بے شمار نفع ہے۔

۵- مذکورہ بالا تموّل اور افراطِ دولت اور قوتِ حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمتِ الٰہی میں مصروفیت اشاعتِ اسلام، دُور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عبدالملک اموی کے عہد میں عرب سوداگروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ انھوں نے آسام، برہما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا، جب کہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپرواتھے۔

فصل دوم

معانیِ عالیہ و مضامینِ نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں:

الف: وُسعت

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ [الانعام ۶:۵۹] اِسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصولِ نجات سے ہو، خواہ اُس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم و جدید اکتشافات و تجربہ پر ہو، خواہ وہ اشراقیین کی الٰہیات سے لیا گیا ہو، یا الٰہیین کے شوارقات [سے]، کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔ ان شاء اللہ اس مسئلے کو وضوحِ تمام اور صحتِ کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلا دیا جائے گا: وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۔ [الفرقان ۲۵:۳۳]

یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

ب: عمدگی

دنیا میں ہستیٔ باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلۂ توحید کی ضرور قائل ہیں۔ ایک بت پرست و تثلیث پرست کو بھی اس امر میں ساعی دیکھا جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو، کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔ دیگر بیانات کو بیانِ قرآن کے سامنے وہی نسبت ہو گی جو مٹی میں ملے ہوئے پانی کو آبِ زُلال کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیحہ کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے، جہاں سے ہم چاہیں، اُس کی کتاب کو اور جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے، اُس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیج دیے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ (قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے) کے مفہوم میں اگرچہ اُس کی طرز بدیع اور الفاظِ عالی اور بے مثل ترتیب اور لاثانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے جو اس کی عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے، لیکن اُن سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو گراں الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں، جیسے حُلۂ زرّیں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ [کا] متضمن ہے اور جو اس کی خصوصیتِ خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدۂ کوتاہ بیں کے حجاب اُٹھا دیتی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۔ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ۔ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ۔ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ [الغاشیۃ ۲۰-۱۷:۸۸]

قرآنِ کریم یہاں اُونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت اور مُکْنت و فُسحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اُٹھتی تھی۔ قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیز و حکیم کا غلبہ اور حکمت، لینت و صلابتِ اجسام میں گوناگوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھیانک صحرا و وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناگوار تھا اب صحیفۂ فطرت کے طالبانِ علم کے لیے ورقِ دانش بن گئے۔

ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے: أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ -[النساء ۴:۱۶۶]وہ شنوائی وبینائی اور دانش کے لیے گنجینۂ خرد ہے اور قوائے مدرکہ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے۔

وہ حیاتِ قلب ہے اور نور و رُوح۔ وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین۔ اقبال و دولت، مکنت فی الارض اور حکومت اُس کی خدّام ہیں، آرامِ دل اور اُنسِ جاں، قرۃ العین اور ضیائے بصیرت اُس کی توابع ہیں۔

علم و حقیقت اور ہدایت و صداقت اُس کے علم بردار ہیں۔ قرب و انشراح، رفاہ و صلاح اُس کے حاشیہ بوس ہیں۔ نجاتِ اُخروی، فوزِ رُوحی، رضوانِ الٰہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہِ عُلیا سے عطا ہوتی ہیں۔

کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحبِ دل، دلوں کے غلاف اُتار اُتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی و ملکوت نوازی اُن پر روشن و مبرہن ہو جائے۔

فصل سوم

تاثیرِ قرآن

عمر جیسا شخص، جسے آج بھی یورپ جنرل عمر کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اُس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر سے ذلیل و منکسر ہو کر سرورِ کائنات ﷺ کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے اور فاروق رضی اللہ عنہ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔

اسعد بن زارہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اوّل مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آبادی شہر سے باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کر کے اُٹھتا ہے۔

ثمامہ بن اثال کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینہ النبی سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ اُسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے، رُشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اُسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہو جاتا ہے، اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو محقّر ہدیہ کی طرح حضور میں پیش کر دیتا ہے۔

خالد بن عقبہ قرآنِ مبین سُن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور جب اس حالت در ربودگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اُٹھتا ہے:

وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً بخدا اس میں عجیب شیرینی ہے

وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَرَاوَۃً اس میں عجب تروتازگی ہے

وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ اس کی جڑیں سیراب ہیں

وَاِنَّ لَاَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ اور اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں

وَمَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

ولید بن مغیرہ قریش میں بوڑھا خرانٹ تھا۔ اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اُس کی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجب رَس ہے۔ یہ تو نورس حلاوت ہے۔

ذوالبجادین چرواہا تھا، آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیاتِ قرآنی یاد کرلیتا۔ آخر گھر بار، خویش وتبار، مال و مویشی، عمّ ومادر کو چھوڑ کر خدمتِ حضور ﷺ میں حاضر ہو گیا۔

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو اُن لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔ جو لوگ ایک پیسہ پر قتلِ عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے، وہی دین حقہ کی محبت میں گھر بار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔ جو لوگ مدت العمر ۳۶۰ بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود توحید کے واعظ بن گئے تھے۔ جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اُڑانا، رانڈوں کو جُل دینا تھا، وہی اعانت یتامیٰ اور ہمدردئ ایامیٰ کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ وہ خود سر قبائل جنھوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی، وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابندِ شرعِ الٰہیہ ہو گئے تھے کہ مقدماتِ قتل کا قصاص، مقدمات زنا میں رجم، مقدماتِ سرقہ میں قطعِ ید، مقدّماتِ خمر میں اجرائے حد شرعیّہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے۔ کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرأت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمیٔ بازار ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ عکاظ کا بازار مندا پڑ گیا تھا اور یہ عالم ہو گیا کہ اگر نشاطِ طبع منظور ہے تو اس نورِ مبین کا ورد ہے اور اگر حصولِ برکت و یمن مقصود ہے، تب کتاب عزیز کا سماع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل و زبان، طبع و دماغ اور جملہ حواس و قویٰ پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اُس کا ایک شخص پر ہے، وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

فصل چہارم

نمونۂ تعلیم

قرآن مجید کی تعلیم و تاثیر کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے، وہ صحابہ و تابعین اور ائمۂ دین کے حالات پر غور کرے۔ اُن کے صبر بر مصائب، تحمل بر نوائب اور ادائے شکر و احسان کے واقعات کو معلوم کرے۔ کافۂ اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردیِ عامہ، اخوت، نفع رسانیِ خلائق، پاکیزگی، والا ہمتی، مہمان نوازی کو دیکھے۔ مسلمانوں کے اصولِ منزل و اصول تمدن و اصولِ حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن کے تیار کردہ ہیں۔

ایزک ٹیلر نے جو کیپٹن کا درجہ رکھتا تھا، اپنی ۱۲ر مئی ۱۸۸۷ء والی تقریر میں، جو دولور ہمپٹن میں جرمنی کانگرس کے سامنے دی تھی، صاف طور پر کہا تھا کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دخترکشی، عہد شکنی، قتل و غارت گری، وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔ مگر جب اُس ملک کے دوسرے حصے پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو اُن لوگوں کو رزائل بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا۔[1]

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ [آل عمران ۳:۱۱۰] اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو، جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔

صہیبؓ کا حال پڑھو، جو آہن گر تھے۔ قریش نے انھیں ہجرت مدینہ سے روک دیا۔ وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دے کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بتلاؤ کہ یہ ایثار اُن کو کس نے سکھلایا۔

---

[1] ملخص از اخبار سینٹ جیمس گزٹ، لندن، مطبوعہ ۸ر اکتوبر ۱۸۸۷ء

اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا، مگر وہ یکہ و تنہا خدا کی راہ میں تین سو میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ ﷺ کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرأت، یہ قربانی، یہ جذبہ اُن میں کہاں سے پیدا ہوا۔

خطاب کا بیٹا عمر فاروقؓ جو باپ کے اُونٹ چرایا کرتا تھا اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت خوئی سے سہار رہتا تھا، اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع میل پر حکومت کرتا تھا۔ اُس کی معدلت گستری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجبِ غبطہ رہا۔ غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اُس کے زیرِ نگیں تھے۔ اسی قران پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھی۔

خالد بن ولیدؓ نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی، اپنے رضاکاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی۔ سوچو کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت، یہ ہمت، یہ استقلال، یہ ثبات، یہ پامردی، یہ شجاعت، یہ قربانی، یہ جاں بازی کیوں کر پیدا ہو گئی تھی؟ اگر فکر صحیح، تلاش صادق سے تجسس کیا جائے تو ان سب ترقیات کا سببِ اُولیٰ قرآنِ کریم ہی نکلے گا، جو رسول کریم ﷺ کے طفیل ان شیدائیانِ ایمان کو حاصل ہوا تھا۔

فصل پنجم

قبولیتِ قرآن

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرتِ اشاعت بھی شامل ہے۔ ذرا غور کرو کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے دن میں پانچ مرتبہ چالیس کروڑ بنی آدم پڑھ لیتے اور سُن لیتے ہوں۔ یہ درست ہے کہ یورپ کے تمول نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھادی ہے، لیکن صرف اسی امر کو تداول واشاعت نہیں کہا جاسکتا۔ تداول کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو، اُسی میں اُس کا استعمال بھی ہوا ہو اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔

قبولیت کے معنی میں وہ عظمت واحترام بھی شامل ہے جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم ہو گیا ہو۔ اصحمہ نجاشی ابھی عیسائی تھا کہ سیدنا جعفر طیارؓ نے اُسے سورۂ مریم سنائی۔ اصحمہ اُس وقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا، لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزار جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔

عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور پھر گھر پہنچائے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آئے تھے، دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ آیت عذاب سن کر حالت اتنی متغیر ہو گئی۔

لبید عامری وہ زبردست شاعر تھا، جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری وساری تھی: اُكْتُبُوْهَا عَلَى الْحَنَاجِرِ وَلَوْ بِالْخَنَاجِرِ ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو، خواہ خنجروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔ عمر فاروقؓ سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دل جوئی کے طور پر فرمایا: کچھ اپنے اشعار سناؤ۔ اُنھوں نے کہا: امیر المومنین! جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن

عطا فرمایا ہے، تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ فاروقؓ نے خوش ہو کر اُن کے وظیفہ میں پانچ سو روپیہ سالانہ کی بیشی کر دی۔

ابو طلحہ انصاریؓ نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ [آل عمران ۳:۹۲] نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کر دو جو تمہیں بہت پیاری ہے۔ ان کے پاس ایک باغ تھا، پچاس ہزار سالانہ کی آمدنی کا۔ اُسی وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔

ایسے نظائر جمع کرنے سے صدہا مل سکتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں محمود و صلاح الدین یوسف اور عبدالرحمن الداخل اور منصور عباسی جیسے باجبروت تاج وروں کو اُن کی خشمگین حالت یا انتقامی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہلِ دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آپڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں، جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتابِ مجید کی عظمت اور فرقانِ حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

فصل ششم

خصوصیاتِ قرآن مجید

ایسی خصوصیات جو اس امامِ مبین کو صُحفِ سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں، بہت ہیں، اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱-[خطاب کا عام ہونا]

تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا: یہ ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔

جو کوئی شخص تورات میں سیکڑوں مقامات پر الفاظ ''بنی اسرائیل کا خدا'' پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ ''رب العالمین'' دیکھے گا اُسے تورات کے مقابلے میں قرآنِ پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی۔ اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے:

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِيۡنٌ لِّيُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيًّا ۔[یٰسٓ۳۶:۶۹-۷۰] یہ کتاب تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے تاکہ ہر ایک اُس شخص کو، جو زندہ ہے اُس کے برے انجام سے باخبر کر دے۔

عربی میں مَنۡ ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اس لیے مَنۡ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس کے ساتھ كَانَ حَيًّا کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ کر لو۔ ہر ایک وہ شخص جو ذوی العقول کی فہرست میں آسکتا ہے، ہر ایک وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے، قرآن مجید اُسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے، اُس کے عواقب اُمور سے آگاہ کرنے کا کفیل ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقولِ متیؑ، مسیحؑ نے اپنی بشارت وانجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے: مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔[1]

۲-[تعلیم کا جامع ہونا]

قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا: میں نے تورات وزبور وانجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں، پڑھا ہے۔ وید کا کچھ ترجمہ (ترجمہ بحر وسام) دیکھا ہے۔ اس کی تاریخ ترتیب وتالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس، مقتدائے چین اور بدھا، بانیِ بدھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ زرتشت وجاماسپ کے احکام کو دیکھا ہے۔ یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں یک فنّی ہیں۔

آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھ لو۔ تورات میں اخبار واحکام، زبور مجموعہ مناجات ہے، انجیل میں امثال و مواعظ ہیں۔ اب قرآن مبین کو پڑھو کہ مواعظ واحکام، اخبار و امثال، انذار وبشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفاتِ الٰہیہ کا بیان ذات ربّانی کا ثبوت، حصولِ تقرب کا طریق، توحید، توکل و تفویض کا مذکور، ایام اللہ کی تفصیل، حیات و ممات، انسان اور عدم ووجود عالم کا بیان، فطرتِ انسانی کی ساخت و شناخت، افعال رحمانی کے اسرار، قدرتِ ربانی کے نمونے، سطوت قہاری کے نتیجے، نصرت الٰہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ نفسِ فرومایہ کو رزائل بشریّہ سے پاک وصاف اور حیات مادّی کے تاثرات سے مبرا رکھنے، مالک و خالق کے سامنے خاضع وخاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علائق دنیوی اور تشبّہ صفات ملکی کے لیے اس سے بہتر و بالاتر کچھ متصور نہیں ہو سکتا۔

---

[1] متیؑ ۱۵/۲۱-۲۷

۳-[علوم عقلی اور علوم اُخروی کا مجموعہ]

آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علومِ اُخروی وعلومِ عقلی کے دو دریائے زخّار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ ہر ادنیٰ واعلیٰ اس سے برابر متمتع ہوتا ہے۔

وہی ایک آیت ہے جو اسحاق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کو گوہر مقصود سے بھر دیتی ہے۔ جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازی و غزالی نے اعترافِ عجز و قصورِ فہم کیا ہے۔ اسی سے تہامہ کا بدوی اپنی مشکلات کی کشاکش کی راہ پا رہا ہے۔

الحق قرآنِ حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہر ریز و نفع رساں ہے اور خس و خاشاکِ شبہات کو اپنی موج لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔

اُس کے باوقار الفاظ زبان کو، [اور] اُس کے پُراسرار معانی [دل] کو اپنا کیے بغیر نہیں رہنے دیتے۔ کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سُنی ہے، جو اوّل سے آخر تک پڑھنے والے کے وردِ زبان اور نقشِ دل ہو اور شبار وزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں، اور اسرارِ کتاب ختم ہونے میں نہ آئے "لَاوَاللہِ

۴-[رنگ و نسل اور زمان و مکان سے بالاتر]

خصوصیاتِ قرآنِ قیم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے مغرب تک کے لیے ہدایت نامہ دین و دیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے ملکی قانون بھی ہے۔ اس کی تعلیم کسی قوم اور کسی ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں۔ اس کے ارشادات انسانی فطرتِ صحیحہ کے مخالف نہیں۔ وہ یہودیت کی طرح جنت کو نسلِ واحد کی جاگیر نہیں بناتا۔ وہ تقرب الی اللہ کے لیے کل دنیا کو واحد خاندان کا دستِ نگر نہیں ٹھہراتا۔ وہ عیسائیت کی طرح انسان

کو فوق از جبلّت احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ نا قابلِ تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔ وہ دولت مندوں کو آسمانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔ وہ پرستارانِ مالک کے لیے ترویج وتاہل کو قابلِ نفرت ومذموم نہیں بناتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب ترحصوں پر بطورِ آئین سلطنت کبھی حکومت کامیاب کی ہو، اگر کسی کتاب نے جمیع بنی آدم کو رنگت اور قومیتِ نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو، جیسا کہ اس کتابِ قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

۵-[دیگر مذاہب حقہ کی تعریف]

قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اُس کے مقدس ہادیان وداعیانِ مذہب اور اُن کی تعلیماتِ صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔ وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔ اس خصوصیتِ عجیبہ میں کیسی سلامت روی، امن پسندی، معدلت گُستری، صداقت پروری آشکار ہے۔ قرآن تو اپنا نام مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرنا ہی اپنا مقصدِ اوّلین بتلاتا ہے۔

۶-[قولِ فیصل کی صفت]

خصائصِ قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ قَوْلٌ فَصْلٌ ہے اور اُن تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکارِ انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جن کو کتبِ سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا، اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں، مثلاً: مسئلہ عرفانِ صمدانی، مسئلہ صفات ربانی، مسئلہ وجود وشہود، مسئلہ بقائے رُوح وارتقائے رُوح، ماہیتِ نجات، کیفیتِ رضوان، امتیاز خالق ومخلوق، فرق رازق ومرزوق، مسئلہ شفاعت واعمال، مسئلہ سزا وجزا، مدارج صبر وشکر، منازل توکل وتفویض، ماہیت

عبادت واستعانت، روحانیت، انس ومحبت، حقیقت نصرت الٰہیہ ومعیتِ ربانیہ، مسئلہ گناہ وحقیقتِ توبہ، مراتب دُعا و قبولیت، رہبانیت و تامل، طلاق و وراثت، حقوق اولاد، حقوق جار، حقوق والدین، حقوق زوجین، حقوقِ جسم، حقوقِ انسانیت، حقوق عمران، فرائض، محارم، شفعہ، حقوقِ قوم، حکومت شخصی وجمہوری، شوریٰ وامارت، ماہیتِ فساد و فیوضِ امن، مکنتِ ارضی اور تمکن دینی، حدود عدل اور فسحتِ رحم، راعی ورعیت، آئین واستبداد وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشباہ واماثل میں جو فیصلے دیے ہیں، اُن کا لطف اُس وقت آتا ہے اور اُن کی اعلیٰ شان اُس وقت نظر آتی ہے، جب فیصلے سے پیش تر متخاصمین کے بیانات کو بھی سُن لیا جائے۔

اللہ اکبر! کیسی کیسی افراط میں نکلی ہوئی اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادۂ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں اور کج و پُر پیچ گھاٹیوں میں سے صراط مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے۔ بے شک یہ اُسی قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی وحال و استقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علمِ کامل اور تربیت پر کُلی اقتدار حاصل ہے۔

۷-[ایک ہی رسول کا لایا ہوا]

اس کتاب لَا رَيْبَ فِيْهِ کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اُس کا پیش کرنے والا شخص واحد ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وید کو دیکھو، اُس کی ہر ایک شُرتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں۔ آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مذکر نام اُس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شُرتی اکاس سے ملی۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اُترا۔ اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو اُن کی تعداد سیکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سیکڑوں رشی ہیں، جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ (۱) موسیٰ (۲)یشوع (۳)مصنف قاضیوں(۴) سموایل (۵) مصنف سلاطین (۶) مصنف تواریخ (۷) عزرا(۸) نحمیا(۹) مصنف کتاب روت (۱۰) مصنف کتاب آستر (۱۱) ایوب (۱۲) داؤد صاحبِ زبور(۱۳)سلیمان صاحب امثال و غزل الغزلات (۱۴)واعظ (۱۵)یسعیاہ(۱۶)یرمیاہ(۱۷)حزقی ایل (۱۸)دانی ایل(۱۹) ہوسیع (۲۰) یوایل (۲۱)عاموس(۲۲)عبدیاہ(۲۳)یونا(۲۴)میکہ(۲۵)نحوم(۲۶)حبقوق(۲۷)ضفیاہ(۲۸) حجی (۲۹)زکریا(۳۰)ملاکی کے الہامات یاتصنیفات کا مجموعہ ہے۔

علیٰ ہذاانجیلوں کو دیکھو کہ متیؔ، مرقس، لوقا مع اعمال، یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا، شاگردانِ مسیحؑ کے علمی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اوّل اور معلم نخستین صرف ایک ہے-ﷺ-،اس صحیفے کا خود اُسی کے ذریعے آغاز اور اُسی کے ذریعے سے اختتام ہو جاتا ہے اور باایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل، اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رُشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اِتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں۔ حالانکہ رِگ وید، یجر وید[اور] سام وید کا، اور اتھر وید، ان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل۔ اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت و کاملیت کا اندازہ فہم میں آسکتا ہے، اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبورِ تام بھی ہو۔

۸-[اسلوبِ کلام کا حسن]

خصوصیاتِ قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اُس کا اسلوبِ کلام نہایت شُستہ و مہذب ہے۔ وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیاسوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

بائبل کا اسلوب

کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جوروؤں اہولاآ اور اہولیاآ کا قصہ سنایا ہے۔ اُمید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصے کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے، مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کیا کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حُسن ظن باقی رہنے دیتا ہے۔ کیا انسانی کنبہ اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور نمونہ کی تمنا کر سکتا ہے۔ ہاں! ذرا لفظوں کو دیکھو کتنے گرے ہوئے ہیں:

الف: غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھوکری اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہارِ محبت کرتا ہے۔

ب: عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ [یروشلم] کو بتلادیا اور محبوب مسیحؑ کو، اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو ''اے میری بہن، اے میری زوجہ'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔[1]

کیا اس اسلوب کلام کو زمانۂ حال پسند کرتا ہے یا زمانہ گذشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا؟

ج: بائبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے۔ پھر یروشلم کو عورت فرض کر کے اُس کی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کی بابت مجھے اُمید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز [اینڈ] جنٹل مِن کے سامنے بطورِ وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔

---

[1] غزل الغزلات ۴/۹-۱۰

د: حزقی ایل باب ۲۳ کا درس ۲۰ پڑھو۔ بہن، بھائی، ماں بیٹا، باپ، بیٹی کا ذکر نہیں، بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوبل مین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

ویدوں کا اسلوب

الف: یجروید میں ادھیا ۱۹، منتر ۷۶، ب: ادھیا ۱۹، منتر ۸۸، ج: ادھیا ۲۰، منتر ۹، د: ادھیا ۲۵، منترے کو کیا کوئی گرو اپنی شاگرد لڑکی کو بپابندی شرم و حیا پڑھا سکتا اور اُن کا مطلب بتا سکتا ہے۔

قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اُسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرماتا ہے: اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ ۔ [المائدۃ ۵:۶] غائط اُس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں ایسی رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اس بارے میں درجہ بہت بلند اور بہت روشن ہے۔

فصل ہفتم

قرآن مجید کا مصنف

ایک مثل مشہور ہے: ''سخنِ شاہ بادشاہِ سخن'' عربی میں ہے: کَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ. قرآن مجید اس شہنشاہِ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات کو اُن کا سمجھنا سکھلایا۔ وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں اس قدر اختلافِ السنہ اور تباین لغات پدیدار ہوا۔

[عیسائی محققین سے چند سوال]

بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردے میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں، قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد قرآن پاک کو کلام محمد (ﷺ) بتایا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ:

۱- کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ [ہے] کہ نبی ﷺ نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزت سے خود کو محروم رکھا؟

۲- کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہو سکتا ہے؟

کیا وہ کتاب، جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ دی، اور وہ کتاب جس نے زندہ، حی و قیوم خدا کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کر کے کروڑوں بنی آدم کو حیاتِ جاوید سے بہرہ اندوز کر دیا، کیا ایسے دل، ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو؟

ان دونوں اُمور پر غور کرو، تمام دنیا کے [منصفین] کا رویّہ ہماری تائید میں ہے اور فلسفہ فطرتِ انسانیہ اس صداقت کا مصدق ہے۔

[بائبل میں قرآن کی خوشخبری]

اب ہم خود عیسائیوں کی دی ہوئی بائبل پر توجہ کرتے ہیں۔ بائبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر سے دی گئی تھی:

۱- موسیٰ قوم کے پاس احکام عشرہ کی الواح لاتے ہیں۔ قوم اُن الواح پر شک کرتی ہے۔

۲- قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا خدا خود اُن کی موجودگی میں موسیٰ سے کلام فرمائے۔

۳- موسیٰ برگزیدگانِ قوم کو طُور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے، بادل سب کو گھیر لیتے ہیں، ہوائیں تندی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں، بجلیاں کوندتی ہیں، گرج پر گرج کی صدائیں دلوں کو ہلا دیتی ہیں، بھونچال آتا ہے، پہاڑ کانپ رہا ہے۔

۴- ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل چلا اُٹھتے ہیں اور موسیٰ سے کہتے ہیں:

"اے موسیٰ تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں، لیکن خدا ہم سے نہ بولے، کہیں ہم مر نہ جائیں۔"[1]

یہ درخواست منظور کر لی گئی اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

۵- بنی اسرائیل کی اس کے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ کے منہ میں رکھ دے اور وہ قوم کو سنا دیا کرے۔

۶- اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نامنظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا۔ وہ نبی اللہ، اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے

---

[1] خروج، [باب] ۱۹-۲۰، استثناء، باب ۱۶-۱۸۲

گا، وہ سب لوگوں سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو، جنھیں وہ نبی میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو اُس کا حساب خدا لے گا۔[1]

اب براہِ مہربانی یہودی و عیسائی ان واقعاتِ بالا کو خیال میں رکھیں اور پھر ہم کو بتائیں: سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کون سا نبی ہے جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا؟ وہ کون سا نبی ہے، جس نے یہ بتلایا کہ ''اُس کے منہ میں خدا کا کلام ہے''؟

ہم ان دونوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہر گز ہر گز کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتلا سکیں گے جس نے زبان سے اتنا فقرہ استعمال کیا ہو کہ ''اُس کے منہ میں اللہ کا کلام ہے۔'' کلام اللہ کا سنانا تو امر دیگر ہے۔ یہی بات وہ ہے جو حق پوش اہلِ کتاب پر رب العالمین کی سب سے بڑی حجت ہو گی اور جس پر یوم الدین کو خدا کی عدالت قائم ہو گی۔

جواب دینے سے پیشتر یسعیاہ کا فقرہ بھی یاد رکھنا چاہیے: ''دیکھو، اُمی کو کتاب دی گئی۔'' یہودیوں، عیسائیوں کو بتلانا ہو گا کہ ''اُمی صاحبِ کتاب'' اور کون ہے؟

اے یہودیو! اے نصرانیو! وہ اُمی تو محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جن کا عَلَم ہمیشہ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ رہا۔ دنیا میں اور کسی نبی کا لقب یا عَلَم النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ کبھی نہیں ہوا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّی وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

---

[1] استثناء باب ۱۸، درس ۱۸-۱۹

قرآن کی پیشین گوئیاں

جو لوگ قرآن پاک کو تصنیفِ محمد ﷺ بتلایا کرتے ہیں جو حضور ﷺ کا نبی صادق ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ کیا ایسے اشخاص اس امر کی کوئی توجیہ کر سکتے ہیں کہ ان کی حالت مزعومہ کے ہوتے ہوئے قرآنِ مجید کیوں کر آنے والی مغیبات کو بیان کرتا اور زمانِ پیشین (مستقبل) کے متعلق پیشیں گوئیوں کا اعلان فرماتا ہے۔

اتمامِ حجت منکرین اور انشراحِ صدر مومنین کے لیے اُن پیشین گوئیوں کا ذکر بطورِ تذکرہ کیا جاتا [ہے] جو قرآن مجید سے ثابت ہیں اور چودہ صدیوں کا عہدِ طویل شہادت دے گا کہ نزولِ قرآن پاک کے بعد سے آج تک اُن میں سے کس طرح وہ پیشین گوئیاں تمام دنیا کے سامنے حرف بحرف اور ہُو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

فصل اول

قرآن کے متعلق

۱-[قرآن کی بے مثالی]

پہلی پیشین گوئی: قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔[بنی اسرائیل ۱۷:۸۸] اے رسول! سب سے کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت بھی کریں اور پھر وہ اُس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو وہ ہر گز ہر گز ایسا نہ کر سکیں گے۔

الفاظِ دعویٰ کی شوکت اور قوت، غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

عہدِ نبوت [کے لیے چیلنج]

قرآن پاک کو کلامِ محمد ﷺ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابغہ، امرءالقیس و عنترہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کن ہے۔

وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آبِ زر سے لکھواتے اور بایامِ حجِ عام، دیوارِ کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے، کیوں اس دعویٰ کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے؟ وہ ابو لہب، ابو جہل، کعب بن اشرف، سلام [بن] مشکم جیسے قریشی و یہودی، جنھوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دُھن میں زر و مال اور نفوس و اولاد کو قربان کر دیا تھا، کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص، جو اُن ہی میں پلا اور بڑھا ہے اور جو وہی زبان بولتا ہے جو اُن سب کی ہے اور پھر وہ اُن سب کے پیارے مذہب اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور اُن کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام کو جو اُسی کے منہ سے نکلی ہے، بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ ان سب حالات کی

موجودگی میں بھی کوئی شخص اُس جیسی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص بالمثل کلام پیش کر کے تحدّی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا!!

عہدِ حاضر [کے لیے چیلنج]

اچھا اُس وقت کا ذکر چھوڑو۔ اب زمانِ حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام، بیروت، دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے، جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار، جرائد اور رسائل اشاعت پذیر ہیں، وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنھوں نے لغاتِ عربیہ پر قطر المحیط، المنجد، اقرب الموارد اور المحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس سورتوں کے برابر ہی نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟!

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں یدِ طولیٰ رکھنے والا ہے، اُس پر اُتنا ہی زیادہ رُعب کلامِ قرآنی کا غالب آجاتا ہے۔

آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لیکن جس [چیز] کو قرآنِ حکیم نے تحدّی بنایا، اُس پر کوئی بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

معترض عہد نبوی ﷺ کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہو گا۔ [لیکن وہ ساڑے تیرہ صدیوں کے زمانہ کی خاموشی کی بابت کیا توجیہ پیش کر سکتا ہے۔][1]

[۲- حفاظت قرآن]

دوسری پیشین گوئی: قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

---

[1] اضافہ از نسخہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء (مدوّن)

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ [الحجر ۱۵:۹] ہاں، ہم نے ہی اس قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اُس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے۔

الف: [سابقہ کتابوں کا حال]

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحفِ سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

۱-[تورات کا حال]: تورات موسیٰ کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ کو کوہِ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اُسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں، جب موسیٰ نے میدان میں آکر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ غیرتِ ایمانیہ سے بے تاب ہوگئے۔ لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشر اور دیگر احکامِ شریعت، موسیٰ ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے۔[1] یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جاسکتی ہے کہ داؤدؑ کے عہد تک خیمۂ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن [کتاب] سلاطینِ اوّل باب ۸ سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیمۂ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان علیہ السّلام نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اُسے رکھوا دیا ہوگا۔ لیکن یہ مسلّمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اُسے بھی بختِ نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثۂ ہائلہ ۵۸۶ ق م میں واقع ہوا۔

---

[1] استثناء باب ۲۵

داراؔ، شاہِ ایران کے عہد میں زرّو بابل وغیرہ سردارانِ بنی اسرائیل نے ہیکل کو از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی، مگر نہ ملی۔[1] تب حضرت عُزیر علیہ السّلام نے اپنی یادداشت اور حجی وزکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا، جسے یہودی تورات کہتے ہیں۔ (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکس کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ ۳۰۰ق م کا ہے۔ پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ ملک مصر پر حملہ آور ہوا تھا، اُس کے سپہ سالار نے اُس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۶۶ق م کا ہے۔ ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ [جان] بچا کر اپنے وطن شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اُس کے فرزند مقائیس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اُسی کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے چند فرقے اسی کو [آسمانی] کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعاتِ بالا پر پورا پورا غور کرو، اصلی کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے؟!

۲-[انجیل کی سرگزشت:] اب انجیل کی سرگزشت سنو۔ انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں: انجیل متیؔ، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔

۱- متیؔ کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (واقع شام) میں لکھی [گئی]، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے۔ اُس کا ایک ترجمہ یونانی زبان کا ملتا ہے، لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا۔

---

[1] دیکھو کتابِ عُزیر

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اوّل و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔[1]

۲۔ لوقا، مصنفِ انجیل، پولوس کا شاگرد ہے۔ اس نے مسیح علیہ السّلام کو نہیں دیکھا اور اُس کے اُستاد نے بھی مسیح علیہ السّلام کی زندگی میں اُس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ اُمید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعاتِ مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں گے لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے:

جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے اُن میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہوگئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔[2]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے، وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

۳۔ مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

۴۔ یوحنا بن سندائی کی انجیل غالباً بلحاظ سنِ تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السّلام کا شاگرد تھا، لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

---

[1] کتاب الاسناد، ص ۵۳، نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۷ء

[2] کتاب الاسناد، ص ۶۱

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السّلام پر من جانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں اُنھی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے، لیکن ان میں اتنا تناقض موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلارک، نورٹن اور ہارون صاحب، انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فرنچ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دُور ہے اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

۳-[پارسیوں کی کتاب کا حال]: اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ اُن کی کتابیں کبھی موجود ہوں گی، لیکن کتاب ژند توزرتشت کے عہد سے بھی پہلے نادرالوجود ہو چکی تھی۔ ژند کے معنی وہ سنگ چقماق ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لیے ژند ہوا کہ اُس کے اندر بھی روشنی موجود ہے۔ اس کی شرح کا نام پاژند ہوا۔ پاژند وہ لوہے کی میخ ہے جو چقماق پر آگ نکالنے کے لیے ماری جاتی ہے اس کی شرح کا نام اَدِستا ہوا۔[1]

کہتے ہیں کہ ژند کے پچیس باب تھے اور اب صرف انیسواں ''دندیدار'' پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اُس کا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا، لیکن سکندر مکڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا

---

[1] سخن دان پارس، ص ۲۰

ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا، تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اُسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا، لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اُس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

دساتیر کے متعلق اہلِ تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ صبح و شام کو پڑھی جانے والی دعائیں اُس میں درج ہیں۔

اَدِستا کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزولِ قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتاب کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ترجمہ ثبت کر دیا گیا: ''بنام ایزد بخشا ئندہ بخشائش گر، مہربان دارد گر۔'' اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دَرّی زبان میں کر دیا گیا تاکہ اُس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے: ''خرشید شمستائے ہرشندہ، ہرشتگر زمربان فروبیدار۔''

مندرجہ بالا حالات سے پتہ لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا، جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

۴- [ہندوستانی کتابوں کی کہانی]: ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ اس اجمالی اقرارِ عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔ سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے اور برہمن بھاگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دوچند زیادہ ہیں۔

اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو ۲/۳ حصۂ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا ۲/۳ حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں، مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں رگ، یجر، سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھر کا نام نہیں آیا۔ سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی نام پائے جاتے ہیں، لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں قریباً ۳۲ کتابوں پر اسم ''وید'' کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو ''وید'' کو خدا ساز بتاتے ہیں، مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم ''وید'' کو کلامِ انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اُس کا شاستر چھ شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بطورِ مسلّمہ آریہ اور سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے۔ جینی لوگ ''وید'' کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آکاس بانی ہونا بھی وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانے سے ماقبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو ''وید'' سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر فقرات سے ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظتِ الٰہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اسی لیے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اُسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون واوہام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرتِ الٰہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی بلکہ اُس زبان اور لُغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔ ذرا غور کرو، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدی جو مسیح علیہ السّلام کی زبان تھی اور دِرّی جو ژند و پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو ''وید'' کی زبان تھی، اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطورِ زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان اَلسِنہ کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے کہ اب انسان کو اُن کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی، جو اِن زبانوں میں مروّج کی گئی تھیں۔

ب: [قرآن کا حال]

[اب] اُس حفاظتِ الٰہیہ کا اندازہ کرو، جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اُس کا زیر و زبر اور حرف بحرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اُسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو میں موجود ہے۔ اگر حفاظتِ الٰہی خود کار فرمانہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا صرف ممکن [نہیں] بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ۔ [العنکبوت ۲۹:۴۸] سے مخاطب ہو۔ آپ ﷺ تو اپنے داہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے تھے۔ بُرہانِ بالا حفاظت الٰہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسبت مقام سے ہم قرآنِ مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں۔ حروف کا اندراج اس لیے کیا جاتا ہے کہ تعدادِ سور، رکوعات و آیات وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمارِ حروفِ تہجی [1]

جتنی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے۔

ا	48992	ب	12228
ت	2404	ث	3105
ج	4232	ح	4120
خ	2105	د	5972
ذ	4739	ر	12640
ز	3580	س	5976

[1] منقول از دستور العلماء جلد دوم، مصنفہ قاضی الفاضل عبد النبی احمد نگری ۱۲

ش	2115	ص	20083
ض	682	ض	682
ط	1307	ظ	782
ع	9274	غ	9211
ف	4418	ق	6612
ک	10628	ل	33520
م	26515	ن	44190
و	25589	ہ	12070
ی	25909		

نقشہ میں کل حروف کا مجموعہ نہیں دیا گیا تھا جو کہ جمع کرنے سے 346998 بنتا ہے۔

امیر المومنین عثمانؓ اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس بُرہان کے خاتمے پر تکمیلِ مدّعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ نے بھی حفاظتِ قراءت و کتابتِ قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔ اُنھوں نے نبی ﷺ کے کاتبِ وحی زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں سات قرآنِ مجید [کے نسخے] لکھوائے اور ان کو سات نائبان سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کر کے بھجوایا۔ اس سے بھی حفاظتِ قرآن پاک ہی مدعا تھا تاکہ رسم الخط میں بھی آیندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ کاتبِ وحی کے قلم اور خلیفۂ راشد کے دستخط اور مہرِ رسالت سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانے کے کاتبین کے واسطے صحت و نقل و مقابلہ کے لیے بے بہا گوہر تھا۔

نقل اور طریقِ وجادہ

آج کل تو وجادہ ہی پر نقول کا اعتبار چلتا ہے یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو، جس سے نقل کی گئی ہے۔ لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے، مفقود ہے۔ خلیفۂ راشدؓ نے نقل و صحت میں شک واختلاف مٹانے کے لیے اصل شے قائم کر دی تاکہ بحالتِ ضرورت اسی کی جانب رجوع کیا جائے۔ یہ قرآن مجید ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ دنیا کی اور کسی مقدس کتاب کو یہ درجہ حاصل نہیں۔

اعتراض اور اس کی اصلیت

معترضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جھٹ کہہ دیا کہ عثمانؓ نے قرآن میں تصرف کیا تھا۔ ان کو تاہ فہم لوگوں کو نہ اُس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر ہے۔ سیدنا عثمانؓ اور ممالکِ اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی اُن کو علم نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

نماز اور قراءت

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآنِ مجید سے وہ چاہے، جتنا چاہے قراءت کرے، اس لیے دنیا پر پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف اجزاء و سور سے قرآن مجید کی قراء ت روزانہ کیا کرتے ہیں۔ ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں، سیکڑوں مقتدی سُنا کرتے ہیں۔ اقتداء کرنے والوں میں بھی بہت تعداد اُن لوگوں کی ہوتی ہے، جن کو خود بھی وہ آیات، جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔ یہ طریقہ عہد نبوی ﷺ سے جاری تھا اور ہر شہر ہر قصبہ ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

نسخہ جاتِ قرآنی کی اشاعت

خلافتِ عثمانی سے پیش تر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں پر پہنچ گئی تھی،اور اس کے نسخے اُلوف در اُلوف بستیوں میں موجود تھے،اس لیے عثمانؓ کے حیطۂ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں،سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کر سکتے۔

حضرت عثمانؓ سے مسائل فقہ میں جمہور کا اختلاف

ہاں ہم کو وہ مسائل فقہیہ بھی معلوم ہیں، جن میں صحابہؓ کا اختلاف عثمان غنیؓ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ نے اُن کے خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہادِ فقہی پر محکم رہا تو پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ عثمانؓ قرآن مجید کے متعلق کوئی خود ساز تبدیلی کرتے اور صحابہ اُس پر خاموش رہ جاتے؟

حضرت عثمانؓ اور اہلِ مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ مصر نے حضرت عثمانؓ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ اُن کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا ہے اور انھی اُمور پر اہلِ مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت پر ہوا، لیکن ہم کسی مصری اور اُس عہد کے کسی اور شدید البغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمانؓ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

خلافتِ مرتضویؓ اور مصحف عثمانیؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ اُن کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانے میں قرآن کی ترتیبِ عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اُسی قرآن کا ورد فرماتے ہیں۔

رفعِ مصحف کا واقعہ صفین میں

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہلِ شام قرآنِ مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اُس وقت حزبِ مرتضویؓ میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہلِ شام کے قرآن پر کیا اعتماد ہے؟ حالانکہ فریق برسرِ جنگ کو اگر ذرّہ بھی گنجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کر سکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہو گئی۔

ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین عثمانؓ نے حفاظتِ قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالمِ اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم، دانا و نادان، دوست و دشمن اُن کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاقِ کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظتِ کتابِ حمید کی ہے۔

۳-[جمعِ قرآن کی ضمانتِ ربّانی]

تیسری پیشین گوئی: جمع قراءت قرآن مجید کی بابت۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔[القیامۃ۱۸-۱۷:۷۵] قرآن کا جمع کرنا اور قرأت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول ﷺ! جس قرأت سے قرآن پڑھا جائے، آپ اس پر کاربند رہیں۔

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا، لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا، جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب وتدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم وتاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قراءت کر رہی ہے۔ اس پیشین گوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع وترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اُسی ترتیب اور قراءت کے موافق ہے جو علم الٰہی اور قراءت سماوی میں ہے۔ [چنانچہ] یہ وہم، کہ افرادِ اُمت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کر سکا ہے، بالکل غلط اور باطل بن جاتا ہے۔

۴-[حفظ قرآن]

چوتھی پیشین گوئی، کہ قرآن مجید حفظ یاد رکھا جائے گا۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔[العنکبوت۲۹:۴۹] یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآنِ مجید سے پیش تر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی۔ اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے۔

اس پیشین گوئی کے مطابق ہر ملک، ہر صوبہ، ہر ضلع، ہر شہر میں حُفّاظِ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتقان اور یقینِ واثق کے ساتھ تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قراءت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اُس کی صحت دوسرے حُفّاظ ہی سے جا کر کرے گا۔

یہ ایسی زبردست پیشین گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔

۵-[حفظِ قرآن کی آسانی]

پانچویں پیشین گوئی، کہ قرآن مجید کو حفظ کر لینا آسان ہو گا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ۔[القمر ۵۴:۱۷] ہم نے قرآن کو یاد کے لیے آسان بنا دیا ہے۔

پیشین گوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اُچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از بر سنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی اُمنگ آنی چاہیے تھی۔ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے، کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی، مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا۔ نہ یہودی، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو اور نہ اور، جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلادی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کرو، رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اُتارا گیا تھا) یہ خصوصیت، یہ خاصیت، یہ مابہ الامتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو از بر یاد کیوں کر ہو سکتی تھی؟ اور کیوں کر کوئی شخص حفاظ قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسے تیقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرأت کر سکتا تھا؟ یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت، اور یہ ہے فطرتِ انسانی کے اصل منشا کا راز جس کے مقابلے سے دنیا عاجز ہے۔

۶-[قرآن کی اشاعت]

چھٹی پیشین گوئی، کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی۔

وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۔ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۔[الطور۵۲:۲-۳] قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے، پاک صاف صحیفہ [میں جو] اشاعت پاتی ہے۔

رقّ اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کتابت کے لیے خاص طور پر بنائی جاتی ہے اور باریک، سفید پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کے لیے تیار کی جائے۔[1]

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا اور مسطور بھی اور پھر اُسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنی میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

۷-[باطل سے محفوظ]

ساتویں پیشین گوئی، کہ باطل یا بطلان، قرآن مجید کے نزول میں یا آیندہ کسی عہد میں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔[حم السجدۃ۴۱:۴۲] باطل اس کے آگے یا پیچھے سے نہ آئے گا۔ یہ تو خدائے حمید و حکیم کی طرف سے نازل کیا گیا۔

فلسفۂ قدیم (بَاطِلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ) اور فلسفۂ جدید (بَاطِلٌ مِنْ خَلْفِهِ) نے بہت زور مارا مگر قرآنِ حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ فلسفۂ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفۂ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کو دخل کی گنجایش ہی نہیں۔

---

[1] المنجد

فصل دوم

اسلام کے متعلق

۱-[غلبہ اسلام]

پہلی پیشین گوئی، منکروں کی نفرت و کراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت و حقانیت غالب ہوتی رہے گی۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔

[الصف۹:۶۱] اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ کیسا ہی بُرا مانتے رہیں۔

جنوبی عرب اور عیسائیت

بعثت نبوی کے وقت عرب کی پولٹیکل حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب پر سلطنتِ حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی اقطاع پر روما کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائیت اگرچہ عرب میں ۳۳۰ء کو داخل ہوگئی تھی اور بنوغسّان عیسائی بن گئے تھے، مگر رفتہ رفتہ عراق، عرب، بحرین، صحرائے فاران اور دومۃ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہوگیا تھا۔ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے کہ ۳۹۵ء سے ۵۱۳ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے چند ہی سال میں اس پر غلبہ حاصل کرلیا اور یہ جملہ ممالک دین حقہ میں داخل ہوگئے۔

عرب اور یہودیت

یہودی عرب میں اس وقت آئے جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ممالک سے نکال دیا تھا، ان کا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا اور اُس نے استحکام بھی حاصل کرلیا تھا۔ اسلام کے آتے ہی اس کا بھی چار صد سالہ قبضہ عرب سے بالکل اُٹھ گیا۔

مشرقی عرب اور مجوسیت

عرب کے مشرقی حصے پر سلطنتِ فارس کا اثر تھا اور اس حصہ کا گورنر شاہِ ایران کی منظوری و انتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ مشرقی حصے میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پاگئے تھے۔ تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں، جنھوں نے مجوسیت کے اثر میں آکر بیٹی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔ اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

عرب وسطیٰ اور بت پرستی

حجاز (یا وسطِ عرب) میں ابن اللحی شام سے بت لے آیا تھا اور اسلام سے تین صدی پیش تر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔

عرب اور مذاہب متعددہ

صابی، دہریہ، منکران قیامت، مادہ پرست اور خود پرست و خوش باش وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے، جن کے مقلدین کی تعداد سیکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اسلام کی حقانیت نے اِن سب لوگوں کو بھی بُطلان سے چھڑایا، یہی معنی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ [الصف۶۱:۹] کے ہیں، جس کا ظہور حضور پُر نور، نبی ﷺ کے عہدِ اقدس ہی میں ہو گیا تھا۔

۲-[حیاتِ نبوی میں اسلام کا اتمام]

اسلام کے متعلق دوسری پیشین گوئی، کہ وہ تکمیل و اتمام کو پہنچے گا: وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ [الصف۶۱:۸] اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر بُرا مانتے رہیں۔

وعدہ کی زمین پر موسیٰؑ داخل نہ ہوئے

موسیٰؑ کی سیرتِ پاک پر غور کرو، اگرچہ ان کے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا، جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعونِ مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اس کی خشک زمین پر سے راستہ دیا، من و سلویٰ اُتارا، دن میں خاک کے بگولے سے ان کی رہنمائی

کی اور رات کو اسی بگولہ کو ستونِ نار بنا کر کیمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا، مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا وہ ان کی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

داؤدؑ خدا کا گھر نہ بنا سکے

داؤدؑ کی سیرتِ پاک کو دیکھو، ان کو بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط پر حکومت بھی ملی۔ اُنھوں نے جالوت کو بھی خاک و خون میں سلایا۔ انھوں نے سموئیل کو بھی نیچا دکھایا، شہریار بنایا، قلعے تیار کیے، لیکن خدا کا گھر بنانے کی اُن کو اجازت نہ ملی۔

مسیحؑ کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیحؑ کی سرگزشت کو پڑھو، تبلیغ و اشاعت کی غرض سے وہ شبا روز سفر میں رہے۔ اپنے سہ سالہ ایامِ تبلیغ میں اُنھوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا۔ لیکن پھر بھی یوحنا، باب ۱۶ میں ان کا اعلان یہی تھا کہ وہ مکمل تعلیم نہیں دے سکے اور ساری صداقت اور سچائی نہیں سکھلا سکے۔

ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان، اور اعلامِ عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل و اتمام کے مدارج پر پہنچے گا اور نورِ اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً ہی فائز المرام ہوگا۔

مادی دنیا کی انتہائی بلندی سے روحانیت کی آواز

اس آیت کا نزول تو اُس وقت ہوا تھا، جب مہاجرین و انصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی اور نماز بھی دشمن کے حملے سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی سب سے بلند پہاڑی (کوہِ رحمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مَرْکَب (ناقہ قصویٰ) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ

اَلۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ۔[المائدۃ۵:۳] آج تمہارا دین تمہارے فائدے کے لیے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا، آج میں بتلاتا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہو۔

ناظرین! آپ نے پیشین گوئی کو بھی دیکھا اور اس کا اتمام بھی دیکھ لیا۔

۳-[دین کی اشاعت واستحکام]

تیسری پیشین گوئی اسلام کی بابت، کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائے گا اور اس کا پھیلاؤ روز بہ روز زیادہ ہوتا جائے گا۔

مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَهَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ۔[ابراھیم ۱۴:۲۴-۲۵] کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے جس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیلتی جاتی ہیں، وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت (ہر زمانہ) میں پھل دیا کرتا ہے۔

ثَابِتٌ اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سَمَآءٌ، سُمُوّ سے بنایا گیا ہے، رفعت و شوکت، بلندی و عزت کے معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔

وہ درخت جس کی جڑیں پاتال کی طرف بڑھتی جائیں، جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا جائے اور خوراک بھی اُسے زیادہ ملتی رہے۔ وہ درخت جس کا نشو و نما جاری رہے، جس کی طراوت و تازگی قائم رہے، اس کی شاخیں پھیلا کرتی ہیں۔ فضا میں لہلہایا کرتی ہیں، آسمان کو جایا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں اوس، مینہ سے بھی غذا لیتا ہے۔ وہ زمینی برکتوں، نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔ جمعیت کے اعتبار سے اس کا تنا ایک ہوتا ہے اور پھیلاوٹ کے لحاظ سے اس کی شاخیں انیک [کئی]۔

یہی مثال اسلام کے کلمۂ طیب کی ہے، جہاں اُس کا بیج بویا گیا تھا، وہاں اسی طرح دائم و قائم ہے اور اس کی شاخیں چین و افریقہ، انگلینڈ و امریکہ تک پھیل گئی ہیں۔

[دوسری قوموں کی حالت]

۱- ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اُتری۔ تبت اور ترکستان وماوراء النہر میں جاکر دیکھو اور پوچھو کہ کوئی اس دعویٰ کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں! معلوم ہو جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔

۲- بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دی گئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابدالآباد کے لیے یہ مملکت اور اس کی حکومت انھی کو حاصل رہے گی، لیکن کیا اب اس کی جڑ اس وعدہ کی سرزمین میں قائم بھی ہے؟ جنگ عظیم (۱۹۱۸-۱۹۱۴ء) میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین "قومی گھر" بنا دیا جائے، لیکن وہاں کے باشندے اب تک ان کے قدم وہاں جمنے نہیں دیتے۔ اگر انگلستان کی کوششیں بارآور بھی ہوتیں، تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جس کا وعدہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ و سلیمانؑ کے ساتھ تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوتی جس کے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسب وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی، جب کہ وہ بعہد مسیحؑ رومیوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

۳- پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے لیکن اب تو وہاں ان کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں۔ کیا ان حالات میں یہ اقوام اَصْلُهَا ثَابِتٌ کے الفاظ اپنے اوپر چسپاں کر سکتی ہیں؟ یہودیوں، ہندوؤں، پارسیوں وغیرہ کی قوم جس جمود پر پڑی ہوئی ہے، یا جس ملکی احاطہ میں محدود ہے وہ ان حالات میں فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں؟

ہاں اسلام ہے، جو نہ کسی حویلی کا پیپل ہے، نہ کسی کے صحن خانہ کا نیم ہے، نہ کسی باغیچہ کا پیڑ۔ وہ آسمان کے تمام خلا کو اپنا سمجھتا ہے اور اس میں پھیل رہا ہے۔

[اسلام کی پانچ خوبیاں]

ہاں! آیت پر مکرر غور کرو کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے:

الف: كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ واضح ہو کہ اسلام کی وحدتِ تعلیم اور مساوات حقوق بھی منفرد ہے، اس لیے اسلام کی بہترین تشبیہ درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنے پر بے شمار شاخیں، ڈالیاں اور پتّے ہوتے ہیں، اور وہ سب غذا و نمو میں اسی تنے سے یکساں مستفیض ہوتے ہیں۔

ب: اسے طیبہ کہا گیا ہے، جس میں صورت کی خوشنمائی بھی شامل ہے اور جس کا سایہ اور ثمر بھی ہوتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی موہنی شکل و صورت سے دلرُبا رہا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔

ج: اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ [اور]

د: فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ کی بابت ہم دلیل، [شروع] میں لکھ چکے ہیں۔

ہ: تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا

ہر ایک درخت کے پھل لانے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ کوئی گرما، کوئی سرما میں، کوئی بہار، کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسا درخت بتلایا جو ہر وقت پھل لانے والا ہے۔

[دورِ نبوی میں اشاعت اسلام]

قیامِ مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اُس ابتدائی زمانے کو دیکھو، جب نبی ﷺ ابھی مکہ میں قیام فرما تھے اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ کے لیے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ حبش و یمن میں اسلام نے اُس وقت سایہ ڈالا تھا۔

قیامِ مدینہ میں اشاعت

اس دورِ ثانی کو دیکھو، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں اقامت گزین ہوئے کہ بحرین و عمان اور دومۃ الجندل اور سرحد شام تک لوگ اسی وقت اسلام کے اثمارِ شیریں ثابت ہوئے تھے۔

[خلافتِ راشدہ میں اشاعت اسلام]

دورِ صدیقی میں اشاعت

پھر دورِ ثالث کو دیکھو، جب آفتابِ نبوت ظلّ احتجاب میں آچکا تھا، مخلصین دل شکستہ تھے، منافقین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ معاہدین نے معاہدات کی شکست کا اعلان کر دیا تھا۔ متخاصمین سرحد عراق و ایران پر فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔ خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں اعراب آگے بڑھے اور یہ کچے دل کے لوگ نور صداقت سے مستنیر ہو کر ثمرِ شیریں بن گئے۔

[دورِ فاروقی و عثمانی میں اشاعت:]

دورِ چہارم میں فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ شامل ہے جب کہ مشرقی سائبیریا سے لے کر مغربی تیونس تک اسلام پہنچ گیا تھا۔

[اُموی دور میں اشاعت:]

اُموی زمانہ میں اسلام نے جبل الطارق کو پھاندا اور سمندر پر سے اُچھلا اور اسپین کو زیر نگیں کیا۔

[مغلوں کا قبولِ اسلام]

چھ سات صدیوں کی اقبال مندی کے بعد مسلمانوں کی دولت و حکومت کو زوال آیا اور دارالسلطنت بغداد تباہ ہوا، لیکن انھی دنوں میں وہی مغول تتر جو اس درخت کے کاٹنے کے لیے تیشہ و تبر لے کر بڑھے تھے، اس کی شاخوں سے پیوند ہو گئے اور ثمر شیریں ثابت ہوئے۔

[مخالفانہ حملے اور اسلام کی اشاعت]

یونانی فلسفہ اور ہندو توہمات

الغرض اسلام اپنی مظلومی کے عہد میں بھی بڑھا اور ترقی و آسایش کے ایام میں بھی اُس نے ترقی و ازدیاد کی طرف قدم بڑھایا۔ اسلام پر یونانی فلسفہ اور ہندوانی توہمات، ایرانی تعیش اور بربری توحش کے بھی حملے ہوئے مگر وہ پھر بھی ترقی پذیر رہا۔

یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید

ہمارے عہد میں فلسفۂ جدید اپنی تعلیمات سے اسلام پر گولہ باری کر رہا ہے اور یورپین طاقتوں نے اُودھم مچا رکھا ہے۔ مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ترکی دولتِ عظمیٰ سے گھٹ کر ایک معمولی سلطنت رہ گئی ہے۔ مراکو اوّل درجہ کی سلطنت سے باجگزار بن گیا ہے۔ عرب اور عراق کی حکومتیں اغیار کی دستِ نگر ہیں۔ تنظیم قوم کا سلسلہ پراگندہ ہے۔

حالیہ عہد میں اسلامی ترقی

تاہم اسلام انگلستان اور جرمنی اور امریکہ پر اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے کونٹ اور کونٹس لارڈز اور پرنسز اسلام کا پھل ثابت ہو رہے ہیں۔ چین اور افریقہ میں دس سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دوچند ہو گئی ہے۔ ان تمام حالتوں پر نگاہِ عبرت سے غور کرو اور تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ کی پیشین گوئی کی صداقت کا اندازہ لگاؤ، جب مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی کو ایک وقت واحد میں دیکھا جاتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ حکم عالی کی طاقت بخوبی ہویدا ہو جاتی ہے۔

۴-[اشاعت اسلام اور دلائل حقانیت]

چوتھی پیشین گوئی اسلام کی بابت کہ وہ اپنے دلائل حقانیت سے ترقی کرے گا اور دلائل انفسی و آفاقی ان لوگوں کو اسلام تک لانے میں دلیلِ راہ بنیں گے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔[حم السجدۃ ۴۱:۵۳] ہم اُن کو بہت جلد اپنے نشاناتِ قدرت دکھلائیں گے، مظاہر عالم کے اندر بھی اور خود اُن کے نفوس میں بھی، جس سے ان لوگوں پر یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلام تو ضرور سچا ہے۔

یہ ہے وہ چیز جو عرب کو اسلام تک کھینچ لانے کا موجب بنی۔ غور کرو، جب نشاناتِ قدرت کی اندرونی و بیرونی شہادت کسی معاملے کی راست بازی و صداقت پر جمع ہو جائے تو کیا اُس وقت کوئی صحیح دماغ ایسی شہادت کا انکار کر سکتا ہے۔ جب چشم و گوش اور عقل و ہوش کے سامنے ایسی براہین ساطعہ موجود ہوں جو حواسِ ظاہری و باطنی کو بامِ تصدیق پر پہنچا دیتی ہیں، تو پھر ان کا ابطال کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے مخاطبین کے سامنے وہ نشانات و علامات بھی دکھلائے جن کی شہادت خود اُن کے ضمیر نے ادا کی اور وہ علامات و دلائل بھی قائم کیے، جن کی تائید زمین و آسمان کے ہر انقلاب و گردش سے ہوئی، تب اُن کو حقانیتِ اسلام کے اقرار میں کوئی چارہ نہ رہا اور وہ پروانہ وار اس شمع تجلی پر ٹوٹ کر گرے اور جان و مال کو اس منبعِ انوار پر نثار کر دیا۔

سیدنا موسیٰؑ کی آیاتِ تسعہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ فرعونیوں پر حجت الٰہی تو ختم ہوئی مگر وہ ہدایت سے دُور دُور [رہے ہیں]۔ آیاتِ قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الآفاق بھی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے مخاطبین نورِ حق سے قریب قریب ہوتے گئے اور مستنیر ہوتے ہوتے خود سراپا نور بن گئے۔ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ کی یہی تاویل ہے۔

فصل سوم

مسلمانوں کے متعلق

۱-[مسلمانوں کا غلبہ]

پیشین گوئی، کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ [الصّٰفّٰت ۳۷:۱۷۳] ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا، اس وقت تک وہ برابر گوناگوں جور و ستم کا اماج بنے رہے، لیکن جب ان کی مظلومانہ حالت اور مخروجانہ بے بسی پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے اُن کو جنگ کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کی جمعیت، فوجی تنظیم سے منظم ہو گئی، حتّٰی کہ اُس پر لفظ جُند کا اطلاق صحیح ہو گیا، اُس وقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی۔ وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت و ظفر ان کے علم بردار رہے۔ عراق و فلسطین، شام و ایران، خراسان و ترکستان، مصر و سوڈان کے واقعات کو پڑھ لو کہ مسلمانوں کو ایک دفعہ بھی شکست نہ ہوئی اور ہر جگہ اُنھی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیشین گوئی کا اعلان وہی مالک فرما سکتا ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں اقوام کی ذلّت و عزت کی ترازو ہے۔ ہاں، وہی مالک جس کا علم عہدِ مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم، عہدِ ماضی پر بھی اُس قدر حاوی نہیں ہو سکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے، یعنی الٰہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ الٰہی لشکر صرف وہی ہو سکتا ہے، جس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتحِ کنوز یا ملکیت خزائن و [اموال] سے بالاتر ہو۔ کیوں کہ جب مقصد بدل جائے گا، تب وہ لشکر جُنْدَنَا کہلانے کا مستحق نہ ہو گا اور جب وہ جُنْدَنَا کی صفت سے عاری ہو گیا تو اُس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہو جانا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہو جانا بھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبۂ تام سے محروم ہوگئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت جُنْدَنَا (الٰہی لشکر) سے دُور ہوگئے۔ لہٰذا آیاتِ بالا دو پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے:

1. مسلمانوں کو کبھی شکست نہ ہوگی جب تک اُن کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا۔
2. مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہے گا جب کہ اُن کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

۲-[مسلمانوں کی حکومت]

پیشین گوئی، کہ اہلِ اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہوں گی۔

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ۔[النمل ۲۷:۶۲] تم کو زمین پر حکومتیں دے گا۔

یہ آیت عام مسلمانوں کی طرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کی گئی ہے۔

اس پیشین گوئی کا ظہور تھا کہ بنواُمیہ نے دمشق میں ایک ہزار مہینے تک حکومت کی اور بعدازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اسی پیشین گوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مصر پر مسلمانوں کی حکومت ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ اس پیشین گوئی کا ظہور تھا کہ دمشق میں انقراضِ دولت اُمویہ کے بعد عباسیہ نے بغداد میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی۔ اسی پیشین گوئی کا ظہور تھا کہ عباسیہ کے غلاموں ترکوں نے ترکستان و خراسان وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ پھر اُنھی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کرکے یورپ میں حکومت حاصل کی اور انھی کی ایک شاخ نے ہندوستان پر صدیوں تک سلطنت کی۔

الغرض فراعنہ مصر، اکاسرۂ ایران اور قیاصرہ رُوما کے ممالک پر اُموی، عباسی، ترک و کُرد اور غلاماں و افغاناں اور دیگر اقوام کے مسلمانوں کی حکومتیں اسی پیشین گوئی کے تحت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیشین گوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

۳-[مسلمانوں کی دنیوی ترقی]

پیشین گوئی، کہ اہلِ ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائے گی۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۔[النحل۱۶:۳۰] جنھوں نے یہاں نیک کام کیے ہیں، اُن کے لیے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں، اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔

یہ آیات سورۂ نحل کی ہیں، جو مکیہ ہے۔ مکہ معظمہ میں اہلِ ایمان دنیوی حیثیت سے جس ضیق و تنگی اور عُسرت و افلاس میں بسر کیا کرتے تھے، اس کا حال سب کو بخوبی معلوم ہے۔ کسی کے پاس تہ بند ہے تو کُرتہ نہیں، کُرتہ ہے تو سر بند نہیں۔ کسی کو ایمان لانے کے جرم میں قید کیا جاتا تھا، کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اُس کی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا، کسی کے منہ میں لگام ڈالی جاتی اور ہنٹروں سے مار مار کر اُسے گھوڑے کی طرح پھرایا جاتا۔ کسی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے بتلا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونے والی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کتنے تنعم و ترفہ اور عزت و شان پر پہنچ گئے تھے، جسے دیکھ دیکھ کر صداقتِ قرآنی کا اقرار اہلِ کفار اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے جابرؓ کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں؟ وہ بولے کہ ہم اور قالین۔ فرمایا: تم کو ملیں گے۔ پھر ایک وقت آیا، جب کہ اُن کے گھر میں سارا فرش قالین کا تھا۔

۴-مہاجرین کے متعلق تین پیشین گوئیاں

۱-وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۔ [النساء ۴:۱۰۰] جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، اُسے ملک میں جائے پناہ بھی بہت ملے گی اور کشایش بھی حاصل ہو گی۔

۲-فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ [آل عمران ۳:۱۹۵] پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور اُنھوں نے جنگ کی اور مارے گئے، ہم اُن کی برائیوں کو بدل دیں گے اور اُنھیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے۔

۳-اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ [التوبۃ ۹:۲۰-۲۲] جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں، پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔ ان کے لیے جنت ہے اور وہاں اُن کے لیے دائمی نعمتیں ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔

ہر سہ آیاتِ بالا خاصۃ مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔ مہاجرین گھر بار، خویش و تبار، املاک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ و رسول کو ساتھ لے

کر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے مطابق اُن کو بڑی بڑی جائداد کا مالک بنایا، لاکھوں کروڑوں کی تجارت اُن کے قبضے میں آئی۔

جنات اور نعیم مقیم کی قسط اوّل دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام، ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید، سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح، امین الامت، سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں، جنھوں نے ان ممالک میں نورِ اسلام پہنچایا اور وہاں کے نعیمِ مقیم کو اہلِ ایمان کے لیے عام کر دیا تھا۔

۵-[تنگ دستی کے بعد غنا]

پیشین گوئی، کہ تنگ دستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ ۔ [التوبۃ۹:۲۸] اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہدِ مستقبل میں تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

سَوۡفَ مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی انقراض عہدِ نبوت کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہؓ کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔

عبدالرحمن بن عوف قرشی الزہری کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار اُونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے اُن کے ہاں موجود تھے۔ نقد و اسباب اس کے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو ۱/۸ کے حساب سے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) روپیہ نقد دیا گیا تھا۔

ابو محمد طلحہ بن عبداللہ کے لنگر میں ایک ہزار وَرِق کا روزانہ مصارف تھا۔ وَرِق ایک سکّہ ہے جو ہم وزن دینار ہے۔

زبیر بن العوامؓ کے ایک ہزار غلام تھے جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیرؓ اُن کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے۔ ایک حبّہ اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ (کتاب الاسماء نووی [۱۹۶/۱])

۶-[باطل کا قلع قمع]

پیشین گوئی، کہ عرب سے تمام بُت ناپید ہو جائیں گے اور بت پرستی معدوم ہو جائے گی۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۔[الشوریٰ ۴۲:۲۴] اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے باطل کو مٹا دے گا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنی خود نبی ﷺ نے بتلائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں بت استادہ تھے۔ نبی ﷺ کے دستِ مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور ﷺ چھڑی کے ساتھ بت کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔[بنی اسرائیل ۱۷:۸۱] کہہ دے کہ حق آگیا اور باطل نکل گیا، اور باطل نکلنے ہی کی چیز ہے۔

اس پیشین گوئی کا چودھویں صدی تک یہ اثر ہے کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیۃً پاک ہے۔

آیت میں لفظ بِكَلِمٰتِهٖ مکرّر غور طلب ہے کہ باطل کو محو کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلماتِ الٰہیہ کا ہے۔ کلام اللہ کی تاثیر ہی یہ ہے کہ اُس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

چین، ہند، آسام وغیرہ بت پرست ممالک میں ہزارہا بندگانِ خدا کا بت پرستی سے اہلِ عرب کی طرح بیزار ہو جانا اسی اصول پر تھا کہ جہاں جہاں قرآنِ مجید کی اشاعت ہوئی، وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہو گئی۔ عیسائیوں میں مذہب پراٹسٹنٹ کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پراٹسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے، نہ اپنے گرجاؤں میں مسیحؑ اور مریمؑ اور یوحنا کی تماثیل کو رکھتے ہیں اور نہ اُن کے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

۷-[دنیا و آخرت کا اجر]

پیشین گوئی، کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخرت میں اجر کبیر ملے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔[النحل۱۶:۴۱] جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے ظلم اُٹھانے کے بعد، ہم اُن کو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقاماتِ پاکیزہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش! دوسرے لوگ بھی اِسے جان لیں۔

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ صدق کے موافق موردِ الطافِ ربانی ہوئے؟ یہ دیکھنے کے لیے مہاجرین کے اسمائے مبارکہ پر نظر ڈالو، اُن کی حالت پڑھو، اُن کی دنیوی کامیابی سے اُن کے اُخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کس طرح سیکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرمادیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآنِ مجید کے کلام ربانی ہونے پر اور مہاجرین کی دنیا و دین میں کامیابی پر دلیلِ روشن ہے۔

دُنیوی واُخروی سعادات کا بیان حضرت یوسفؑ کے ذکر میں بھی ہے:

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔[یوسف۱۲:۹۰] کہا: ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔ ہاں، جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

آیتِ بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادتِ دارین کو اُسی طرح جمع فرمادیا تھا جس طرح یوسف صدیقؑ کے لیے جمع فرمایا تھا۔

۸-[تدریجی ترقی]

پیشین گوئی، کہ اصحابِ رسول ﷺ اور متبعین رسول ﷺ کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچے گی۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔[الفتح۴۸:۲۹] اُن کی مثال کھیتی کی سی ہے، جس نے سوئی نکالی، پھر سوئی کو مضبوط کیا، پھر اُسے موٹا بنایا، پھر وہ اپنی نالی پر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسان کو خوش کرتی ہے اور کفار انھیں دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں آرہے ہیں۔

آیتِ بالا میں چھ واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

الف: کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔ ب: سوئی کا مضبوط ہونا۔

[یہ] ہر دو مدارج مکہ معظمہ میں پورے ہوئے۔

ج: سوئی کا موٹا ہونا۔ د: اپنی نالی پر کھڑے ہو جانا۔

یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جا کر پورے ہوئے۔

ہر چہار مدارجِ ترقی کے بعد دو بیرونی نتائج کا ذکر فرمایا۔

ہ: کسان کا اُس کھیتی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے، جس کا اعلان آیتِ تکمیل میں ہے۔

و: کفار کا انھیں دیکھ کر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ اُن سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔

یہ آیت دراصل چھ پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ہاں، اس پیشین گوئی کو اُس پیشین گوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو جس میں اسلام کو شجرۂ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

۹-زید بن حارثہؓ [پر انعامات]

پیشین گوئی، زید بن حارثہؓ کے متعلق۔

زید بن حارثہؓ کو جبیر بن مطعمؓ نے عکاظ منڈی سے خدیجۃ الکبریٰؓ کے لیے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدیجہؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ عقد ہوا، تب زیدؓ کو انھوں نے حضور ﷺ کی خدمت کے لیے مامور کر دیا۔ جب حضور ﷺ کو خلعت نبوت پہنایا گیا تو زیدؓ بھی اُسی پہلے دن ایمان

لائے، جس دن خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ لہٰذا یہ اوّل السابقین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بابت فرمایا: اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ [الاحزاب ۳۳:۳۷] جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا ہے اور آپ نے بھی انعام کیا۔

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتۂ الٰہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتۂ الٰہی کون کون لوگ ہوتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۔[النسآء ۴:۶۹] اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور وہ انبیاء و صدیق اور شہداء و صالحین ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتۂ الٰہی ہے اور جو انعام یافتۂ الٰہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں تو ضرور ہے کہ وہ شہید ہو یا صالح ہو۔ زید بن حارثہؓ کے لیے آیت بالا اُن کی شہادت کی خبر دینے والی تھی۔ چنانچہ ۸ ہجری میں غزوۂ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے، اور پیشین گوئی پوری ہوئی۔

۱۰-[غیر عرب مسلمانوں کی اسلامی خدمات]

پیشگوئی، غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔ [محمد ۴۷:۳۸] اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل دے گا اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہو گی۔

آیت کا خطاب (جیسا کہ قرآن مجید ہی کی عبارت بالا سے واضح ہے) اُن لوگوں کی طرف ہے جو جہاد سے منہ موڑنے والے تھے، اب دیکھو کہ سوڈان، بربر، افریقہ، اندلس، خراسان، سندھ، ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں جن کا ان منافقین کے ساتھ کوئی حسبی نسبی تعلق نہیں۔

کرد، ترک، مغول، خلجی، سوری، غوری اقوام نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو خدمات انجام دیں، وہ سب اسی پیشین گوئی کے تحت میں ہیں۔

۱۱-[خلافتِ راشدہ کے متعلق]

[ایک بڑی پیشین گوئی] خلافتِ راشدہ کے متعلق، جس میں خلافتِ راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیشین گوئی دراصل چھ پیشین گوئیوں کا مجموعہ ہے۔ آیت کریمہ جو چھ پیشین گوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے، یہ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ [النور ۵۵:۲۴] وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایمان والوں کے ساتھ جنھوں نے عمل بھی اچھے کیے ہیں۔

۱-لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ [النور ۵۵:۲۴] کہ اللہ اُن کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائے گا۔

۲- كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ [النور ۵۵:۲۴] جیسا کہ اُن سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

۳-وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ۔ [النور ۵۵:۲۴] اور اُن کے دین کو اُن کے لیے مکنت، قوت بخشے گا۔ وہ دین جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند کیا ہے۔

۴-وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ [النور ۵۵:۲۴] اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

۵-يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۔ [النور ۵۵:۲۴] وہ میری ہی عبادت کریں گے، ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔

۶-وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ [النور ۵۵:۲۴] اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کرے گا وہی فاسق اصلی ہو گا۔

یہ وعدہ ہے اور اُن لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو تعلیمِ نبوت کے ترجمان اور عملِ صالح کی صفت سے متصف تھے۔ وعدہ میں مندرجہ ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں۔

[الف:] الارض کی خلافت

خلافت کے لفظ پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قیامِ خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار و انتخاب میں رکھا ہے۔ خلافتِ آدم کا ذکر تھا، تب بھی یہی فرمایا:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً۔ [البقرۃ ۲:۳۰] میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

سیدنا داؤدؑ کی خلافت کا ذکر ہوا تب بھی یہی فرمایا:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ۔ [ص ۳۸:۲۶] اے داؤد! ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا ہے۔

اب مومنین صالحین اُمت محمدیہ کے ساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا: لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ یعنی اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں رکھا گیا ہے۔

[ب: انتخاب من جانب اللہ]

دوم یہ کہ ان کا تقرر من جانب اللہ تھا۔ آیت کا نزول ۵ھ ہجری میں ہوا ہے، کیونکہ اسی سورۂ نور میں واقعۂ اِفک بھی درج ہے، جو باتفاق علماءِ سیر ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ اس وعدہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو ۵ھ ہجری سے پہلے ایمان لائے ہوئے تھے۔ اسی لیے اٰمَنُوۡا اور وَ عَمِلُوا ماضی کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزولِ آیت ہذا کے بعد ہوئی اور وہ خلافتِ راشدہ (جس کا تقرر بارگاہِ الٰہی سے ہوتا ہے) کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہو گا۔

وعدے کی سرزمین؛ عام یا خاص:

الأرض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اس کے معنی وعدہ کی زمین ہیں، تب تو اس سے وہی معنی لیے جائیں گے اور جب اس کے معنی مطلق لیے جائیں، تب معنی میں بھی

عمومیت ہو گی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ [البقرۃ ۲:۲۵۵] الارض سے مراد تمام کرۂ زمین ہو گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسفؑ کے قصہ میں فرمانا: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ۔ [یوسف ۱۲:۲۱] میں الارض سے مراد ملکِ مصر ہو گا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے: يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ [المائدۃ ۵:۲۱] اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہو گی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دے دیا ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ [الانبیاء ۲۱:۱۰۵]

اب قرآنی پیشین گوئی میں فِي الْاَرْض کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے اور بتایا گیا ہے: فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کی اولاد کو دی تھی، جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالیشان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی، اس کا قبضہ اب خلفائے اُمت محمدیہ کو دلا دیا جائے گا۔ اس معنی کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیشین گوئی موجود ہے۔ کیونکہ نزولِ قرآن بلکہ حیاتِ نبوی تک کوئی ایسے آثار و قرائن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارضِ مقدسہ کے بھی مالک ہو جائیں گے۔

دشمن (خصوصاً سلطنت رُوما جو ارض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کیے ہوئے تھا کہ سرورِ کائنات ﷺ کے وصال کے بعد فوراً ایک بارگی عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

مصر اور حبش کے باجگزار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کی طرف سے آگے بڑھے اور اس تدبیر سے تمام عرب پر وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے اور اس نوخیز مذہب، جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور جس نے اپنے عملی دلائل سے تثلیث کی بنیادوں کو سارے عالم کی نگاہ میں متزلزل کر دیا تھا، کا کام یک لخت ختم و تمام کر دیا جائے۔

دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرمارہا ہے کہ زمین موعودہ بر گزیدہ مومنوں کو ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ کامل طور پر پوری ہوگئی۔

الارض سے مراد عام ممالک بھی اسی پیشین گوئی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسی لیے عراق، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک، مصر و ایران، بحرین و خراسان، مراکو، تیونس، سوڈان وغیرہ، الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے، سب کے سب خلفاء کے قبضے میں آ گئے۔

آیت استخلاف میں صرف فتوحات مکّی ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا، جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے، وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھا۔ مگر غور سے پڑھو کہ آیت تو تمکنتِ دین، عزتِ اسلام، شوکتِ مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ [الکافرون۱۰۹:۶] میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ۔ [النور۲۴:۵۵] کے پاک الفاظ بھی نازل کر دیے گئے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے ارْتَضٰى لَهُمْ کا مشارٌ الیہ معلوم کرنا چاہیں تو آیت تکمیل میں یہ الفاظ ملیں گے: وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدۃ۵:۳] اور پھر اسلام کے متعلق یہ اور آیت ملے گی: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ [آل عمران۳:۱۹]

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کر دیتی ہیں کہ خلفاء کا دین ہی اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین ہے۔

[ج: خوف کے بعد امن]

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ [النور۲۴:۵۵]

اس آیت میں امنِ بسیط اور آسایشِ تام اور رفاہیتِ کامل کا اظہار ہے جو خلافتِ خلفائے راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ کی اس پیشین گوئی کا ظہور بھی، جو حضور ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتمؓ سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ لے گا کہ ایک عورت صنعا سے تنہا چل کر

حج کرے گی اور راہ میں اسے خوف الٰہی کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اس کا ظہور بھی زمانۂ خلافت ہی میں ہوا تھا۔

پس یہ الفاظِ پاک اندرونی و بیرونی نظم و نسق پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ الفاظِ ماسبق کشور کشائی و گیتی ستائی کے مظہر ہیں۔ دنیا کے کسی فاتح کے زمانے میں ان دو اوصاف کا جمع ہونا بہت دشوار ہوا ہے۔

سکندر، مقدونیہ سے اٹھتا، ایران کو تباہ کرتا، مصر کو خاک میں ملاتا، بابل کا خاتمہ کرتا ہوا، رکاد دریا پر سے گزرتا ہوا ایشیائے کوچک تک جا پہنچتا ہے۔ تیمور کو دیکھو کہ تاتار سے اُمنڈتا، ترکستان پر قبضہ جماتا، تختِ کابل پر جلوہ آرا ہو کر ہندوستان میں نقارۂ شاہی بجاتا، بغداد کو زیر و زبر کر کے سلطان یلدرم کو انگورہ میں سیر کرتا، پھر روس کو مسخر کرتا ہوا، تاتار میں جا پہنچتا ہے، چین اسی کے عزم سے لرزہ براندام ہے اور منگولیا و کوریا کی سلطنتیں اس کے سامنے خراج پیش کر رہی ہیں۔ لیکن ان دونوں کے ملکی نظم و نسق کو دیکھو تو بالکل ہیچ، صفر کے برابر۔

قرآن پاک کی پیشین گوئی بتلا رہی ہے کہ خلافت ان ہر دو اوصاف عالیہ کی جامع ہوگی اور وہ حکومت کا ایک ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑے گی جس کی تقلید کرنے سے آج تک فرانس و امریکہ کی جمہوریت بھی درماندہ و عاجز ہے۔

[د: خلفا کی عبادت گزاری]

يَعْبُدُوْنَنِيْ کے لفظ نے خلفا کے خلوص طلب اور صدق ارادت اور استحکام علم و عمل پر مہر لگا دی۔ مالک کی جانب سے کسی بندہ کی قبولیت کا اظہار وہ انتہائی عزت و فخر ہے جو قرآن مجید میں انبیائے کرام ہی کے لیے خاص تھی۔ یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

[ہ: شرک سے اجتناب]

لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ فرمانے سے وصف کی تکمیل ہو گئی۔ اوصافِ عالیہ کی تقسیم اثبات و سلب پر کی جاتی ہے۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ [الاخلاص ۲-۱:۱۱۲] وصف مثبت ہے اور لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ [الاخلاص ۳:۱۱۲-۴] صفت سلبی ہے۔ یہاں بھی نفی شرک نے توحید کا کمال، اعتقاد کا رُسوخ، ایمان کی سلامتی، دوامِ عمل کو بخوبی واضح کر دیا۔

شَیْئًا کے فرما دینے سے شرک جلی کے ساتھ شرک خفی کی بھی نفی ہو گئی۔ ریا و سُمعت کا شائبہ بھی جاتا رہا اور نورِ صدق و صفا کا کامل ظہور ہو گیا۔

[و: انکارِ خلافت کی سزا]

ان علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفا کی برکتوں کا انکار یا اس پیشین گوئی کا اشتباہ بہت بُرے انجام تک پہنچتا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اسے لعنتی کا خطاب مل جاتا ہے۔

ناظرین غور کریں کہ جس خلافت کی خبر دی گئی اور جس کی فتح مندی، نصرت و امن اور دینداری و صداقت گستری کی بابت پیشین گوئی فرمائی گئی، خلافتِ راشدہ میں ٹھیک اسی طرح ہر ایک بات پوری اُتری جس کی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ، بلکہ اعداء کی تحریروں اور ممالک غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔

خلفائے راشدین کی تعداد

ہم کو آیت پر مکرّر غور کرنا ہے۔ کیا اس سے موجودہ خلافت کے خلفا کی تعداد بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہاں لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ، ارْتَضٰی لَھُمْ وغیرہ الفاظ میں سب جگہ جمع کے صیغے اور جمع کے ضمائر استعمال کیے گئے ہیں اور زبانِ عرب میں جمع کے لیے کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے۔ تین سے زائد تعداد تو اس میں آسکتی ہے۔ مگر تین سے کم تعداد کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال

ہوگا، جمع کا نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافتِ راشدہ کے والی ابو بکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں، یا بشمولیت امام حسنؓ پانچ ہیں، بالکل صحیح ثابت ہے۔ بلاغت قرآنی تو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری تمام تر بحث کا مقصد قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا تھا جو خلافتِ راشدہ کے متعلق ہیں۔ خلافت کا آغاز بعداز ارتحال نبوی ﷺ ہوا، جب کہ نزول وحی کا باب مسدُود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات و امارات و بشارات کے مطابق خلافت کا قیام و استحکام اس مالک الانام کا کام ہے جس نے خود اپنا کلام رسول پاک ﷺ پر اُتارا اور جس نے خود اپنے رسول ﷺ کی اُمت میں سے خلافت کے لیے چند نفوس مزکّی کا انتخاب فرمایا، جن کا ہر ایک قول و فعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ ان کی مصدق تھی۔

۱۲-[اولین مسلمانوں میں فتنۂ عام]

---پیشین گوئی، کہ قرآن مجید کے مخاطبین اولیٰ میں ایک فتنۂ عام برپا ہوگا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔[الانفال ۸:۲۵] بچو، اس فتنے سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔

اس آیت میں ایسے فتنۂ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب ہی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ بے شک قومیت کے فقدان اور نظم ملی کے اختلال کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس مصیبت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین، واقعۂ جمل، واقعۂ صفین، شہادتِ علی مرتضیٰ، واقعۂ ہائلۂ کربلا ایسے واقعات ہیں، جو اس پیشین گوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعاتِ بالا میں بڑی تعداد مخاطبینِ اوّلِ قرآنِ مجید کی تھی اور اسی لیے ضمیر مِنْكُمْ میں کاف خطابیہ استعمال میں لایا گیا ہے۔ اس فتنہ کے وقوع کا امکان، اسی خلافت راشدہ کے بعد، جو برکات دنیوی اور انوار دینی کی جامع

تھی، عام وہم وگمان سے بالاتر تھا۔ لیکن رب العالمین کا علم صحیح آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہٰذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم وغیر ظالم سب پر اس فتنہ کا استعمال ہوگا۔

یہ نہیں بتلایا کہ لوگ فتنہ میں حصہ لیں بلکہ فرمایا کہ احتراز واجتناب اور تقویٰ اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہؓ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے:

سَتَكُوْنُ الْفِتَنُ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ۔ [بخاری، حدیث۷۰۸۱، مسلم، حدیث۷۲۴۷] ایسے ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔

ہمارا مقصود ان دل شکن، روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں، بلکہ قرآنِ پاک کی پیشین گوئی کا اندراج کرنا ہے کہ کیوں کر کلامِ الٰہی میں ان واقعات پر اشارہ موجود تھا اور یہ امر ہے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دال ہے۔

فصل چہارم

منافقین کے متعلق

۱-[بے یار و مددگار رہیں گے]

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔[التوبۃ۹:۷۴] تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا یا ان کو مدد دینے والا نہ ہو گا۔

اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراجِ مدینہ کی پیشین گوئی فرمادی گئی تو یہ بھی بتادیا گیا کہ اب کوئی سلطنت ان کی ذرا مدد نہ کر سکے گی۔

راہب فاسق نے جنگ اُحد میں شکست کھا کر سلطنت رُوما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی لیکن اسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔

جبلہ بن ایہم غسانی نے مرتد (بارِد گر عیسائی) بن جانے کے بعد دربارِ ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی، مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر مخالفینِ اسلام کا ہوا اور پیشین گوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

۲-[ان] کو دُگنی مار پڑے گی

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ۔[التوبۃ۹:۱۰۱] ہم ان کو یکے بعد دیگرے (دُہرا) عذاب دیں گے اور بعد ازاں وہ عذابِ عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو جہاد سے بلاوجہ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے لیے عذابِ اوّل یہ تھا کہ ان کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے اور وہ

قوم و ملک کی نگاہ میں جھوٹے اور غدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے کیونکہ ضمیر انسانی ہر وقت اس کو ستاتا رہتا ہے۔ عذابِ دوم اس مال واولاد سے محرومی ہے جن کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ تارک جہاد بنے تھے۔ دونوں عذاب انھوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لیے تھے۔ عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

۳-[یہ] خسران میں رہیں گے

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔[المجادلة۵۸: ۱۹] یہ شیطانی لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔

سیاقِ عبارت سے ظاہر ہے کہ پیشین گوئی ان منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور ان کے معاہد و دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنانِ الٰہی کے ساتھ تَوَدُّد و اتحاد شیطانی کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ جنگ احزاب کے بعد منافقین، جب نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے، تب یہ پیشین گوئی ان پر صادق آئی۔

۵،۴-[منافقین کا تعارف اور انجام]

الف۔ پیشین گوئی، ان منافقین کے متعلق جو اہلِ اسلام میں رَل مل گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں اور کہاں آباد ہیں:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ۔[التوبة۹: ۱۰۱] اہلِ مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔

اس اخبارِ غیب میں مصلحت یہ تھی کہ از منہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب کرام کو تہمت نفاق نہ دے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندۂ مدینہ ہو۔ کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔

ب: اس بین علامت کے بعد یہ فرمایا:

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔[العنکبوت۲۹:۳] اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائے گا۔

اس پیشین گوئی کی تفسیر پھر ایک اور آیت میں فرمائی:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔[الاحزاب۳۳:۶۰-۶۱] اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول ﷺ کو ان کے خلاف کھڑا کریں گے اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوا رسول ﷺ کے پاس نہ رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہیں گے، لعنت زدہ رہیں گے، پھر جہاں جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح سے قتل کیے جائیں گے۔

اس پیشین گوئی میں منافقین کا انجام بھی بتلایا گیا اور ان کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا۔ یہ آیت سورۂ احزاب کی ہے۔ واقعۂ احزاب ۵ھ میں ہوا جس میں اُبی بن سلول کی پارٹی کے تین سو سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا کہ ان سب کا حیاتِ پاکِ مصطفوی ﷺ کے اندر خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مدینہ سے نکال دیے جائیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد ذلت و خواری کے ساتھ قتل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبل ازیں کہ نبی اکرم، گرامی ترین ولد آدم ﷺ چشمِ ظاہر بین کو نظارۂ عالم سے بند فرمائیں، حضور ﷺ نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرار سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ ۹ ہجری میں جب کہ حضور ﷺ نے تمیم داری کی حدیث کو سر منبر روایت فرمایا تھا، مدینہ کا نام طیبہ رکھ دیا تھا۔

پیشین گوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے:

۱-لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ یعنی اللہ کا رسول ﷺ ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔

۲-لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا شہر مدینہ میں رسول ﷺ اللہ کے ساتھ رہنے کا زمانہ ان کو بہت کم ملے گا۔

۳-مَّلْعُوْنِيْنَ وہ لعنت زدہ ہوں گے۔ ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑے گی۔

۴-اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے، پکڑے جائیں گے۔

۵-وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا بدترین طریقے سے قتل کیے جائیں گے۔

تاریخ اسلام کے ماہر و واقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ انھی پانچ پیشین گوئیوں کو پورا کرتے ہوئے بُرے انجام کے ساتھ ختم ہوئے تھے۔

فصل پنجم

کفار کے متعلق

۱۔ مستہزئین مکہ کے خلاف پیشین گوئی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۔[الحجر ۹۵-۹۴:۱۵] جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ صاف صاف بیان کر تا رہ، ان مشرکین سے رُخ بدل لے۔ استہزا کرنے والوں سے ہم تجھے کفایت کریں گے۔

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اوّل میں جماعت مستہزئین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی ﷺ کی ہنسی اڑائیں، نقلیں اُتاریں، آوازے کسیں، حضور ﷺ کے وعظ میں شور و شغب سے کھنڈت ڈالیں، منہ چڑائیں، بے حُرمتی کریں۔

اس ناپاک کمیٹی کے گندے افعال پر غور کرو۔ کیا ان موانع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ و اشاعت کا مہتم بالشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟ لیکن آیت بالا میں نبی ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، وعظ و نصح اور بلاغ و انذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مستہزئین کا رویہ اور طریق، اس کی بابت پیشین گوئی کی جاتی ہے کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیشین گوئی کے تحت میں مستہزئین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ اُبی بن خلف: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں نے اس رأس الکفر کو خاک و خون میں سلایا اور دار البوار کو پہنچایا۔

۲۔ عاص بن وائل: گدھے پر سوار تھا۔ ایک غار کے برابر پہنچا۔ گدھے نے ٹھوکر کھائی تو سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا۔ اس نے کاٹا، سو جن ہو گئی، سڑ سڑ کر مرا۔

۳-نضر بن حارث: مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا جو اس جماعت میں پیش پیش رہتا تھا۔

۴-عتیب: جو اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔

۵-حارث بن زمعہ: جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا۔

۶-طعیمہ بن عدی: جو سخت بدزبان تھا۔

۷-اسود بن مطلب: جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جاتے ہیں۔

۸- عاص بن منبہ: پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا، اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔

۹-منبہ بن حجاج: اندھا ہوا، پھر تڑپتا ہوا مر گیا۔

۱۰-ابو قیس بن ناکہ: جو نبی ﷺ کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا۔

۱۱-امیہ بن خلف: مشہور بدزبان تھا۔

۱۲-ابو جہل: جو رأس الاشرار تھا۔

۱۳- عقبہ بن ابی معیط: جس نے حضور ﷺ کی گردن میں سجدہ کرتے ہوئے پھندا ڈالا۔

۱۴- حارث بن قیس سہمی: پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا جو اس کے منہ سے نکلا کرتا۔ اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔

۱۵-ولید بن مغیرہ: ایک خزاعی سوار کا نیزہ اکحل میں لگا، رگِ جان کٹ گئی۔

۱۶-ابولہب: عدسہ وطاعون میں مبتلا ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ دوستوں، عزیزیوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کوٹھے پر چڑھ کر اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاشہ ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔

۱۷-اسود بن یغوث: بادِ سموم سے چہرہ جھلسا گیا۔ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ زبان پیاس کے مارے دانتوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

۱۸-زبیر بن ابی اُمیہ: وبا کا لقمہ ہوا۔

۱۹-مالک بن ایطلالہ: لہو، رادھ کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔

۲۰-رکاز بن عبد یزید: بے کسی و نامرادی میں جان دے دی۔

غور کرو کہ پیشین گوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی اور پھر ہر ایک کا انجام کیسے عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا۔

واضح ہو کہ ذاتِ ہمایونی نبی ﷺ کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی ﷺ میں درج کیا گیا ہے۔

۲-[کافر دشمنوں کا، دوست بننا]

قریش کے دشمن سرداران کے دوست بن جانے کی پیشین گوئی۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً۔ [الممتحنہ ۶۰:۷] عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان، اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی قائم کر دے گا۔

اس کے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عَسٰی کا استعمال امر محبوب کی ترجی [اُمید] میں ہوتا ہے۔

۱- عبداللہ بن ابو امیہ بن مغیرہ: نبی ﷺ کا پھوپھیرا بھائی تھا، مگر اسلام کا اتنا سخت مخالف کہ حضور ﷺ سے اس نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ اے محمد ﷺ! اگر تو زینہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے اور میری آنکھوں کے سامنے سے اُترے، تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ تیری نبوت و صداقت کی شہادت بھی دیں تب بھی میں ایمان نہ لاؤں گا۔

یہی عبداللہ بجذبۂ توفیق ربانی ۸ سنِ نبوت میں حاضر دربار ہوتا اور اقرار شہادتیں سے معراجِ ایمان پر فائز ہو جاتا ہے۔ اہلِ خبرت اندازہ کریں کہ عبداللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنے اور اُترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔

۲- ثمامہ بن اثال: نجد کا فرماں روا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا شہر، حضور ﷺ کا لایا ہوا دین، حضور ﷺ کا وجود باوجود اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔ وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔ جس روز آزاد ہوا، اسی روز بصد دل و جان حضور ﷺ کا فریفتہ و شیدا ہو گیا۔ ''قید'' کیا ہوا کہ محبت کا ''صید'' بن گیا۔

۳- عمرو بن العاص: اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا کہ قریش نے دربارِ نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تاکہ مہاجرین پناہ گزین حبش کو اکسٹراڈیشن ملزموں کی طرح حاصل کر کے واپس لائے۔ وہی چند سال کے بعد گردن جھکائے، حیا سے آنکھوں کو قدموں پر جمائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بن کر جاتا اور ملک عمان کے داخلِ اسلام ہو جانے کی بشارت لے کر حضور نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اوّل بنتا ہے۔

۴- ابوسفیان صخر بن حرب: اُحد، غزوۂ سویق، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ بھاری فوجیں لایا مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر فتنۂ ارتداد میں ثابت قدم رہ کر فتوحاتِ شام وغیرہ میں نہایت کار گزار ثابت ہوا۔

۵- ابوسفیان بن حارث: نبی ﷺ کا چچیرا بھائی، شاعر، زبان آور، شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی ہجو میں شعر کہا کرتا۔ پھر بہدایت ربانی حاضر ہوتا اور أَبُو سُفْيَانَ سَيِّدُ فِتْيَانِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.[1] کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔

---

[1] [المستدرک ۲۸۶/۳]

۶- سہیل بن عمرو: صلح حدیبیہ میں بھی کفار کی طرف سے کمشنر معاہدہ تھا۔ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی ﷺ اہلِ مکہ کو استقامت و استقلال بخشا اور بالآخر شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

۷- عکرمہ بن ابو جہل: شروع شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا لیکن جب سے نبی ﷺ کے حضور میں آنے کا موقع ملا، پکے جان نثار اور عاشق زار بن گئے۔ فتوحات میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہی دست و بازو ہوتے اور دو ہزار کفار پر اکیلے بھاری سمجھے جاتے۔

۸- حکیم بن حزام قرشی اسدی: ۶۰ سال کفر میں پورے کیے۔ بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام لائے اور ۶۰ سال اسلام کی خدمت میں پورے کیے۔ ایک حج کے موقع پر ایک سو اونٹ اور ایک ہزار بکرے قربانی کیے اور ایک سو غلام آزاد کیے۔

۹- عبد یالیل ثقفی: جب نبی ﷺ کو وہِ طائف پر تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے لڑکوں، غلاموں، اوباشوں کو حضور ﷺ پر پتھر، کیچڑ پھینکنے کے لیے مقرر کیا تھا لیکن چند سال کے بعد یہ خود (مع پنج سردارانِ قریش) مدینہ میں حاضر ہوتا، ایمان لاتا اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔

۱۰- بریدہ بن الحصیب اسلمی: کفار قریش کے انعامِ صد شُتر کی خبر پاتا اور ستّر سوار ساتھ لے کر نبی ﷺ کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنے کا عزم کر کے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے۔ مگر جب آپ کی آنکھ حضور ﷺ کے چہرۂ پُر نور پر پڑتی ہے اور کان میں آواز دلنواز آتی ہے تو اپنی پگڑی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور ﷺ کا نشان بردار بن جاتا ہے اور غلامانہ ہمرکاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے۔

ایسی مثالیں سیکڑوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیشین گوئی میں کتنی وسیع اور کس قدر سچی ہے۔ سیکڑوں کے جذباتِ قلب اور ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزت ہی کے کلام کا کام ہے۔

۳-[کفار کی، دخولِ کعبہ سے محرومی]

پیشین گوئی کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، خود ان کو استحقاقاً داخلِ کعبہ ہونے کا حق نہ رہے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ۔ [البقرۃ ۲:۱۱۴] جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکرِ الٰہی کیے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بے رونقی میں سعی کرتے [ہیں]، ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کو حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں، مگر ڈرتے ڈرتے۔

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا اعلان سید الحاج ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۹ ہجری میں کیا اور آج تک یہی حکم برابر جاری ہے۔ جو لوگ اسلامی لباس سے ملبس ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں، ان کی جان ہر وقت خوف و خطرہ میں رہتی ہے۔

۴-[کفار کی رُسوائی]

کافر مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رُسوا ہوں گے۔

وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۔ [التوبۃ ۹:۲] یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے، اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرے گا۔

یہ آیت اس وقت کی ہے، جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار مہینے کا الٹی میٹم دے دیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان، اس قدر قبائل و اقوام کے نام، [یکبارگی] الٹی میٹم دے رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بطورِ پیشین گوئی دو امور کا انکشاف فرمایا:

۱- کفار باوجود اپنی قوت و طاقت اور افزونی تعداد وغیرہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بتایا ہے۔ کیونکہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الٰہی کی وجہ سے تھی اور لِلّٰہی بُغض کی وجہ سے تھی۔

۲- کفار کو ایسی شکستیں ہوں گی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائیں گے۔ آج تک وہ عرب میں بڑے بہادر، بڑے جنگجو اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کا پول کھل جائے گا اور وہ سارے ملک میں رُسوا و ذلیل ہو جائیں گے۔

قبائل بنو اسد و بنو غسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوریوں کا حال مع ان کے انجام کے پڑھو۔ دونوں پیشین گوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جائے گا۔

۵-[مسلمانوں سے مرعوبیت]

مشرکین عرب کے مرعوب کیے جانے اور مسلمانوں پر اُن کے حملہ آور نہ ہونے کی پیشین گوئی۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ۔[آل عمران ۳:۱۵۱] ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے ہیں، اور شرک وہ چیز ہے جس کی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہد اقوام کی طرف سے تھے، جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک، دو دو بار مقابل ہوئے اور جو قبیلہ مقابلے میں آیا اسے پھر نبرد آزمائی کی جرأت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عہد قلیل میں تمام ملک میں امن وامان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ کبھی ان کے خلاف نہ اُٹھے۔ بلکہ جنگ آور قبائل سے عہد نامے توڑ توڑ کر

مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اسی پیشین گوئی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا تھا۔ بے شک ایسے ملک میں جس کے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارت گری تھی، یہ علیحدگی، یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

۶-اہل مکہ کے خلاف دو پیشین گوئیاں

ا: ان کے مصارف ان کے لیے سرمایۂ حسرت بنیں گے۔

ب: اور وہ سب مغلوب ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۔ [الانفال ۸:۳۶] کافر اس لیے زر و مال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ ہاں وہ کچھ عرصہ تک اسی طرح خرچ کیا کریں گے، پھر یہ مصارف ان کے لیے موجب حسرت ہوں گے۔ پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔

کفار کے انفاقِ زر کا اندازہ ایک غزوۂ احد کے مصارف سے ہو سکتا ہے، جس میں پچاس ہزار مثقال طلا اور ایک ہزار اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔ مزید برآں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کی طرف سے دی جاتی تھی۔ ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرمان ہی پر ہوا تھا کیونکہ نہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو مرتد کر سکے، بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آبائی اور ضلالتِ قدیم کو تباہ شدہ اور ہلاکت زدہ دیکھ لیا تھا۔

۷-ابولہب کے متعلق

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ [اللھب ۱۱۱:۱-۳] ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابو لہب نبی ﷺ کے دادا عبد المطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے وعظ کوہِ صفا والے میں حاضر ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ نبی ﷺ حیات بعد الموت کے اعتقاد کو تلقین کرتے اور اعمال پر آیندہ نتائج مترتب ہونے کی خبر دیتے ہیں، تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی ﷺ کی طرف اشارہ نفرین کر کے کہا تھا:

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا [1] تجھے دن بھر تباہی رہے تو نے ہم کو انھی باتوں کے سنانے کو بلایا تھا۔

نبی ﷺ تو سراپا عفو اور ہمہ تن شکیب تھے۔ حضور ﷺ نے اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا مگر غیرت الٰہیہ اپنے حبیب کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیوں کر کر سکتی تھی، لہٰذا جواب میں خود اسی کے الفاظ اس پر لوٹا دیے گئے اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بھی بطورِ پیشین گوئی فرما دیا گیا، پیشین گوئی تین امور پر مشتمل تھی:

ا: اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف اس کی جملہ تدابیر تباہ ہوں گی۔

ب: اس کی اولاد اور اس کا مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔

ج: وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابو لہب کے چار بیٹے تھے، دو بحالتِ کفر باپ کے سامنے مرے۔ باپ کو ان سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا، دونوں کا داغ، دل و جگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی مشرف بہ اسلام ہوئے اور باپ کی امیدوں کے خلاف نکلے۔

ابو لہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہلِ عرب طاعون سے سخت خائف تھے۔ اس کی لاش کو گھر سے نہ اٹھایا گیا بلکہ چھت کھول کر اُوپر ہی سے اس قدر مٹی اور پتھر اس کے ناپاک جُثہ پر

---

[1] [بخاری، ح ۴۷۷۰، مسلم، ح ۳۵۰۷]

پھینکے گئے کہ وہی اس کی گور بن گئی۔ یہ پیشین گوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ برس بعد از نزولِ آیت پوری ہوئی۔

۸-ابو لہب کی بیوی سے متعلق

پیشین گوئی، کہ ابو لہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی۔

وَّامۡرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۔ فِیۡ جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۔[اللھب۵-۴:۱۱۱] اس کی عورت جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے، ہلاک ہوئی، اس کی گردن میں مونج کی رسّی ہو گی۔

اس عورت کو نبی ﷺ سے عداوتِ شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی، کانٹے اکٹھے کرتی، رات کو نبی کریم ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اس کی موت اسی طرح واقع ہوئی جس طرح کلامِ الٰہی میں ظاہر کی گئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسّی کا، جس سے لکڑیاں بندھی تھیں، پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا، جس کے بوجھ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور یہ ہلاک ہو گئی۔ اس بدترین موت کی اطلاع کلامِ الٰہی میں پہلے سے دے دی گئی تھی۔

فصل ششم

یہودیوں کے متعلق

ا-[مسلمانوں کے ہاتھوں شکست]

یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت و آزار کے سوااور کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے:

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ [آل عمران ۳:۱۱۱]

یہودی پسِ پردہ سازشیں کرتے رہے، قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے، خود جاسوسی کرتے رہے، بغاوت کرنے والوں کو چپکے چپکے روپیہ پیسے کی امداد اور سلاحات سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو میدان میں نکل آئے۔

یہ لوگ فنونِ حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلاتِ قلعہ شکن انھی کے پاس تھے۔ منجنیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے۔ اس لیے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دبتا تھا۔ ایسے لوگوں کی شکست فاش کی پیشین گوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہر گز یقین نہ ہوتا تھا۔ لیکن ارباب تاریخ کے سامنے یہودانِ بنوقینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر، فدک، تیماء کے واقعات موجود ہیں۔ ہر ایک کا انجام اسی پیشین گوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیشین گوئیاں ہیں:

ا: ایذاءدہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کر سکیں گے۔

ب: مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔

ج: شکست کے بعد کوئی ان کی مدد کو بھی کھڑا نہ ہوگا۔

سیکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیشین گوئی کا اعلان صرف وہی پروردگارِ عالم فرما سکتا ہے جو مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے اسی کو فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

۲-[زندہ رہنے کی تمنا]

یہودی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ [الجمعة ۷-۶۲:۶]

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا کہ ہم فرزندانِ خدا ہیں اور ہم برگزیدگانِ الٰہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لیے موت کی دعا مانگو۔ یہ مسلمہ ہے کہ اولیائے ربانی کے لیے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شادکام بن جائے۔

عربی میں مثل ہے: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ موت وہ پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔

کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرضداشتِ وصال ہیں اور ایسی عرض و معروض کا بار بار پیش کرنا اور ہر بار اس پر اصرار کرنا لوازمِ محبت و ولایت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اس کے بعد بطور پیشین گوئی فرمادیا کہ یہودی ایسا کبھی نہ کریں گے اور اس کی وجہ بھی بتلادی کہ اگرچہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف و گزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے مگر اندر سے دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی و سیئات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل و دماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ خدا کے حضور میں جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کو جھٹلاتے اور اپنے دعویٰ کی زبانی صداقت جتلانے کے لیے یا مسلمانوں کو سنانے ہی کو ایک دفعہ کہہ دیتے کہ ''الٰہی موت دے''، لیکن یہ اخبار تو من جانب اللہ ہو چکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لیے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑ جاتا تھا اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی اور ایسے موقع پر کافر و مشرک بھی یہودیوں کی ''خر در گل ماندہ'' حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیشین گوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہاں کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادّعا (اولیاء و [ابناء] اللہ ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ اس صاحبِ جبروت اور مَلِك [المَلَكُوْت] کے حضور میں کسی آفریدہ و مخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

۳-[ذلت ورُسوائی ان کا مقدر ہے]

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ۔[آل عمران ۳:۱۱۲]

اور ڈال دی گئی ہے ان پر ذلّت، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں بجز اس کے، کہ اللہ کی ذمہ داری سے رہیں، یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں۔

ا: اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ آیندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔

ب: بتایا گیا ہے کہ وہ ذلّت و مسکنت کا نشانہ رہیں گے یعنی ان کی اپنی سلطنت کوئی نہ ہو گی۔

ج: بتایا گیا ہے کہ یا تو ان کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑے گا، اسی کو بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ فرمایا۔ کیونکہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالیٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔

د: یا ان کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزار اور باج دِہ ہو کر رہنا پڑے گا، جسے آیت میں وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ فرمایا ہے گویا ایک آیت کے اندر چار پیشین گوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو، کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی آزاد حکومت قائم ہے؟ کیا ان لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں، بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی، ایران، مراکو، تیونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطورِ جزیہ گزار پائے جاتے ہیں۔ اور بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا اثر یہ ہے کہ وہ رُوس و امریکہ، انگلستان و فرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

[پہلی] جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۹۱۸ء میں یہود نے کروڑوں، اربوں روپیہ (متحدین کو) اس لیے دیا کہ ان کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کرلی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سیکڑوں من سونا ان سے لے رہی تھی، سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے ان کی درخواست کو پورا کر دیا جائے گا۔ جب جنگ عظیم ختم ہوگئی اور ایفائے مواثیق کا وقت آیا تو یہودیوں سے کہا گیا، وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں اور وہاں کی حکم برادرانہ حکومت ان کو مل سکتی ہے۔ یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے تفوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ خیر تعمیلی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے؟ حکم برادرانہ حکومت!

اب قرآن مجید کے الفاظ کو غور سے پڑھو کہ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے!

ایک کتا کسی امیر کے پاس ہوتا ہے، اسے وہاں دودھ، گوشت وغیرہ سب کچھ ملتا ہے۔ ہاں، گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے۔ تو کیا اس کا یہ رتبہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو ایک تہی دست آزاد انسان سے برتر خیال کرنے لگے۔ صرف اس لیے کہ انسان کو ویسی غذا میسر نہیں جیسی مسٹر ڈاگ کو ملتی ہے۔

بعینہ یہی پوزیشن فلسطین میں یہودیوں کی قائم کی گئی ہے مگر حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی اور یہ وہ زبردست پیشین گوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزراءدُوَل کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

۴-[باہمی عداوتِ ابدی]

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوتِ ابدی کی پیشین گوئی:

فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ۔[المائدۃ۵:۱۴] ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بُغض قیامت تک کا ڈال دیا۔

اس وقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں، ایک تورات یونانیہ ہے اور دوسری سامریہ۔ ایک کتاب کے مقلد دوسری کتاب والے کو قطعی کافر جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے روادار بھی نہیں۔ قرآنی پیشین گوئی کے مطابق یہ بُغض یہ عداوت تا قیامت اس طرح قائم رہے گی۔

فصل ہفتم

عیسائیوں کے متعلق

۱-[دنیوی ترقی]

۱-عیسائیوں کو دنیوی مال ومتاع ملے گا۔ پھر آخرت میں ان کا فیصلہ ہوگا:

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۔ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ۔[یونس ۱۰:۶۸-۷۰] ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنالیا ہے۔ اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملک ہے۔ کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے، یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو؟ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا اقرار کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ دنیا میں ان کے لیے کچھ حصہ ہے۔ پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔

آیت میں صاف پتہ نصاریٰ کا ہے جو مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انھی کی بابت "مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا" فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرتِ دولت اور فراوانیِ زر ومال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اس سہ تن پرست قوم پر اس قدر افضال واطاف کیوں ہیں۔ مگر آیت ربانی نے بتلادیا کہ یہ نہ لطف ہے نہ فضل ہے، بلکہ "مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا" ہے جس کے ساتھ لَا يُفْلِحُوْنَ لگا ہوا ہے۔ (یعنی فلاح ونجاح سے محرومی)

یہ تو ممکن ہے کہ کم بین، کوتاہ نظر لوگ اس دولت مندی کی تمنا کرنے لگیں اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۔ [القصص ۲۸:۷۹] (جو قارون کو دیا گیا ہے، کاش ہمیں بھی وہی مل جاتا) کہنے لگے۔ لیکن کیا کوئی شخص یہ پسند کرسکتا ہے کہ قارون کی دولت مع انجامِ قارون اس کے حصہ میں آئے؟! یقیناً کوئی خردمند ایسا پسند نہ کرے گا۔ لہٰذا ہم

اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی باایمان "مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا" کا مصداق بننا پسند نہ کرے گا، جس کے ساتھ فلاح اور نجات کی نفی لگی ہو۔

خیر یہ بحث تو الگ ہے، اس وقت بہ اقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ تمول اور تعیش کی پیشین گوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

۲-[عداوتِ باہمی]

دوسری پیشین گوئی، کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہے گی۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ [المائدۃ۵:۱۴] ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا۔ انھوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کر دیا۔ ہم نے ان میں عداوت اور بُغض کو قیامت تک کے لیے بھڑکا دیا۔

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ، یونی ٹیرین، گریک چرچ، اشین چرچ، انگلش چرچ، امریکن چرچ کے اختلافات اور بُغض وعداوت اور تکفیر باہمی کے حالات جس شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقیناً من جانب اللہ ہے۔

۳-[اسلام سے قرب]

تیسری پیشین گوئی، کہ نصاریٰ در بارۂ مودت، اہلِ اسلام سے زیادہ تر قریب ہیں اور یہود و مشرک زیادہ دُور و بعید ہیں۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۔ [المائدۃ۵:۸۲] اہلِ ایمان سے محبت میں قریب تر تُو اُن کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

عراق و شام کے عیسائیوں اصحمہ، نجاشی، اکیدر، عدی بن حاتم، ابو مریم غسانی وغیرہ حکمرانانِ ملک کا مطیعِ اسلام ہو جانا اسی پیشین گوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و جرمنی اور امریکہ میں جس قدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ اسی آیت کے تحت میں ہے۔

فصل ہشتم

غزوات کے متعلق

۱-غزوۂ بدر

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ۔[الانفال۸:۷]اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تم کو ملے گا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

غزوۂ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھی طرح سامانِ جنگ نہ بنا سکے تھے لہٰذا ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی مڈ بھیڑ ایسے ہی دشمن کے ساتھ ہو جو مسلح نہیں، تاکہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کو سامنے لا ڈالا جو آلاتِ حرب سے پورے مسلح تھے۔ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ان کا مقصد مدینہ پر یورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سہ چند زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہلِ حق کی فتح ہوئی اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کہ کفر کی جڑ کٹ گئی۔

غزوۂ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیشین گوئی ہے:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔[القمر۵۴:۴۵] جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔

صحیح بخاری میں عکرمہؓ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی تب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔[1]

۲- غزوۂ خیبر

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۔[الفتح۴۸:۱۸] اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا، جب کہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جانچ لیا اور ان پر سکینہ و وقار نازل فرمایا اور فتح قریب کو ان کا انعام بنایا۔

یہ آیت صلحِ حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حقِ عبادت چار ہزار سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک کے حاصل تھا یعنی بیت اللہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کرنا، اس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہیں پہنچایا جاتا تھا جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کر سکتا تھا وہاں خلیل الرحمن کے بچوں کو جانے سے اور سنت ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات و منات، عزیٰ و ذوالحویصہ کے ماننے والے، پتھروں، درختوں، مورتیوں، استھانوں پر ناک رگڑنے والے، ستارہ پرست، تثلیث پرست، دہریے، نفس پرست، خود پرست لوگ، مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں، لیکن ان اللہ کے بندوں کو، جو احرام باندھے ہوئے ہدی و بُدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں، ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابو جندل رضی اللہ عنہ آجاتا ہے، پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے جو گھسٹتی آتی ہے، سانس

---

[1] بخاری میں یہ روایت نہیں ملی۔ البتہ علامہ ابن کثیرؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں اسے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (مدوّن)]

پھولی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کو اس جرم میں قید کیا گیا تھا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ اب ان کو بھاگنے کا موقع ملا، لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے ہیں۔ اس مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے کفار نے کہا کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ ان کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قومی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی ﷺ کے دیدار اور حضور ﷺ کی بشارت سے ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی اتنا شاد کام تھا کہ اسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔ الغرض یہاں مسلمانوں کو اس قدر ضبط و صبر اور سکون و وقار و حلم کا نمونہ بننا پڑا کہ نزولِ سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن و روح فرسا حالتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اس میں کامیابی کے بعد اور مدینہ پہنچنے کے دو ہفتہ پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہودانِ خیبر کے مقابلے کو جائیں۔ وہ جنھوں نے گیارہ قلعے مستحکم کر رکھے ہیں، جو منجنیق وغیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں، جس سے عرب بالکل ناواقف تھے۔ جنگِ خیبر میں انھی مسلمانوں نے جلادت و بسالت، جوانمردی و شجاعت، فنونِ حرب سے واقفیت، مدافعت و پیش قدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعہ جات کو، سنگین دیواروں، مضبوط حصاروں کو انھوں نے اس طرح جیت لیا کہ ان کے سامنے کوئی شے بھی ٹھہر نہ سکی۔

پیشین گوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو ظلم و آلام، اسلام میں برداشت کیے، ان میں لاچاری و معذوری کا اتنا دخل نہ تھا جتنا مسلمانوں کی اس قوتِ ارادی کا تھا کہ دین حقہ کے مقابلے میں ہر ایک مصیبت کو شرحِ خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعتِ دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ بڑی سے بڑی قوم، حرب آزما قوم، زر و مال کی قوم، قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی ان کے سامنے ہیچ تھی۔

جس وقت نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو میل سفر کرنے اور مکہ کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد صرف پانچ میل ورے سے واپس آگئے تھے تو کفار نے اور

سارے عرب نے مسلمانوں پر کیارائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہوسکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ ننگے بھوکے بے سروسامان کرہی کیا سکتے تھے۔

لیکن جب انھی لوگوں نے مدینہ سے ۸ منزل پرے جاکر خودسر، امن شکن، مایۂ فساد، دشمنِ امنِ عامہ، مکارانِ یہود کو فتح کرلیا تھا تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔ یہی کہ ان لوگوں کا خضوع وخشوع صرف ازراہِ تقویٰ ہے۔ ان لوگوں کا عجز ومسکنت صرف تعمیل احکامِ دین حقہ ہے۔ یہ وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے، تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے۔

غرض یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور اہلِ ایمان کے دو مختلف ومتضاد صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں لفظ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ مزید تدبر طلب ہے۔ سکینہ الٰہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آیندہ بھی متزلزل نہ ہو۔ لہٰذا یہ ایک پیشین گوئی ہے کہ بیعت الرضوان والے ہی وہ باایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی تزلزل واقع نہ ہوگا۔

۳- غزوۂ احزاب

مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی، قرشی، نجدی، کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملے میں شامل ہوگئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کی اطلاع اور ان کی تدابیر کی خبر لحہ بہ لحہ دشمنوں کو پہنچارہے تھے۔ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آرہے تھے اور کفار کی شوکت وقوت کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑگئے تھے۔ اعداء کی فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی۔ ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا اور مجموعہ کو جُند کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل ساز وسامان پر بڑے بڑے غرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ۔ (صٓ ۳۸:۱۱)[1] ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے، اُسے اسی جگہ ہزیمت ہو گی۔

[نیز] فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ [القمر ۵۴:۴۴-۴۵] کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں، اس لیے فتح و نصرت ہماری ہو گی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اسی پیشین گوئی کے مطابق ہوا کہ نزولِ آیات سے پچیس دن[2] بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ راتوں رات سب چمپت ہو گئے اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

---

[1] [یہ آیت پیشِ نظر نسخے میں درج نہیں، مگر ترجمہ موجود تھا، اس لیے آیت بھی درج کر دی گئی۔ (مدوّن)]

[2] [چوں کہ سورۂ صٓ اور سورۂ قمر دونوں مکی ہیں، اس لیے پچیس دن بعد پیشین گوئی کا پورا ہونا محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔ (مدوّن)]

فصل نہم

مخلّفین جہاد کے متعلق

۱-[حضور ﷺ کی معیت سے محرومی]

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ(۸۱) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ(۸۲) فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ(۸۳)۔ [التوبۃ۹-:۸۳-۸۱] پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول ﷺ اللہ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انھوں نے بُرا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور یہ بات کہی کہ گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ۔ اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے، اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیے، کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ یہ ان کے فعلوں کی جزا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے تو ان سے کہہ دینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلو گے اور میری معیت میں کبھی بھی کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کرو گے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے، اس لیے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔

اس آیت میں ایسی اقوام کا ذکر کیا، جنھوں نے موسم گرما میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول ﷺ اللہ کی واپسی پر ان میں سے ایک گروہ بارگاہِ محمدی ﷺ میں حاضر ہو گا اور آیندہ شریکِ جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہو گا۔ اس کے ساتھ قطعی پیشین گوئی کے الفاظ میں بتلا دیا کہ اب ان لوگوں کو جہادِ ہمرکابِ نبوی کا شرف نہ دیا جائے گا۔

اس واقعہ کو سورۂ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے:

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ [الفتح ۴۸:۱۵] جب تم مغانم کے حاصل کرنے کو چلو گے، تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہم کو بھی ساتھ چلنے دیجیے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجیے، تم ہمارے ساتھ تو ہر گز نہیں جا سکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرما دی ہے۔

ہر دو آیات سے زمانہِ نزولِ آیات کا بخوبی تعین ہو جاتا ہے۔ سورہ الفتح کا نزول غزوۂ حدیبیہ میں ہوا اور مغانم کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا، لہٰذا یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی بزرگ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہمرکابِ نبوی جہاد کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔ نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیشین گوئی کا تعلق آیندہ کے سالہا سال سے ہو، رب العالمین ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔

۲-[مستقبل میں سخت مقابلے کا سامنا]

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ [الفتح ۴۸:۱۶] ان بادیہ نشینوں کو، جو پیچھے رہنے والے ہیں، کہہ دیجیے کہ تم کو آیندہ قریبی زمانہ میں ایک سخت جنگجو قوم کے لیے بلایا جائے گا۔ تم ان سے قتال کرو گے یا وہ فرمانبردار بن جائیں گے۔ اگر تم نے (اس وقت) اطاعت کی، تب تم کو اچھا اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے اُس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا جیسے پہلے کر چکے ہو، تب تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت کو ہر دو آیاتِ مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تدبر کرو۔

۱- مخلفین کو معیتِ رسول ﷺ سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔

۲- مخالفین کو بعد از رسول ﷺ کریم قریبی زمانہ میں دعوتِ جہاد دیے جانے کی پیشین گوئی فرمائی گئی۔

۳- بطورِ پیشین گوئی مقابل کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلادی گئیں۔

۴- اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلادیا گیا۔

۵- اس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنہ کا وعدہ۔

۶- دعوت کی عدمِ تعمیل پر عذابِ دردناک کی وعید۔

اب آپ عہدِ صدیقی پر نگاہ ڈالیں، ان کی اس دعوتِ عام کے فرمان کو، جسے واقدی نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے، پڑھیے اور پھر ان عساکر کے نام معلوم کیجیے جو خدمتِ صدیقی میں آئے تھے۔ قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جن کو معیتِ رسول کریم ﷺ میں جہاد کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ ان کو رُوما جیسی سلطنت (امپائر) کے مقابلے میں روانہ کیا جاتا ہے، جو نصف دنیا پر حکمران تھی، جو اپنی جنگ جوئی اور حرب دانی کا ثبوت، ایران جیسی سلطنت کو، جو نصف شرقی دنیا کی امپائر (دولتِ بزرگ) تھی، [شکست دے کر] دے چکی تھی، جس کی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں، جن کا نظامِ جنگ سب سے اعلیٰ تھا، جنھوں نے اپنی ہی ملکیت کے اندر رہ کر صرف مدافعت کرنی تھی اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سیکڑوں میل آگے بڑھ کر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی مکمل نہ تھے، حملہ کرنا تھا۔

نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار در ہزار داخلِ اسلام بھی ہوئے۔ یہ آیت عرب اور شام میں ہونے والے انقلاب اور فتوحاتِ اَعراب، اور روما کی آیندہ معاشرت وانجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوتِ صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کی اطاعتِ الٰہی بتلاتی ہے اور عدمِ اطاعت پر وعید عذاب بتلاتی ہے۔ اجر حسنہ کا لفظ نہ صرف آخرت کے لیے ہے بلکہ دنیا بھی اس

میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیشین گوئی ہے کہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے لشکروں میں شامل ہونے والے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائیں گے اور باایں ہمہ ان کی امارت بھی خوبیوں والی ہو گی۔

ایسی پیشین گوئی کے تمام اجزا کا اس طرح پورا ہونا، جس کی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو، قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

فصل دہم

متفرق پیشین گوئیاں

الف: یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَلَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ ۔[الحشر ۵۹:۱۱] آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا جو اپنے بھائیوں، کافر اہلِ کتاب سے کہہ رہے ہیں: ۱-اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے۔ ۲- ہم تمہارے معاملے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔ ۳-اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تم کو ضرور مدد دیں گے۔

[منافقین کی وعدہ خلافی]

وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَہُمۡ ۚ وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَہُمۡ ۚ[الحشر ۵۹:۱۱-۱۲] اللہ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، اگر یہودی نکالے گئے، تب یہ منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر یہود سے جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہ دیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے اور منافقین نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ ان کو مدد دی۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتلادیا:

وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡہُمۡ لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ۔[الحشر ۵۹:۱۲] کہ اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کریں گے، تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر یہودیوں کو بھی مدد نہ ملے گی۔

[اخراج] یہودانِ بنو قریظہ کے موقع پر منافقین نے ان کو مدد بھی دی لیکن پھر ہزیمت برانِ اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا۔ اور بالآخر یہودیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت و قوت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور پیشین گوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہو گیا۔

ب: [یہود کا کفر اور ان کی متبادل قوم]

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیشین گوئی) جو کبھی کفر نہ کرے گی۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۔[الانعام ۶:۸۹] یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوم کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی۔

یہ آیت سورۂ انعام کی ہے اور سورۂ مذکورہ مکیہ ہے، جب کہ اسلام نے ابھی مکہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشین گوئی میں بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ سود خوار یہودی ایمان نہ لائیں گے تو کیا ہوا، دیکھو وہ بڑے بڑے خود سر قبائل جو حکمرانی و مطلق العنانی میں صدیوں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، وہ ایاد، قضاعہ، ربیعہ اور مضر سب کے سب تیرے منقاد و مطیع ہونے والے ہیں۔

وہ شہر بن بارام، ملک صنعاء، منذر بن ساوی، ملک البحرین، جیفر و عیاذ، فرزندانِ جلندی، فرماں روایانِ عمان تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

[وہ] اصحمہ نجاشی، ملک حبشہ، اکیدر، شاہ دومۃ الجندل تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذوالکلاع حِمْیَری، جسے اس کی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی اور جس کے جلو میں اس کے ایک ہزار غلام چلا کرتے تھے۔

وہ ذی طلیم، ذی زود، ذی مران، ذی عمرو، جو شاہانِ تاجدار تھے اور جن کے خاندانوں میں پشتہا پشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا، تیری خدمت میں کمربستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہانِ تاجدار کے حالات کو پڑھو، جن کا علاقہ حجاز سے بڑا، جن کی فوج آنحضرت ﷺ کے حاضر باشانِ بارگاہ سے بہت زیادہ تھی، جو نہ کسی کے رُعب میں آنے والے تھے اور جن

کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی، جن کے علاقہ جات میں مبلغین اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا، کیوں کر خود بخود انشراحِ خاطر اور طوعِ کلی و رغبتِ طبعی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العالمین ہی کی قدرت کے کام تھے کہ ایک یتیم، بیوہ کے بچہ کی ہیبت اس قدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ براندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت دلوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہِ پاک کیے ہوئے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آیت میں لفظ وَكُلًّا پر غور کرو، دُہری پیشین گوئی ہے۔ ادھر ان لوگوں کو منقاد کر دینے کی، اور ادھر حضور ﷺ فَدَاهُ أَبِي وَأُمِّي کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک جو خلیج فارس، بحر احمر، بحر روم اور کوہستانِ شام کے درمیان واقع ہے، سرتاسر ایک ہی کلمہ کا گویا، ایک ہی ملت کا شیدا، ایک ہی ذاتِ قدسی صفات پر فدا اور ایک ہی دین فقیہہ پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔

دیکھو، پیشین گوئی میں کتنی وسعت تھی اور کس صداقت کے ساتھ نزولِ آیات سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ج: ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں [اضافہ]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ [المائدۃ ۵:۵۴] اے ایمان والو! تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسی قوم کو لائے گا، جس سے وہ محبت کرے گا اور جو خدا سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ ایمان والوں کے لیے متواضع اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

آیت میں بطورِ پیشین گوئی بتلایا گیا کہ مسلمانوں میں سے کوئی کوئی مرتد بھی ہو جایا کرے گا۔

پھر بطورِ پیشین گوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالیٰ بڑی بڑی قوموں کو گرویدۂ اسلام فرمادے گا۔ خدا کے ساتھ ان کے معاملات محبت و خلوص کے ہوں گے، اہلِ ایمان سے ان کے تعلقات تواضع و انکسار کے ہوں گے۔ دشمنانِ دین کے ساتھ وہ غلبہ و فتح و عزت و نصرت کا کرشمہ دکھلائیں گے۔ وہ دنیا کی جھوٹی تعریف یا جھوٹی ہجو سے بالاتر ہوں گے۔ وہ عملاً و فعلاً خدا کی راہ میں سرفروش و جاں نثار ہوں گے۔ اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تاایں دم ہمیشہ ظہور صدق رہا ہے اور ان شاءاللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔

نبی ﷺ کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ [مرتد] ہو گئے۔ ان کا ارتداد بھی نرالا تھا۔ مسیلمہ اور اس کے اَتباع سب کے سب دبی زبان سے نبوت محمدیہ ﷺ کا اقرار کرتے تھے، مگر مسیلمہ کے لیے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔ اسی قوم کے اندر ثمامہ بن اثال الحنفی اور اُن کے اَتباع میں ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور انھوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسود عنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے فیروز اور ذاذویہ کو جو فارسی النسل اور صاحبِ فضل و کمال ہیں، کھڑا کر دیا، جنھوں نے اس کی تمام شوکت و قوت کو خاک میں ملا دیا۔

طلیحہ و سجاح نے بھی دعویٰ نبوت کیا اور اسی اطراف کی اقوام و قبائل نے ان کو ایسا سیدھا بنایا کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعتِ اسلام ہو گئے اور پھر کبھی خدمتِ اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی امیّہ کا ظلم و جور بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ خراسان کو اٹھایا اور انھوں نے ان کی سلطنت کو تہ و بالا کر ڈالا، جس کا نتیجہ عباسیوں کا صاحب و سہیم و اورنگ ہونا نکلا۔ عباسیوں نے جہاد میں تہاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے سلاطینِ اندلس کو مغرب میں اور آلِ بویہ و آلِ سبکتگین کو مشرق میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کھڑا کر دیا۔

تباہی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور تُرکانِ خونخوار کے ہاتھوں سے اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس قومِ تُرک میں اسلام داخل کر دیا۔ وہ تُرک جنھوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا کہ شہر کی گلیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا، یورپ میں جو اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ٹھہرے۔

آریہ نے ملکانہ میں شدھی کو رواج دیا اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا تو خود انھی میں سے کنور عبدالوہاب خاں جیسے اُٹھے تھے، جنھوں نے ہندو نما لوگوں میں اسلام پہنچایا۔

شمس الاسلام محمد امین و خالد لطیف گابا جیسے ہندو بیرسٹروں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علماء کے ہاتھوں پر بیعتِ اسلام کی۔

یورپ میں کنگ جارج کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن نے اظہار اسلام فرمایا اور اس طرح اسلام تختِ انگلستان کے قریب پہنچ گیا۔ لارڈ ہیڈلے، محمد پکٹھال، خالد شیلڈر جیسے صاحبانِ علم و فضل غاشیہ بردارانِ اسلام بنے۔

نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہو گئی تو دارالسلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہو گئی اور جرمنی کے شہر میں آٹھ ہزار نمازیوں پر سایہ کرنے والی مسجد بھی رونق افزائے فضا بن گئی۔ شہر لندن میں بھی مسجد کے لیے زمین حاصل کی جا چکی ہے اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔[1]

---

[1] [اب یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور کئی اسلامی مراکز اسلام کی روشنی پھیلانے میں دن رات مصروف ہیں۔ (مدوّن)]

ملکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی کروڑ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔

یہ جملہ برکات و آثار اور ترقی تعداد افزونی شمار و کثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیشین گوئی کے تحت میں معدود ہیں اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائے گی۔ ایک شخص کے مرتد ہونے سے دس داخلِ اسلام ہوں گے۔ لوگوں کا یہ بھرم بھی جاتا رہے گا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کر لیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ [الصف ۶۱:۸]

د: [ایک آیت، چار اقوام، دو پیشین گوئیاں]

سلطنتِ روما و ایران نیز قریش و اہلِ ایمان کے متعلق پیشین گوئی، جس میں دو پیشین گوئیاں شامل ہیں:

الٓمّٓ (۱) غُلِبَتِ الرُّوْمُ (۲) فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (۳) فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (۴) بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ [الروم ۳۰:۱-۵] روما، الارض کے قریب مغلوب ہو گیا ہے اور وہ مغلوبی کے چند ہی سال میں غالب آجائے گا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی، اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شادماں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ وہی تو غلبہ و قدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔

"اَلْاَرْضِ" سے مراد وعدہ کی زمین فلسطین ہے اور اَدْنَى الْاَرْضِ سے [مراد] شام و ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے، جہاں رُوما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی اور ان کو ان ممالک سے، نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الٰہی میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روماوالے پھر ایران والوں پر غالب آجائیں گے۔

الف: یہ پیشین گوئی ان دنوں بالکل خلافِ قیاس و گمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آجانا اور وہ بھی نو سال کے اندر اندر اہلِ دنیا کو محال معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا اُبی بن خلف نے اسی آیت کو قرآنِ مجید کے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا اور ابو بکر صدیقؓ کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقتِ قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ ۷ سنِ نبوت کا ہے۔ صدیقِ اُمت نے شرط لگائی، کیونکہ اسلام میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہی نہ ہوئی تھی۔

نزولِ آیات سے سات سال بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بد نظمی ہو رہی تھی وہ جنرل ہرقل کے بادشاہ بن جانے سے جاتی رہی۔ روماوالوں نے پھر از سرِ نو اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کر لیا اور مصر و شام، فلسطین و ایشیائے کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

ب: الفاظ قرآنیہ بشارت در بشارت پر مشتمل تھے یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مومنین کو بھی اس روز نصرتِ الٰہی حاصل ہو گی۔ ایسا ہی ہوا۔ ادھر اہلِ کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہلِ توحید کو اہلِ شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔

غور کرنا چاہیے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار قوموں اور چار ملکوں اور دو عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیشین گوئی کرنا اور وہ بھی بہ تعین سن و سال اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہو جانا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حدود میں ہے۔ ان پیشین گوئیوں سے قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہو گیا۔

اقوامِ سابقہ کا معجزانہ تذکرہ

قرآن حمید کا اخبارِ مستقبلہ کو بیان کرنا ہم نے بطور بُرہان پیش کیا ہے، اسی طرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے۔

قومِ ہود، قوم صالح کا مذکور کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔

عادِ ارم، عادِ اولیٰ کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا۔ سیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا۔ اس کا بیان بھی فرقانِ حمید ہی میں ہے۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا، ورنہ تورات اس سے خاموش ہے، جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں معجزاتِ موسوی کے وقوع سے ساکت ہے۔

مسیحؑ، اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ روما کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہود کی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کہ مریم صدیقہؓ کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا، عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کے لیے کدوکاوش کی، تب ان کو بیان القرآن کی صداقت کا علم ہوا۔

خانہ کعبہ کی عمارت کا بطورِ مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہلِ تاریخ سے پوشیدہ تھا، لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔ قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انھوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجتِ الٰہی ان پر ختم کی، تمام مذاہب کے لیے ایک کنز مدفون تھا، اور اسی لیے اسرائیلی پارسیوں کو جھٹلاتے تھے اور پارسی اسرائیلیوں کو، اور پھر یہ دونوں مل کر اہلِ ہند کے مکذب تھے اور اہلِ ہند ان دونوں کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر یہ تینوں مل کر مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے۔ پھر یہ چاروں مل کر مشرق بعیدہ چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے اور چین و جاپان ان چاروں کو۔

اسی طرح کذب و دروغ اور بُطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا اور قوموں کو قوموں سے، ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیے جانے کی اطلاع دی اور سیدنا و مولانا محمد رسول

اللہ ﷺ کو خاتم النبیین فرما کر اقوامِ عالم کو اس دعوت عامہ اور وحدتِ ملّیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔

قرآن کریم کا نبی ﷺ کا خاتم النبیین فرمانا ہی تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں، ہندوؤں، مصریوں اور چینیوں کے دل اور زبان پر محکم مہر لگ گئی اور اس اِعلام کے بعد کسی نے کسی کو آکاس بانی کا سننے والا، سروش یزدانی سے گفتگو کرنے والا، وحی ربانی کا حاصل کرنے والا تسلیم نہیں کیا۔ اور یہی قرآن حمید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل بیّنہ سے قوی ترین دلیل ہے۔

اب باب خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت اہلِ فکر وہوش کے غور وتدبر کے لیے لکھ دی جاتی ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۔[محمد۴۷:۲۴] لوگ کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔

باب دوازدہم (۱۲)

خصائص الاسلام

فصل اول

[اسلام، دینِ توحید]

اسلام ہی دینِ توحید ہے

آج دنیا پر [ثابت] ہو گیا ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت کا معیار اور اُس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلۂ توحید پر ہے۔

اب تو مناظرہ کے وقت بُت پرست بھی اپنے ٹھاکروں اور دیوتاؤں کو وسائط کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہلِ تثلیث اور اہلِ ثنویہ بھی تثلیث و ثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ ویدانت والے بھی "ودتیاستی" کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے، جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

[تمام انبیاء کی دعوت: مسئلۂ توحید]

اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل کی دعوت صرف واحد مسئلۂ توحید کی طرف تھی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ-[الانبیاء ۲۱:۲۵]

تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا، اُسے یہی وحی کی کہ "میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔"

[نیز] فرمایا:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ- [الزخرف ۴۳:۴۵] اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمن کے سوا معبود ٹھہرایا ہے، جس کی عبادت لوگ کیا کریں۔

[اسلام کی تعلیم: مسئلہ توحید]

اسلام ہی کی تعلیم ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۔[النساء ۴:۳۶] اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ، آمیزش اور شرک نہ کرو۔

[قرآن میں] توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ۔[الشوریٰ ۴۲:۹] کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنالیا کہہ دو کہ کارساز تو صرف اللہ ہی ہے۔

توحیدِ خالقیت اور توحیدِ قدرت کے متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ(۷۳) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [الحج ۲۲:۷۳-۷۴] اللہ کے سوا لوگ جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے، خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اُس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہاں تو طالب و مطلوب دونوں رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اللہ کی قدر و شان کے مطابق جانا ہی نہیں، بے شک قدرت والا تو صرف اللہ ہی ہے۔

آیاتِ بالا پر فکر و تدبر اور غور و تعمّق سے [نظر مکرّر] کرنا واجب ہے کہ الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، ولایت اور قدرت کی صفات میں اللہ تعالیٰ کا واحد و [یکتا] ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اسی ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرمادی گئی ہے۔

[اسلام کی توحید اور عقل]

یہ اسلام ہی کی توحید ہے، جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم و عقل اور سمع سے ہر منزل، ہر گام پر ہوتی ہے۔ یہ اسلام ہی کی توحید ہے، جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے براہین سے مشیّد ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلبِ سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں، جس کو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں اور جس پر بغیر سمجھنے کے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتدائے دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اس طرح قائم فرماتا ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔[الحج ۲۲:۴۶] کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ اُن کے دل سمجھنے والے اور اُن کے کان سننے والے ہو جاتے ہیں، ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں، بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب اور عقل، اذان اور سمع، ابصار اور عمٰی کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلب و بصیرت کو مخاطب ٹھہراتا اور انھی براہین پر اثباتِ توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

[اسلام میں توحید کی جامعیت]

اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادت، توحید فی الاستعانت، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی الذات، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کیے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی ﷺ کے ارشاد سے اُن مسائل کو محکم و قوی بنایا۔

[۱-توحید عبادت واستعانت:]

آیاتِ ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو، تاکہ عنواناتِ بالا کے متعلق آپ کی معلومات میں وسعت پیدا ہو، ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ-[الفاتحہ۱:۴] ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں۔

صاحبِ کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَتَقْدِيْمُ الْمَفْعُوْلِ لِقَصْدِ الْاِخْتِصَاصِ۔ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِيْنُ سے پہلے اِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت کا خاص اللہ ہی کے لیے ہونا ثابت ہو گیا۔

توحید فی الاستعانت کے متعلق سورۂ یوسف میں ہے:

الف: وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ- [یوسف۱۲:۱۸] صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جائے۔

سورۂ انبیاء میں ہے:

ب: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ-[الانبیاء ۲۱:۱۱۲] ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے، اسی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ج: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ[1] اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر لیے اور بہتر عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔

[۲-توحید فی العلم:]

الف: توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان:

---

[1] [سنن ابی داؤد، کِتَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ، بَابٌ فِي الِاسْتِغْفَارِ، حدیث ۱۵۲۲]

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔[البقرۃ۲:۳۲] اے رب! تو جملہ عیوب اور نقائص اور ادناس [ناپاکیوں] سے پاک ہے، ہم کو علم نہیں، لیکن اتنا ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ہے۔

ب: حضرت عیسیٰؑ کا بیان میدانِ محشر میں جملہ خلائق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا:

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔[المائدۃ۵:۱۱۶] جو میرے دل میں ہے، اسے تو جانتا ہے اور جو تیری ذات کے اندر ہے، میں اُسے نہیں جانتا۔ تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

ج: وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔[الزخرف۴۳:۸۵] قیامت کا علم تو اُسی کے پاس ہے۔

د: اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ۔[ھود۱۱:۱۴] یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔

ہ: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ۔[الانعام۶:۵۹] علم غیب اُسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم "علیم" ہے۔ جب یہ غور کیا جائے کہ قرآن مجید میں اس اسم "علیم" کا استعمال کون سے دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مقرون ہو کر وارد ہوا ہے تو ترکیب ذیل نظر آئے گی۔

عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ، عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ، عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ، وَاسِعٌ عَلِيْمٌ، عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ، الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ، عَزِيْزٌ عَلِيْمٌ، فَتَّاحٌ عَلِيْمٌ، سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، شَاكِرٌ عَلِيْمٌ....

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت و خبرت، حکمت و وسعت، حلم و خلق، عزت و فتح، سمع و شکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم کہ ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو، وہ انسان و ملک کے علم سے (خواہ وہ انسان و فرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بسا ارفع و اعلیٰ ہے۔

[۳- توحید فی القدرت:]

توحید فی القدرت کی بابت آیاتِ ذیل پڑھو:

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۔[القمر ۵۴:۴۹] ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔

وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا ۔[حم السجدۃ ۴۱:۱۰۔ ترجمہ: اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا]۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۔[المومنون ۲۳:۱۸] ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔[البقرۃ ۲:۲۸۴] اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔

وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ۔[الشوریٰ ۴۲:۲۹] وہ جب چاہے گا تو اپنی قدرت سے سب مردہ جسموں کے گوشت پوست کو جمع فرمادے گا۔

ان آیات میں دکھلایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتداءً ہستی میں لانا، پھر اُس کے لیے قدر و اندازہ مقرر کرنا، پھر اُسے معدوم کر دینا، پھر اُسے موجود کر دینا، اُسی ملک کی قدرت کے اندر ہے۔ آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اُسی کی قدرت تسلط رکھتی ہے۔ مادہ اور رُوح اس کی مخلوق اور اُسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ فتح و شکست، قوموں کا اقبال و اِدبار، زمانے کا انقلاب، موسموں کا تغیر، جمادات و نباتات، حیوانات اور انسان و ملائک کے خواص و [ماہیت] اور کوائف و احوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت [ہے کہ] انسانوں کا جانا پہچانا قانونِ قدرت اُس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جسے انسانوں کے تجربات [و] عادات محصور نہیں کر سکتے۔ اس صفت میں اُسی مالک کو یکتائی و وحدت حاصل ہے۔

[۴-توحید فی الذات والصفات:]

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے، فرمایا:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ۔[سورہ طٰہٰ ۲۰:۱۴] اللہ تو میں ہی ہوں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی بھی معبود نہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔[آلِ عمران۳:۱۸] اللہ نے بتایا اور ملائکہ و اہلِ علم نے بھی ظاہر کیا کہ وہی اللہ ہے، اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اُسی کا عدل و انصاف قائم ہے، اُسی کا معبود ہونا برحق ہے، دوسرے کا نہیں، وہی عزیز، وہی حکیم ہے۔

الٓمّٓ (۱) اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (۲) نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ (۴) مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۔[آلِ عمران۴-۳:۱] اللہ ہے۔ اُس کے سوا اور تو کوئی بھی الٰہ نہیں۔ اُسی نے محمد ﷺ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا، یہی کتاب اپنے سے پہلی تعلیم کی تصدیق کرتی ہے، اس نے قبل ازیں تورات و انجیل کو نازل فرمایا کہ لوگوں کی راہ نمائی ہو، اُسی نے قرآن کو اُتارا۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ۔[آلِ عمران۶:۳] وہی ہے جو انسان کی صورتیں ارحام میں اپنے منشا کے موافق بناتا ہے۔

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۲) غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ۔[المومن۳-۲:۴۰] یہ کتاب اُس اللہ نے اُتاری جو قدرت اور علم والا ہے، وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے، وہ توبہ قبول فرماتا ہے، وہ سخت عذاب اور جود و عطا والا ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔[المومن۶۰:۴۰] تمہارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، میں سنوں گا، میں قبول کروں گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ۔[المومن۶۱:۴۰] اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے نفس کے لیے بنایا کہ تم اُس میں آرام لو اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا، بے شک اللہ کے فضل و احسان انسان پر بہت ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔[المؤمن۶۲:۴۰] اے لوگو! یہی اللہ ہے جو تمہاری پرورش کرنے والا ہے، وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ(۶۴) هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔[المؤمن ۶۵-۶۴:۴۰] اللہ ہی ہے جس نے تمہارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تم کو خوب رُو بنایا، اُسی نے تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ لوگو! تمہارا پروردگار یہی تو ہے۔ ہاں! اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے، وہی سب موجودہ اشیا کا پالنے والا ہے، وہی زندہ ہے، وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اُسی کے بن کر کیا کرو، خوبی اور کمال اور وصف و جمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ ۔[الانعام ۱۰۳:۶] انسان کے حواس ظاہری و باطنی اُس کا ادراک نہیں کر سکتے اور وہ جملہ قویٰ کا ادراک رکھتا ہے۔

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔[الشوریٰ ۱۲-۱۱:۴۲] اُس کی مثال جیسی، بھی کوئی شے نہیں، وہ سمیع ہے اور بصیر ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کی ملک ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے۔ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۔[النحل ۷۴:۱۶] اللہ کے لیے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔[البقرۃ ۲۵۵:۲]

"اللہ ہے، وہی معبود ہے اور کوئی نہیں۔ وہی زندہ و پایندہ ہے۔ اُونگھ یا نیند کا اُس پر اثر نہیں۔ آسمان اور زمین اور اُن کی سب چیزیں اُسی کی ہیں۔ کون ہے جو اُس کے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے وہ سب کی اگلی پچھلی حالتوں کو جانتا ہے، مگر مخلوق اُس کے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں

کر سکتی۔اُس کا علم آسمانوں اور زمینوں سے فراخ تر ہے، وہ آسمان وزمین کی حفاظت سے تھک نہیں جاتا وہ سب سے بالا تر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔"

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱)اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ(۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔[الاخلاص۴-۱:۱۱۲]

"بتادے کہ وہ اللہ ہے، اللہ ایک ہے، اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے، نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔اُس کی کفو کا کوئی بھی تو نہیں۔"

ناظرین! میں نے ان آیات کو جمع کر دیا ہے۔اگر ان کے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اس کے لیے کتاب ضخیم درکار ہے۔تدبر کرنے والے کو پتہ لگ جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھلاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے، وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع واعلیٰ ہے، جو جوہر و عرض اور قدیم وحادث ہیولیٰ اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرضی اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات باقی ہی نہیں رہتی۔

نیز اسلامی توحید اُس اعتقاد تَجَسُّمْ سے بھی بالا تر ہے، جس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کو ایک مجسم شے بتاتے ہیں اور اُس اعتقاد تنزیہہ سے بھی اعلیٰ ہے، جس میں نفی صفات کو تقدیس کہا جاتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

خصائص الاسلام

فصل دوم

[اسلام، مذہبِ روحانیت]

اسلام ہی رُوحانیت کا مذہب ہے

ا- مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اُس میں روحانیت موجود ہو۔ اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اُسے مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی [یا] جمعیت ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب قدیم پائے گئے ہیں اُن میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں، جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو، عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا۔ نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا یا نہیں۔

یہ مسلّمہ [امر] ہے کہ انسان نام ہے روح [اور] جسم کے مجموعے کا۔ جسم کی ضروریات، جسمانی اور مادی اشیا میں پوری ہو جاتی ہیں۔ جن اشیا پر [اہل دنیا] ترفُّہ اور عیش، آسودگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسّرت کے نام۔۔۔ استعمال کرتے ہیں، یہ جملہ اشیا جسمانی ہوتی ہیں اور اُن کے استعمال سے جو التذاذ (لذت) حاصل ہوتا ہے، وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔ لہٰذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیا کیا ہیں اور کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہیں؟

اس عنوان کے تحت میں اُن لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روحِ انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں، کیوں کہ ہمارا مقصود اسلام کو مذاہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے، نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

[روحانیت اور دوسرے مذاہب]

ا: گوتم بدھ نے روحانیات کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا۔ وہ انسان یا روح انسان کے لیے صرف یہی اعلیٰ کمال تصور کرتا ہے کہ انسان دُکھ سُکھ کی بندشوں سے آزاد ہو جائے۔ اس کی تعلیم پر گہرا غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اُس کا سبق اخلاقِ انسانی کے بیان سے آگے نہیں بڑھا۔

ب: سیدنا موسیٰؑ کی تعلیم میں توحید کا بیان موجود ہے، [مگر] اُسی قدر جو ابتدائی مراتب ایمان کے لیے ضروری ہے۔ اُن کی تعلیم میں ردّ شرک موجود ہے، مگر اُسی قدر جو شرک اعظم کے ردّ کے لیے ضروری ہے۔ بعدازیں روحانیات کا ذکر نہیں کیا گیا، جس کی وجہ افرادِ اُمت کی پست فطرتی و دنیا طلبی تھی۔

ج: داؤدؑ کی زبور میں بابِ مناجات کھولا گیا ہے۔ بندہ کو اللہ کے حضور میں تضرع وزاری کا طریق سکھایا گیا ہے، لیکن ان مناجاتوں میں بھی نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت و خسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے اور چند مناجاتوں کے سوا باقی اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

د: سیدنا مسیحؑ نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔ یہ الفاظ یقیناً روحانیت کے مظہر ہیں۔ حضور [مسیحؑ] نے سادے دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا۔ یہ خالص روحانیت کا سبق تھا، لیکن افسوس کہ سامعین کے عدمِ ذوق اور عدمِ وجدان اور فقدانِ تحمل و برداشت کی وجہ سے اس نیک استاد کو بھی یہی کہنا پڑا کہ اس مضمون کی تکمیل ''روح الحق'' فرمائے گا۔[1]

---

[1] [یوحنا، ۱۳: ۱۶-۱۶]

[اسلامی روحانیت، احسان]

حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو ''الاحسان'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور و متواتر حدیث میں، جسے ابوہریرہؓ سے صحیحین نے اور عمر فاروقؓ سے صحیح مسلم نے روایت کی ہے، اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔[1] احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت [ایسے] کرے، گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے، [یا] پھر اس طرح کہ اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا: ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظورِ نظرِ رحمت بن جائے۔ دوسرا بلند تر مقام یہ ہے کہ اُس مقام پر متمکن ہو جائے کہ انوارِ عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیات کا مقصود یہ ہے کہ رابطۂ قلب اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ ''بندگی'' ہے۔ اس مقصود کی شرح اور حصولِ مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اس قدر زیادہ ہے کہ اُس کے مقابلے میں دیگر مذاہب کے بیانات سواں یا ہزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جا سکتے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ''اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔''

---

[1] [بخاری، کِتَابُ الْإِیمَانِ، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِیلَ۔۔۔، ح۵۰۔ مسلم، کِتَابُ الْإِیمَانِ، بَابُ الْإِیمَانُ مَا هُوَ۔۔۔ح۹۳-۹۷]

عبودیت [اور اس کے مظاہر]

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے، کیوں کہ روحانیات کا محل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔ بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔ اب مختصر سی تفصیل سنو:

الف: واجباتِ قلب پانچ ہیں:

۱-نیت: عادت و عبادات میں فرق کرنانیت کا کام ہے۔ مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنانیت کا کام ہے۔

۲-اخلاص: اخلاص کا مدعا وحدتِ مطلوب ہے۔

۳-صدق: اس کا مدعا وحدتِ طلب ہے۔

۴-انابت: سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام انابت ہے اور توبہ اسی کا پہلا زینہ ہے۔

۵- محبت: حبّۃ القلب (دانہ دل) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک دانہ پھلتا اور پھولتا ہوا سات سات بالیاں بن جاتا ہے اور ایک بالی میں سو سو دانے بن جاتے ہیں۔

ب: واجباتِ زبان پانچ ہیں:

۱-وحدانیت ورسالت کی شہادت۔

۲-دوامِ ذکر۔

۳-التزامِ دعا: کسی مدعائے خالص کے لیے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائیگی کے لیے دعا کو لازم بنالینا اور شے ہے، یہاں یہی صورت مقصود ہے۔

۴- تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔

۵- تعلیم: ناواقف کو بتانا، نادان کو دانا بنانا، علوم شرعیہ کا پھیلانا۔

ج: واجباتِ جوارح کی تفصیل غور سے دیکھو:

۱-واجبات سمع: کلام اللہ اور حکم رسول ﷺ اللہ پر کان لگانا، نصیحت اور کلمۂ حق کو غور سے سننا۔

۲-واجباتِ بصر: کائنات کو عبرت و خبرت سے دیکھنا، بصارت و بصیرت سے کام لینا۔

۳-واجباتِ ذوق: اکل حلال و حرام اور نشیلی چیزوں سے پرہیز۔

۴-واجباتِ اعضا: خضوع و خشوع۔

۵-واجباتِ جسم: قلب کی اطاعت کرنا، ضمیر پاک کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔

یہ سب پندرہ اقسام ہیں اور انھی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

فنا و بقا [کی تشریح]

بیان روحانیات کے لیے ''فنا و بقا'' کی شرح بتلانا ضروری تھا۔

حدیث بالا میں جس اوّلین مقام فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے اسی کو اصطلاح صوفیہ میں مقامِ فنا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے فنائے لغوی مراد نہیں، بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے اور انائیت سے غائب ہو کر شہودِ حق تک پہنچ جانا ہے۔ اسی فنا کے تحت میں توبہ، تذکر، ورع، زہد، اخبات، تبتل، خوف و رجا آجاتا ہے۔

[فنا و بقا کا مسئلہ اور توحید]

براہینِ بالا سے واضح ہے کہ اسلام مسئلۂ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرّے کو انسان کے مشاہدے اور غور و تفکر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوقِ سلیم اور وجدانِ صحیح کی راہ پر علم اور عقل اور تجربے اور مشاہدے کی مصابیح کو روشن کرتا ہے، اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۔[محمد ۴۷:۱۷] اور جو ہدایت یاب ہیں اللہ اُن کی ہدایت کو بڑھاتا اور انھیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ [مریم ۱۹:۷۶] ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ [التوبۃ ۹:۱۲۴] اور بعدازاں منزلِ مقصود پر پہنچا کر یہ بشارتِ عظیمہ پہنچاتا ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔ [الفجر ۸۹:۲۷-۲۸] اے اطمینان یافتہ نفس! اپنے رب کی طرف رجوع کر، خوشی کے ساتھ اور بشارت کے ساتھ۔

توحید کی ضد شرک ہے۔ ردِّ شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ [الانبیاء: ۲۱:۲۲] اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان قائم رہتا۔

[نیز] فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۔ [الانبیاء ۲۱:۲۴] کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الٰہ بنالیا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔

اسلام ہی بتلاتا ہے کہ جملہ رُسل کی اوّلین اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارکہ رہا ہے:

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ [الاعراف ۷:۸۵] اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔

یہی وہ کلمہ مقدسہ ہے، جو الوہیت رب العالمین کو دل میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک غیر سے پاک و صاف بنا دیتا ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے، جو اثبات کو بقا عطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھلاتا ہے۔ اسی آیت کو [سورۂ] اعراف میں چار بار، [سورۂ] انعام میں دو بار اور [سورۂ] آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔[الانعام ۶:۱۴] ان سے پوچھو: کیا آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والے اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں۔

اب کیا اس کے سوا اور کسی کو ولی و کارساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے، کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے، کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہر گز نہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔[الانعام ۶:۱۶۴] اُن سے پوچھو کہ اُس رب کے سوا جو ہر ایک کی پرورش کرنے والا ہے۔ کیا میں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کے لیے کروں۔

[فانی، معبود نہیں ہو سکتا]

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔[القصص ۲۸:۸۸] وہ اللہ جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اُس کے ساتھ ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت اور ہلاکت اور فنا والی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰؑ مسیح اور عزیرؑ نبی اور دیگر بزرگان کے پکارنے والے ہوں یا فرضی اور خیالی دیوتاؤں کے پکارنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ اُن میں اور اللہ تعالیٰ میں مابہ الامتیاز کیا ہے۔ وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیحؑ کو پکڑا گیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، قبر میں دفنایا گیا، اُس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ مسلمان جو حسینؓ کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کیے گئے، اُن کے پاک جسم کی، ناپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی، اُن پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راج دھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اُجڑتے دیکھا، جس نے اسی اندوہ و غم میں اپنے آپ کو ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا، وہ کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ سدھارتھ گوتم جو بدھ (بمعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بمقام کُسن آرا جلائی گئی اور اس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات میں تقسیم کی [گئی اور] جا

کر ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کیے گئے۔ کبھی بھگوا (لائق عبادت) اور آرھم[1] (ذات پاک) نہیں ہو سکتا۔

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ جو ۲۸ صفر ۱۱ ہجرت سے ۱۳ ربیع الاول تک بیمار رہے۔ جنھوں نے ۱۳ کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا جو ۱۴ کو بعد مغرب لحد منور میں لٹائے گئے، جو شانِ علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ علامت تدفین و قبر کی وجہ سے کبھی معبود و مسجود نہیں ہو سکتے۔

الغرض آیت بالا کے اس نشانِ واحد نے توحید کو نہایت مستحکم کر دیا ہے۔

[مقاماتِ فنا و بقا]

[فنا میں] رغبت تعظیم اوامر و نواہی، تصفیہ و تہذیب، استقامت، صبر، تفویض، ثقہ، تسلیم، اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسّف و حزن اغتراب، غیبت شامل ہیں، اور بقا کے تحت میں حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انبساط، ادب، اُنس، ذکر، علم، حکمت، تعظیم، سکینہ، طمانینت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات بالعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین، صدق، تحقیق شامل ہیں۔[2]

ان مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس و قلب و روح انسانی کے ساتھ ان کے ارتباط اور نتائج ارتباط اور ثمرات نتائج بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور باایں ہمہ علماً و عملاً ان کی ماہیات لفّاظی سے برتر اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے ناظرین سمجھ سکتے

---

[1] بدھ مذہب کا ہر ایک شخص بدھ کی مورتی کے سامنے پھول چڑھاتا ہے اور بدھ کی صفت و ثنا میں ایک منتر پالی زبان کا پڑھتا ہے، جس میں قریباً ۱۵ لفظ بدھ کی ثنا کے ہیں۔ بھگوا، آرھم بھی انھی الفاظ میں سے ہے۔

[2] فنا و بقا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر تحریر کیا گیا ہے، اُن کے الفاظ سے اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (تصوف اسلامی) کے یہ وہ مصطلحات ہیں جن کے مفہوم و معانی سے اس علم کے علماء و ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

ہیں کہ جس مذہب میں روحانیات کا اس قدر ذخیرہ وافر موجود ہے، اُسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

میں نے دقیق مبحث چھوڑ دیے ہیں اور اس مختصر بیان ہی سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجۂ خاص حاصل ہے۔

فصل سوم

[اسلام، اخلاقِ حسنہ کا معلم]

اسلام ہی اخلاقِ حسنہ کا معلم ہے

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْأَعْمَالِ[1] میں بزرگ ترین اخلاق اور نیکو ترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنایا گیا ہوں۔

[اخلاقِ رذیلہ اور اُن کے اثرات]

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے منبع چار ہیں: جہل، ظلم، شہوت، غضب۔

۱- تاثیراتِ جہل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بُری اور بُری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھلاتا ہے۔ یوسفؑ فرماتے ہیں:

اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ [یوسف ۱۲:۳۳] اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔

۲- تاثیراتِ ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اُس کے غیر محل میں رکھا جائے۔ خوشنودی کے مقام پر خفگی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بذل، نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقامِ انکسار پر تکبر اور مقامِ وقار پر انکسار، یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعوٰیِ استحقاق۔ قرآن پاک میں ہے:

---

[1] [اس مضمون کی ایک حدیث الجامع الصغیر میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: إِنَّ اللهَ بَعَثَنِي بِتَمَامِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَ كَمَالِ مَحَاسِنِ الْأَخْلَاقِ لیکن اسے علامہ البانیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: صحیح وضعیف الجامع الصغیر، ۴۵۰/۸]

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ [لقمان۳۱:۱۳] حقوقِ الٰہی کا غصب کرنا اور اُن حقوق کا استعمال دوسرے کے لیے جائز سمجھنا بزرگ ترین ظلم ہے۔

۳-تاثیراتِ شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصۂ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے، وقارِ نفس اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ [حدیث] پاک میں ہے:

اَعْطٰی كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ اللہ نے ہر ایک حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔

[نیز] فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۳۲] زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بُری سڑک ہے۔

۴-تاثیرِ غضب سے تکبر، کینہ، حسد، بغاوت اور سفاہت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے، حضور ﷺ نے ہر دفعہ اُسے یہی جواب دیا: غیظ و غضب سے دُور رہو۔[2]

[اخلاقِ حسنہ کے سرچشمے اور اُن کے نتائج]

اسلام نے بتایا کہ اخلاقِ محمودہ کے سرچشمے چار ہیں: صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

۱- صبر کے نتائج ہیں: برداشتِ مصائب، غصہ پی جانا، عدمِ ایذا دہی، بُردباری، خاکساری، گھبراہٹ کا نہ ہونا، حملہ نہ کرنا۔

صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے مقامات پر ہے اور ان مقامات میں "صبر کرو" سولہ اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔

---

[1] [مسند احمد، ج۴، ص۱۸۷، ح۱۷۵۹۶]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ، ۶۱۱۶]

۲- عفت کے نتائج ہیں: رذائل و قبائح سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی۔

---عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔

---عفت سے جھوٹ، بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

۳- شجاعت کے نتائج ہیں: آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، بہترین اخلاق کا جویا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دُور رہنا، اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔ حدیث پاک میں ہے:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔[1] پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے، پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔

۴- عدل کے نتائج میں اعتدال اخلاق اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا [ہے]۔

- عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اُسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔
- عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔
- عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اُسے کہتے ہیں جو جُبن اور تہوّر کا وسط ہو۔
- عدل بتاتا ہے کہ حلم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔

قرآنِ پاک میں ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ [الاعراف ۱۹۹:۷] معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ، ح ٦١١٤]

[اخلاقِ حسنہ کی فضیلت واہمیت]

حدیث پاک مسلم میں نواس بن سمعان سے روایت ہے:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ۔[1] اچھے خلق ہی کا نام نیکی ہے۔

صحیحین میں ہے:

خِيَارُكُمْ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا۔[2] نیک اور بہتر وہ [ہے] جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

ترمذی وابوداؤد نے ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ۔ وَاِنَّ اللهَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ[3] قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہوگا، اس سے بڑھ کر اور کوئی شے بھاری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک بے حیا، بدزبان سے بُغض رکھتا ہے۔

ترمذی میں بروایت جابرؓ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ۔[4] قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا، جو اچھے اخلاق والا ہے۔ مگر

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ تَفْسِيرِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ.، ح٦٥١٦]

[2] [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ. بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ.، ح٦٠٣٥۔ مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ. بَابُ كَثْرَةِ حَيَائِهِ.، ح٦٠٣٣]

[3] [ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ.، ح٢٠٠٢۔ ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ. بَابٌ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ.، ح٤٧٩٩]

[4] [ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعَالِي الْأَخْلَاقِ، ح٢٠١٨]

چبا چبا کر باتیں بنانے والے، خوش کلامی جتانے والے اپنی خوش گپی سے دوسروں کو تھکا دینے والے مجھے ناپسند ہوں گے اور دربار میں دُور تر بھی ہوں گے۔

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ۔[1] اچھے خلق والا اُس درجہ کو حاصل کرلیتا ہے، جو نفلی عبادت اور نفلی روزہ رکھنے والے کا ہوتا ہے۔

ان احادیث سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تکمیلِ ایمان اور قربِ رسول اور پسندیدگیِ مالک کے مدارج کا دار و مدار اخلاقِ حسنہ ہے۔

[اخلاقِ حسنہ کا تعلق]

اخلاقِ حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور ابنائے جنس سے بھی اور رب العالمین کے ساتھ بھی۔

۱- خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ اپنے آپ کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان تہذیبِ اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

۲- ابنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کو برداشت کرے، مگر خود انھیں ایذا رسانی کا ارادہ نہ کرے۔

۳- رب العالمین کے ساتھ حُسن خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے اُسے موجبِ شکر قرار دے اور احکام یا افعالِ الٰہی کے بارے میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

شیخ الاولیا، سند الاصفیا، سیدنا عبد القادر جیلانی کا قول ہے:

---

[1] [ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ.، ح۲۰۰۳]

كُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَمَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ۔ اللہ کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اُس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیے کہ تیرے نفس کا اُس میں کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاقِ حسنہ، جن کی تکمیل اسلام نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے۔ تھوڑی سی تفصیل اور بھی سُن لیجیے:

[اخلاقِ حسنہ اور اہلِ حاجت]

ا: اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مالِ زکوٰۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صفت کی کل آمدنی کا آٹھواں حصہ اُن کو ضرور مل جانا چاہیے۔

ب: مالِ غنیت کے خمس میں سے مساکین و یتامیٰ کا پانچواں حصہ لابدی ہے۔

ج: آمدنی فَے میں بھی کل کا ایک خمس مساکین و یتامی کا حصہ ہے۔

د: ابنائے سبیل بھی ان ہر سہ ابواب سے حصہ یاب ہوتے ہیں اور اس انتظام سے کل عالمِ اسلام مسافر کے لیے اپنا گھر بن جاتا ہے۔

ہ: قرض داروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنتِ اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

و: غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر علیحدہ کیا گیا ہے، اور بعدازاں اسی صیغہ میں چندہ دہی [کو] ضروری و لابدی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتامیٰ و ایامیٰ اور غلامان و مقروضین کے لیے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقوم درج کرنے کے احکام دیے ہیں تو اُن کی نظیر پیش ہونی چاہیے۔

[اخلاقِ حسنہ کی وسعت و عملیت]

الف: اسلام پابندیِ معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ محکم فرماتا ہے اور فریق معاہد کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر الٹی میٹم کی نوبت آجائے تو دشمن کو چار ماہ کی مہلت عطا فرماتا ہے۔

ب: اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور ہی پر نہیں دیتا ہے، بلکہ جوارح و اعضا کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

حکمِ اوّل:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۔[الاعراف ۷:۳۳] اے نبی! کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیا کو حرام ٹھہراتا ہے: (ابنائے جنس کے مقابلے میں) فحش، بے حیائی کی سب قسموں کو، جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو۔ (خود اپنے مقابلے میں) گناہ کی جملہ اقسام، (سلطنت کے مقابلے میں) بغاوت و سرکشی اور (اللہ کے مقابلے میں) شرک، جس کی کوئی دلیل نہیں۔

حکمِ ثانی:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۔[النحل ۱۶:۹۰] اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں: عدل اور احسان اور قرابت داروں سے فیاضانہ سلوک۔ اللہ جن چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔

حکمِ ثالث:

وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۔[النساء ۴:۳۶] مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو: 1۔ والدین 2۔ یتامیٰ 3۔ مساکین 4۔ ساتھ لگتا ہمسایہ 5۔ دُور کا ہمسایہ 6۔ تمہاری رفاقت میں رہنے والا شخص 7۔ مسافر 8۔ لونڈی، غلام۔

حکم رابع:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (۱۸) وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۔[لقمان۱۹-۱۸:۳۱] 1۔ غرور میں آکر لوگوں کی طرف اپنا منہ کج نہ کیا کرو۔ 2۔ زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ 3۔ اللہ تو ہر ایک چال باز فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ 4۔ اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ۔ 5۔ اپنی آواز کو پست و نرم رکھ۔ 6۔ دیکھ، آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔

[افرادِ معاشرہ کے متعلق اخلاقِ حسنہ]

۱- ہمسایہ: صحیح بخاری میں ہے: جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ مامون نہیں وہ صاحبِ ایمان ہی نہیں۔[1]

صحیح [مسلم] میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ کو چین نہیں، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔[2]

۲- یتیم و بیوہ: صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ ہے:

السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۔[3] رانڈ عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعدؓ ہے:

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ، ح٦٠١٦]

[2] [مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ بَيَانِ تَحْرِيمِ إِيذَاءِ الْجَارِ، ح٦٦]

[3] - [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ السَّاعِي عَلَى الْمِسْكِينِ، ح٦٠٠٧۔ مسلم، كِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْأَرْمَلَةِ، ح٧٤٦٨]

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ۔[1] جنت میں میں اور یتیم کا خبر لینے والا ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اس طرح۔

۳- لونڈی غلام: ابوداؤد میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا آخری کلام یہ تھا:

اَلصَّلٰوةَ الصَّلٰوةَ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔[2] نماز، نماز۔ اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ۔

قوم اور ملک کے متعلق اخلاق

۱- وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۔ [الحجرات ۴۹:۹] اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تب سب مل کر اُن دونوں میں صلح کرادیں۔

۲- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ [الحجرات ۴۹:۱۱] اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے، شاید وہی اُن سے اچھی ہو۔ نہ [عورتیں] عورتوں سے ٹھٹھا کریں، شاید وہی اُن سے اچھی ہوں۔ تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا بُرا لقب تجویز کرو۔

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۔ [الحجرات ۴۹:۱۲] بچو بہت گمانوں سے کیونکہ بعض [گمان] گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ اللِّعَانِ، ح ۵۳۰۴]

[2] [ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ح ۵۱۵۶]

غیر مذاہب والوں سے [اچھا] سلوک

۱-لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ ۔ [الممتحنہ۸:۶۰] جو لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے ساتھ نہ تو دین کے لیے جنگ کی ہے اور نہ تم کو خارج از وطن کیا، اُن سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تم کو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔

۲-اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ ۔ [النساء ۴:۵۸] اللہ کا حکم تمہارے لیے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اُسی کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔

ایسے احکام بیسیوں ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں، جن پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھلایا اور جن کی تعلیم انھوں نے علماً اور عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں، اہلِ نظر خود آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔

فصل چہارم

[رحم وعدلِ الٰہی کا مسئلہ اور اسلام]

اسلام ہی نے رحم وعدل کے مسئلے کو حل کر دیا

[عیسائیت کے دو اُصول]

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

۱- آدم نے گناہ کیا اور اُس کی تمام نسل اُسی گناہ سے آلودہ ہے۔

۲- خدا کے رحم نے چاہا کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے، لیکن خدا کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اٹھانا ہوگا۔

خدا نے اس مشکل کو اس طرح سے حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا۔ وہ لعنتی ٹھہرا، جہنم میں گیا، دکھ، درد اور عذاب اپنے اُوپر برداشت کیے اور وہ گنہگاروں کا کفارہ بنا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا۔ رحم خدا نے تب گنہگاروں کو معاف کر دیا۔

[اسلام کی اصلاحات]

اسلام نے ہر دو اصول بالا کی [اصلاح] فرمائی:

ا: گناہِ آدمؑ کے متعلق فرمایا کہ توبہ کی وجہ سے آدمؑ کو معافی مل گئی تھی اور آدمؑ گناہ سے پاک ٹھہرے تھے۔ لہٰذا بنی آدم کو گناہ کا ورثہ میں ملنا قطعاً غلط ہے۔

۱- فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ۔ [البقرۃ ۲:۳۷] آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ اُن کلمات کی وجہ سے اللہ نے اُن پر رجوع کیا۔ اللہ تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۲- ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَہَدٰی۔ [طٰہٰ ۲۰:۱۲۲] پھر رب نے آدمؑ کو برگزیدہ کیا اور اس پر توجہ فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔

ب: عدل ورحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے، اس لیے پاکباز مسیحؑ کا لعنتی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ ہذا گنہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی [عدل] کے قطعاً خلاف ہے۔

[عدل ورحم کے لیے حقوق کی تقسیم]

(۱) حقوق اللہ، جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رأفت وشفقت سے کام لیتا ہے۔

(۲) حقوق العباد، بندوں کے حقوق، بندوں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے۔

اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُغْفَرُ كُلُّ ذَنْبٍ لِلشَّهِيْدِ اِلاَّ الدَّيْنُ[1] شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں مگر قرضہ نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے صادر کیا ہے، ورنہ موجودہ عیسائیت نے، یا اوا گون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنا دیا تھا۔

کریم انہسا کا مسئلہ پر میشر کو رحم سے معرّا ٹھہراتا تھا اور کفّارہ کا مسئلہ عدل کا منافی تھا۔ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدالِ حقیقی کی سڑک قائم فرمادی۔

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ بَابُ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ كُفِّرَتْ خَطَايَاهُ، ح ۴۸۸۳]

فصل پنجم

[علم اور علماءء کی حمایت و قدر دانی]

اسلام ہی علم اور علماءء کا حامی ہے۔

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان یا شرافتِ علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیلِ حاصل ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں تمام عالم کے جُملہ ممالک اور اقوام نے علماً و عملاً تسلیم کر لیا ہے کہ علم کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔ لیکن جس زمانے میں اسلام کا آغاز عرب و حجاز میں ہوا، اُس وقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل و غافل تھی۔

[اسلام سے پہلے دنیا کی علمی حالت]

عرب تو نوشت و خواند سے بھی معرّا و مبرّا تھا اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا۔ جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ صرف بائبل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اس کے ساتھ ترجمہ و تفسیر شامل نہ تھے۔ یا اُن بے سر و پا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا، جو یہودیوں میں کبھی بطورِ ناول لکھی گئی تھیں اور پھر اُن کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ہندوستان پر شریمد بھاگوت اور ۱۸ پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہابھارت اور رامائن کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔ یہی حال چین اور ایران کا تھا۔ یورپ قطعاً جہالت کدہ تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا مأمن و ملجا بنا۔

[اسلام اور فضیلت علم، دو مثالیں]

۱- دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور انسان کو ہمیشہ اُن کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اسلام نے بتایا کہ

ابوالبشر تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مسجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر صفت علمیہ میں اُن سے بڑھ گیا تھا، وہ بیان جو سورۂ بقرہ میں موجود ہے، اُس کا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

۲-اب آیت اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔[المائدۃ۵:۱] کی تفسیر پر غور کرو کہ وہ کتا جو نجس العین ہے، تعلیم و تعلّم کے بعد شکار کرنے میں جارحہ انسانی کا منصب حاصل کرلیتا ہے۔ اُس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کی وجہ سے شکاری کتے کو درجہ جارحہ انسانی کے مساوی تسلیم کرلیا اور انسان کا مسجود ہونا بوجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکے گا کہ اسلام کس قدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

[فضیلت علم اور قرآن]

[رفعتِ مومنین و علماء:] ہاں قرآن پاک میں ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔[المجادلۃ۵۸:۱۱] اللہ درجات بلند فرماتا ہے: (۱) اُن کے، جو تم میں سے ایمان والے ہیں (۲) اور اُن کے، جن کو علم ملا ہے۔

[اولین وحی اور علم:] یہ قرآن مجید ہی ہے، جس کی وحی کے ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (۳) الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔[العلق۹۶:۳-۵]

پڑھ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے، اسی نے قلم کے ذریعے علم کی تعلیم دی ہے۔ اُسی [نے] انسان کو اُن علوم کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

غور کرو، پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشر علوم کا ذریعہ بتانے کا بیان، انسان کا قابل تعلیم ہونا، انسان کا نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہوتے رہنا، کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا، اور قراءت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کس طرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

[قرآن میں حضور ﷺ کی دعا:] قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص رنگ میں تھیں مثلاً دعاءِ نوحؑ ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔[نوح ۷۱:۲۸] اے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اُسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔

دعائے ابراہیمؑ ہے:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔[ابراھیم ۱۴:۳۵] مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیں۔

دعائے سلیمانؑ [ہے]:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۔[ص ۳۸:۳۵] اے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔

دعائے زکریاؑ [ہے]:

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۔[آل عمران ۳:۳۸] اے رب! مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔

لیکن سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو خلاصۂ موجودات اور سرورِ کائنات ہیں، کی دعا سب سے الگ اور سب سے جامع تر تھی۔ وہ دعا یہ ہے:

رَّبِّ زِدْنِیْ علما ۔[طٰہٰ ۲۰:۱۱۴] اے رب مجھے علم میں افزونی عطا فرما۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

[قرآن میں حضور ﷺ کا منصب:]

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین ﷺ اور رحمۃ للعالمین ﷺ بھی ہیں اور انھی کے پہلو بہ پہلو حضور ﷺ کی توصیف ان الفاظ میں بھی فرمائی گئی ہے:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔[البقرۃ۲:۱۵۱] وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے، وہ اُن علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت بخوبی نمایاں ہے۔

[اسلام اور اشاعت علم]

بے شک اسلام ہی ہے، جس نے علوم کی عام تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے، جس نے السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور انصار و مہاجرین کے علوم کو نو مسلم اور نو مفتوحہ ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائرِ ذیل پر غور کرو:

۱-امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہؒ صاحب الصحیح ہیں، اور اُن کی کتاب صحاح ستّہ میں سب سے اوّل درجہ پر ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخلِ اسلام ہوا۔

امام ہمام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ اہلِ فارس سے ہیں اور اُن کے دادا ہی داخلِ اسلام ہوئے تھے۔

سیبویہ اور بو علی اور زجاج، جو ائمہ لُغت و نحو ہیں، عربی النسل نہیں۔

امام اللغت اسماعیل بن محمد جوہری اور استاد مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عرب کے باشندے نہیں۔

ابو الفرج، جس کی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں، مالٹا کا باشندہ ہے۔

ابن خلدون، جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے، تیونس میں پیدا ہوا تھا۔

المؤرخ الشہیر برہان الدین موصل کے ہیں۔

مقریزی بعلبک میں پیدا ہوا تھا۔

امام مسلم صاحب الصحیح اور امام ابوداؤد، صاحب السنن گو نسلاً عرب ہیں، مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔

ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوازی ہے کہ اُس نے بُدُوِّ ظہور سے ہر ایک قوم پر ابوابِ علم کو کشادہ کر دیا تھا اور اندرونِ ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان تک اور بلادِ خراسان سے لے کر سرحد مراکش تک دروسِ علمیّہ کا افتتاح خیر القرون ہی میں ہو گیا تھا۔

[انبیاء کا وصف اعلیٰ، علم]

انبیاءؑ کو جو شرف و کرامت جملہ مخلوق الٰہی پر حاصل ہے، اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ۔[مریم ۱۹:۴۳] ابراہیمؑ فرماتے ہیں: اے باپ! مجھے علم حاصل ہو گیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ علماءً۔[النمل ۲۷:۱۵] داؤد اور سلیمان کو ہم نے علم عطا فرمایا تھا۔

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ۔[یوسف ۱۲:۶۸] یعقوب علم والا تھا، ہم نے اُسے علم سکھایا تھا۔

لوگ طلب علم کی تاکید کے ثبوت میں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ پڑھا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہونا تو قطعاً غلط ہے، مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰؑ کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحبِ کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے نبی خضرؑ کے پاس پہنچے تھے اور قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

[الکھف۱۸:۶۶] کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا کہ جو آپ کو معلوم ہے، میں اُسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

[توحید و رسالت پر اہلِ علم کی گواہی]

الف: اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے ثبوت میں علماء کو بھی پیش کیا ہے، جیسا کہ اس مسئلے کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ۔ [آل عمران۳:۱۸] اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں، ملائکہ اور صاحبانِ علم کی شہادت بھی یہی ہے۔

ب: اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدیہ کے ثبوت میں علماءِ اہلِ کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے:

۱- اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ - [الشعراء ۲۶:۱۹۷] کیا اُن کے لیے یہی نشانی کافی نہیں کہ علماءِ بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔

۲- وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ - [الرعد۱۳:۴۳] کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں، کہہ دے کہ خدا مجھ میں اور تم میں شہید ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جس کے پاس تورات و انجیل کا علم ہے۔

[اسلام کی طرف سے علمی دلیل کا مطالبہ]

الف: دلائل اسلام جس طرح مبنی بر علم [ہیں] اُسی طرح اُن کا مطالبہ بھی ادیانِ دیگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروئے علم ثابت کریں:

۱- قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۔ [الانعام۶:۱۴۸] اُن سے پوچھیے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اُسے ہمارے لیے پیش تو کرو۔

۲-نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ [الانعام ۶:۱۴۳] اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔

ب: کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں:

۱-فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ [آل عمران ۳:۶۶] جس چیز کا علم نہیں اُس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو۔

۲-وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۳۶] اُس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں گے۔

[اسلام اور مسلمانوں کی علمی فیاضی]

ان آیات واحکامات کی تعمیل میں علم بردارانِ اسلام یعنی اسلافِ کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔ سلطنت عباسیہ بغداد میں اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں ان میں تنافسِ باہمی صرف ترقیِ علم اور حمایت علماء کی بابت پایا جاتا ہے۔ ہر ایک کی سعی و کوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مربی علم و علماء ثابت ہو۔ سمرقند کی رصدگاہ، اندلس کی رصدگاہ کے مقابلے میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم و فنون کو ہند اور چین اور تاتار تک پھیلا دیا تھا تو اندلس نے اٹلی و فرانس اور جرمنی کو دولتِ علم سے مالامال کر دیا تھا۔ سلاطینِ اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفر اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پا رہے تھے جس طرح حجازی، حضرمی، یمنی اور فرزندانِ مہاجر و انصار۔ علوم منقول اور ادب و نحو کے ساتھ ساتھ علومِ ریاضیہ، فلسفہ، ہیئت کا رواج تھا۔

مشرق و مغرب و افریقہ میں مدارس [عوام] کے لیے تھے اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دار القیام بنے ہوئے تھے۔ بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا، جس میں چھ ہزار طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا، اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے، وہ ایسا طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔

[اسلام میں علوم کی قسمیں]

اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے:

ا: جلی، اور اس کے حصول کے تین ذرائع ہیں:

ا- بصر، وہ جملہ علوم جو معاینہ و اکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲- سمع، وہ جملہ علوم جو استفاضہ پر مبنی ہیں۔

۳- قلب وہ جملہ علوم جو تجاربِ انسانی کا مجموعہ ہیں۔

ب: خفی اور اس کے حصول کے بھی تین ذرائع ہیں:

ا- ایمان، جو جزو معلوم سے جزو نا معلوم کا تیقن دلاتا ہے۔

۲- فراستِ صادقہ، جو حواسِ عشرہ کے بعد امور مخفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔

۳- معرفت، جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصتاً وہبی ہے۔ اسے علمِ لدنی کہا جاتا ہے اور یہ انبیاءؑ سے خاص ہے۔ اس علم کا متعلم مبداء فیاض کی رحمت خاصہ سے سبق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم و براہین کا سلطان ہوتا ہے۔ اسی علم کے سایہ میں: (۱) عبودیت، (۲) متابعت، (۳) صدق، کو کمال حاصل ہوتا ہے اور اسی کمال کا نتیجہ نفیِ دعویٰ ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے [تو] مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ [الکھف ۱۸:۸۲] کو وجہِ موجہ قرار دیتا ہے اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی(۳)اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ [النجم ۴-۳:۵۳] کا تاج اُس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

فریفتگانِ مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہہ اُن کی سمجھ میں آئی۔ لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۸۵] بتاتا ہے۔ وہ عالمِ خلق سے بالاتر اور یک عالم امر کے حقائق سے مطلع ہو جاتا ہے اور اُن حقائق کی تعلیم سے چشمِ بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے اور غیر محسوس کو معلوم کے دریچہ میں بٹھا دیتا ہے۔

اس تمام مبحث پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی حامی العلم ہے۔

تذئیل، [اسلام میں غیر مسلم علماء کی قدر دانی]

اسلام کے حامیُ العلماء ہونے کا مضمون اُن نظائر سے مکمل ہو جاتا ہے جن سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے جن کے وجود کے ساتھ دینی شان کا نشان بھی مشہور تھا، اُن علماء کی بھی نگہداشت فرمائی تھی جو غیر مسلم تھے۔

منصور عباسی، علوم القرآن والحدیث کا زبردست عالم تھا۔ اُس کے دربار میں جیور جیش بن بختیشوع اور جیسی بن شہلاثار، ہر دو عیسائی یکے بعد دیگرے طبیب خاص کے منصب پر مامور تھے۔

مہدی کے دربار میں، تیوفیل لینائی (مذہباً صابئ) بڑے افسروں میں تھا۔

ہارون رشید کے دربار میں بختیشوع اور جبریل (عیسائی) اعلیٰ منصب دار تھے۔ یوحنا بن مانسویہ سریانی محکمہ تعلیم کا ڈائرکٹر تھا۔

مامون کے دربار میں، بطریق یوحنا اور سہل بن سابور (ہر دو عیسائی) اعلیٰ مناصب پر تھے۔

معتصم کا طبیب خاص سلمویہ بن بنان نصرانی تھا۔

متوکل کے دربار میں، حنین بن اسحاق نصرانی کا منصب بالاتر تھا، وہ جتنے اوراق دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا، اُن کے برابر طلائے ناب اُسے وزن کر دیا جاتا تھا۔ ماہانہ مشاہرہ اور سالانہ انعامات اس سے علاوہ ہوتے تھے۔

راضی باللہ کے دربار میں، طیفوری نصرانی، متی بن یونس نطوری (گرجا کا بشپ) بھی تھا۔

معتضد کے دربار میں، ابراہیم وسنان، فرزندانِ ثابت بن مرہ اور ابوالحسن حفید ثابت (مذہباً صابئ) بہت معتمد علیہ تھے۔

قُسط بعلبکی اور یحییٰ بن عدی بن حمید (ہر دو نصرانی) بھی دربارِ خلافت میں محسودانہ وقار رکھتے تھے۔ الغرض یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

[دوسرے مذاہب میں مسلم علماء کا مقام]

اب تلاش کرو کہ کسی مسیحی سلطنت یا کسی اور غیر مسلم سلطنت و حکومت میں بھی کسی مسلم عالم کی یہ قدر، یہ وقعت، یہ عزت کبھی کی گئی ہے۔

ہاں، اس کے برعکس ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں ۲۰ مارچ ۱۴۵۲ء میں یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کیا گیا اور فروری ۱۵۰۲ء میں اشبیلیہ اور ماحول کے مسلمانوں کو بھی نشرِ علوم کے جرم میں وطن مالوفہ سے جبراً نکال دیا گیا۔

[عیسائیت میں علماءء کے ساتھ سلوک]

نظائر بالا سے شاید کسی شخص کا گمان ادھر منتقل ہو جائے کہ یہود و مسلمین کا اخراج غالباً تعصب قومی کی بنیاد پر ہوا ہو گا اور نفس علوم کے ساتھ تعصب و عادات کا اس میں داخل نہ ہو گا۔

لہٰذا ہم امثلۂ ذیل پیش کریں گے کہ خود عیسائیوں کے علماء کے ساتھ بھی علوم معقول کی اشاعت یا اکتشافات علمیہ کے اعلان کے بعد یہی سلوک کیا گیا تھا۔

۱- پروفیسر برونو نے مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا۔ اُسے قید کر دیا گیا اور ۱۶۰۰ء میں حبس طویل کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔

۲- کرویت ارض کے مسئلہ پر یورپ میں بہت خون ریزی ہوئی۔

۳- پروفیسر غالیلی [گلیلیو] نے کہہ دیا تھا کہ حرکات نجوم بہت باقاعدہ ہیں۔ یہی مقولہ اُس کی ہلاکت کا موجب ہوا۔

۴- خاتون ماری مونتا ۱۷۲۱ء میں قسطنطنیہ سے چیچک کا ٹیکہ سیکھ کر یورپ پہنچی تو کنیسہ نے شاہِ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کیے جانے کے قاعدہ کو حکماً بند کیا جائے۔

۵- امریکہ میں ولادت کے وقت عورت کو مخدر [بے ہوش] کرنے کا طریقہ نکلا کہ وہ احساسِ تکلیف سے مامون رہے۔ پادریوں نے اسے خدا کے اس حکم کے مخالف سمجھا کہ عورت دکھ سے جنے گی اور اس کے خلاف سخت شورش کی گئی۔

۶- پلاج نے کہہ دیا کہ آدمؑ سے پیشتر بھی موت (حیوانات وغیرہ) کو آتی تھی۔ اُسے قتل کیا گیا اور اس کے جملہ ہم عقیدہ لوگوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔

۷- ڈی رومینس نے بیان کیا کہ قوسِ قزح اللہ کی حربی کمان نہیں، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاعوں کا عکس پڑنے کا نتیجہ ہے۔ اس جرم میں وہ قید کیا گیا، قتل کیا گیا، اس کا لاشہ مع اُس کی تصانیف کے جلا دیا گیا۔

۸- کتب خانہ اسکندریہ، قیصر جُول کے وقت میں جلا دیا گیا۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو مذہب کے خلاف ہیں، اُس کی رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوفیل مامورہ اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔

۹- کتب خانہ غرناطہ، مسلمانوں کی علمی جائداد کی آٹھ ہزار قلمی کتابیں کردینال اکسیمس نے سوخت کردیں۔

ان جملہ واقعات و بیانات و تشریحات سے یہ نتیجہ صاف مبرہن ہے کہ اسلام ہی حامیُ العلم والعلماء، ہے اور یہ صفت اُس کے خصائص عُلیا میں ہے۔

فصل ششم

[اسلام اور عمل]

اسلام ہی دین العمل ہے۔

سابقہ مضمون میں تحریر ہو چکا ہے کہ اسلام ہی دین العلم ہے، لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو، تو اُس علم کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡئَلُکَ علماء نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا۔

بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی، یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام عمل کے منافی ہے۔ اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہوئے جو دُور دُور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔ اس غلطی کا اوّلین سبب یہ بھی ہوا کہ توکل کے معنی بھی نہیں سمجھے گئے۔

موجودہ زمانہ سعی و کوشش کا زمانہ ہے، جُمود اور بے حسّی سے نفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی بے حسی اور جمود کا طرفدار ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام دین الٰہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی کو سمجھا نہیں گیا اور ہادیٔ اسلام، نیز علم بردارانِ اسلام کی سیرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔

[سعی و عمل اور اسلام کی تعلیم]

مسلمانوں پر ہمسایہ اقوام کا سایہ پڑا اور انھوں نے جوگیوں، سنیاسیوں، راہبوں اور پوپوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ زُہد کے اعلیٰ منصب پر ترکِ افعال اور ترکِ عمل ہی سے فائز ہو سکتے ہیں۔ یہ اُن کی اپنی سمجھ ہے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے:

۱- لٰکِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ جٰھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الۡخَیۡرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ [التوبہ ۹:۸۸] رسول اور اُس کے ساتھ والے ایمان داروں نے تو مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے، انھی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

۲-وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔[النجم ۵۳:۳۹-۴۰] نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔

۳-فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۔[الانبیاء ۲۱:۹۴] جو کوئی عمل کرتا ہے اچھے ایمان کے ساتھ اُس کی کوشش ضائع نہ ہو گی۔

۴-وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۔[الانعام ۶:۱۳۲] ہر ایک کے لیے اُن کے عمل کے موافق درجے ہیں۔

عمل کی دو اقسام ہیں: عمل برائے دنیا، عمل برائے آخرت، اور اسلام نے ہر دو کے لیے ترغیب دی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔[البقرۃ ۲:۲۰۱] اے رب! ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے اور ہم کو عذابِ نار سے بھی بچا لے۔

صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے:

اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ[1] جو چیز تجھے نفع دینے والی ہو، اُس کی رغبت اور حرص پیدا کر اور اللہ سے مدد چاہا کر اور عاجز ہو کر مت بیٹھ۔

صحیحین میں بروایت سعد بن ابی وقاصؓ ہے کہ سعدؓ بیمار ہوئے۔ نبی ﷺ اُن کی عیادت کو گئے۔ سعدؓ نے حضور ﷺ سے مشورہ چاہا کہ وہ اپنے مال سے کس قدر صدقہ دے، تب نبی ﷺ نے یہ اصول ظاہر فرمایا:

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْقَدَرِ، بَابُ الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ، ح ۶۷۷۴]

اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَآءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔[1] اگر تم اپنے وارثوں کے لیے دولت چھوڑ کر مرے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو اُن کو بے زر، بے پر چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے مانگتے پھریں۔

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام توریث کو مد نظر رکھو کہ مالِ میت کو تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس طرح حصص کا تعین فرمادیا ہے۔

اصولِ ارث و مواریث [اور اہمیتِ عمل]

اِرث کے اصول نسب اور نکاح اور ولاء میں اور فرائض میں سہام کو چھ اوزان: نصف (۱/۲)، رُبع (۱/۴)، ثُمن (۱/۸)، [ایک ثلث (۱/۳)]، دو ثلث (۲/۳)، ایک سدس (۱/۶) پر مقرر فرمایا گیا۔

۱- نصف کے حقدار پانچ ہیں: 1۔ شوہر، (ترکۂ زوجہ سے)، اگر وہ بے اولاد تھی۔ 2۔ صلبی بیٹی، جو تنہا ہو، یا 3۔ پوتی اور 4۔ اُخت واحدہ (اب و اُم سے) یا 5۔ اُخت واحدہ، (اب سے)، جب کہ اب وام کا فرزند نہ ہو۔

۲- ربع کے حقدار دو ہیں: 1 شوہر (مع ولد زوجہ)، 2 زوجہ (بعد الولد)

۳- ثمن کی حقدار زوجہ (مع ولد)

۴- دو ثلث کی حقدار چار ہیں: 1۔ دو بیٹیاں یا زائد براں یا 2۔ پوتیاں اور 3۔ بہنیں (مادر و پدر سے) یا 4۔ بہن (من جانب پدر)

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ، ح ۱۲۹۵۔ مسلم، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ.، ح ۴۲۰۹]

۵- ایک ثلث کی حقدار تین ہیں: 1۔ماں، جب کہ میت کا ولد اور اخوۃ و اخوات نہ ہوں۔2۔ماں کی اولاد، دو یا زائد کا (جس میں ذکر وانث برابر ہوں گے) 3۔دادا، میت کے بھائیوں کے ساتھ، جب کہ کوئی اور صاحبِ فریضہ نہ ہو۔

۶- سدس کے حقدار سات ہیں: 1۔باپ، جب کہ میت کا ولد موجود ہو، 2۔ماں، جب کہ میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں، 3۔دادا، میت [کے بھائیوں] کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی صاحبِ فرض بھی شامل ہو۔4۔دادی یا دادیاں، 5۔ماں کی اولاد، 6۔پوتیاں، صلبی بیٹی کے ساتھ، 7۔پھوپھیاں، سگی بہن کے ساتھ۔

ذرا اس موٹی موٹی تقسیم پر، جو علمِ فرائض کے متعلق ہے، غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اگر اسلام کے نزدیک مال کے لیے محنت و مشقت کرنا اور مال کمانا اور ورثا کے لیے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اِرث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔

[چند دیگر مالی احکام اور اہمیتِ عمل]

قرآن مجید میں تو تقسیمِ حصص بالا کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں ''وصیت'' کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۸۰] تم پر لکھ دیا ہے اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقربا کے لیے معروف طور پر وصیت کرے یہ تقویٰ والوں کے لیے ضروری ہے۔

حفاظتِ مال کے متعلق ایک اور حکم ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ [النساء ۴:۵] اپنا مال وزر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔مال وزر کو تو اللہ نے تمہارے لیے وجہِ قیام بنایا ہے۔

بیع و شرا کے احکام اور خرید و فروخت اور تجارت کے لیے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔

[سیرتِ صحابہؓ اور اہمیتِ عمل]

جملہ سیرت نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اوّلین جو اہلِ مکہ تھے، سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اوّلین سب زراعت پیشہ تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت اور زراعت کی تمثیلوں ہی میں آیاتِ ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے۔ تجارت و زراعت جس قدر محتاج عمل ہیں، اسے اہلِ خرد خوب جانتے ہیں۔ تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک نظائر پر غور کرو۔

[الف: عبدالرحمن بن عوفؓ]

عبدالرحمن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسلام کے لیے نبی ﷺ کے عہد میں انھوں نے مندرجہ ذیل رقوم صرف کی تھیں:

۱- ایک دفعہ چار ہزار روپیہ۔ یہ اُس وقت اُن کے کل مال کا چہارم تھا۔

۲- دوسری دفعہ چالیس ہزار۔

۳- تیسری دفعہ چالیس ہزار دینار۔

۴- چوتھی بار پانچ سو گھوڑے۔

۵- پانچویں دفعہ پانچ سو ناقہ۔

- نبی ﷺ کے بعد انھوں نے ایک باغ امہات المومنینؓ کی نذر کیا جو چار لاکھ میں فروخت ہوا۔
- مرتے وقت انھوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار دینار کی وصیت کی۔
- نیز وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابی کو چار سو دینار پیش کیے جائیں۔ بوقت تعمیل اصحاب بدر ایک سو شمار ہوئے۔
- علاوہ بریں انھوں نے ایک ہزار گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔

- نفاذ وصیت کے بعد زر طلا کی مقدار کثیر موجود پائی گئی، جسے کاٹتے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔
- طلا کے بعد ایک ہزار اُونٹ، ایک سو گھوڑا، تین ہزار بکریاں بھی شمار میں آئیں۔
- ان کی چار بیویاں تھیں، ہر ایک کو اسّی ہزار نقد دے کر مصالحت کر لی گئی۔ رضی اللہ عنہ

[ب: زبیر بن العوامؓ]

سید ناز بیرؓ جو نبی ﷺ کے پھپھیرے بھائی تھے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ اوّل میرا قرض ادا کیا جائے اور پھر ثلثِ مال صدقہ دیا جائے اور وراثت کی تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا گیا تو ۱۴ لاکھ نکلا۔ اُن کے پاس نقدی کم تھی، جائداد زرعی و سکنی بہت تھی۔ گیارہ مکانات مدینہ میں، دو مکانات بصرہ میں ایک مکان مصر میں تھا۔ ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا جو اکہتر لاکھ میں خریدا گیا تھا ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ ۲ لاکھ کی رقم حاصل ہوئی۔ قرض ادا کر دیا گیا، وصیت نافذ کی گئی اور پھر چار سال تک بہ موسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیرؓ پر آتا ہو تو لے لے۔ بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔

ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگا رکھے تھے جو ماہواری نفع حاصل ہوتا، اُسے خیرات کر دیتے تھے۔[1]

[اسلام اور دیگر مذاہب میں کسبِ مال]

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالاستیعاب بیان کرنا نہیں، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے السابقون الاولون کو کیوں کر عملِ دنیا اور عملِ آخرت کا جویا و شیدا بنا دیا تھا۔ کیا اس کے مقابلے میں بدھ ازم کوئی شرف رکھ سکتا ہے، جس نے گدیہ گری کو رواج دیا؟ یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری ربع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا؟ یا عیسائیت کے پاس اُس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود

---

[1] تہذیب الاسماء للنووی [ج ۱، ص ۱۹۶]

ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اُونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا آسان ہے، مگر دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے؟

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا، اُن کی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللهِ۔ [النور ۲۴:۳۷] یہ وہ مردانِ خدا ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

یہ وہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے۔ کسی شخص نے اس آیت کا ماحصل اس فقرہ میں ادا کیا ہے: ''دست بکار و دل بیار۔''

[اسلام اور مذہبی اعمال]

یہاں تک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی، لیکن تقرب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمالِ صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے، وہ لاثانی ہے۔ ارشاداتِ ذیل پر تدبر کرو۔

۱-فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ [البقرۃ ۲:۱۴۸] نیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلاؤ۔

۲- وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (۲۵) وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا - [الدھر ۷۶:۲۵-۲۶] اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی، اور رات کو بھی اُسی کے لیے سجدہ ہو۔ اُسی کی حمد و ثنا رات کو زیادہ ہو۔

۳-وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ [العلق ۹۶:۱۹] سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔

۴-يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا - [الاحزاب ۳۳:۴۱] اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو، بہت یاد کیا کرو۔

۵-وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا - [المزمل ۷۳:۸] اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے منہ موڑ کر اُسی کا بن کر عبادت کیا کرو۔

کائنات پر غور کرنا، صنعتِ الٰہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا، خصوصیاتِ بحر و بر اور تصرفاتِ ارضی و سمائی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جزو اور عبادت کرنے والوں کے لیے بلندیٔ مدارج کا باعث قرار دیا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ-[البقرۃ۲:۱۶۴]

۱-آسمانوں کی بناوٹ میں اور زمین کی بناوٹ میں، ۲-رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں، ۳-اُن جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کے لیے چلتے ہیں، ۴-اس پانی میں جسے اللہ اُوپر سے اتارتا اور زمین کو اس سے زندگی بخشتا ہے، ۵-زمین پر ہر قسم کے چلنے والے، رینگنے والے جانداروں میں، ۶-ہواؤں کا الگ الگ رخ بدل کر چلنے میں، ۷-اُس بادل میں جو آسمان و زمین کے [درمیان] میں [اس کے] حکم سے باندھے ہوئے ہیں۔ بے شک عقل و دل والی قوم کے لیے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔

ان احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے، وہ اہلِ اسلام کو بہبود و رفاہیتِ دنیا کے لیے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذخرِ آخرت کے لیے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ یہ احکام اور یہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

فصل ہفتم

[اسلام اور اُخوت]

اسلام ہی بانیِ اخوت ہے۔

ایک اخوت وہ ہے، جو دو اشخاص کے درمیان خون کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اُس اُخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اُخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً، رواجاً، اخلاقاً مسلم ہوتا ہے اور ہر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بچپن ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اُخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا، اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سیکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر اُن کے تعلقات صاف نہ ہوئے۔ بائبل اور قرآنِ مجید میں ہابیل و قابیل کا واقعہ موجود ہے کہ قتلِ انسانی کی ابتدا دو بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

[اسلام کی بے نظیر اُخوت]

ایک اخوت وہ ہے، جو اتحادِ عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اُخوت سے ہے۔ نبی ﷺ کے فیضانِ صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اُخوت قائم ہوئی، وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے، جس کی نظیر تاریخِ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے۔ زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔ مواخاتِ مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخاتِ مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدتِ اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت اور استحکام انس و مودت اس کی بنیاد تھی۔

مواخاتِ مکہ

محمد رسول اللہ ﷺ سیدنا علی مرتضیٰؓ

سیدنا ابو بکر صدیقؓ سیدنا عمر فاروقؓ

امیر حمزہ بن عبد المطلبؓ سیدنا زبیر بن حارثہؓ

زبیر بن العوامؓ ابن مسعودؓ

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ

مواخاتِ مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقدت سے قوی دل، قوی بازو بنایا گیا۔ پچاس جوڑ وہ پہلے تھے جو مسجد نبوی ﷺ میں سبقِ اتحاد سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں انس بن مالک کے الفاظ یہ ہیں:

حَالَفَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فِيْ دَارِنَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا۔[1] ہمارے گھر میں نبی ﷺ نے دو یا تین بار مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمادیا ہے:

تَاَخُّوْا فِي اللهِ اَخَوَيْنِ اَخَوَيْنِ۔[2] راہِ خدا میں دو دو کس بھائی بھائی بن جاؤ۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو نمونہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے سامنے قائم فرمادیا تھا، اُس پر برابر عمل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اُس وقت تک رہا، جب تک مکۂ معظمہ فتح نہ ہو گیا اور مکہ سے آنے

---

[1] [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ الْإِخَاءِ وَالْحِلْفِ، ح٦٠٨٣۔ ابوداؤد، كِتَابُ الْفَرَائِضِ، بَابٌ فِي الْحِلْفِ، حدیث ٢٩٢٦]

[2] [السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج٢، ص٣٢٤]

والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے گرد و غبارِ وحشت بالکلیہ دب نہ گیا۔ ذیل میں مواخاتِ مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

مہاجرین	انصار
1. سیدنا ابو بکر صدیقؓ	خارجہ بن زیدؓ
2. سیدنا عمر فاروقؓ	عتبان بن مالکؓ
3. امیر المؤمنین عثمان بن عفان ذوالنورینؓ	اوس بن ثابت انصاریؓ
4. سیدنا علی مرتضیٰؓ	۔۔۔رسول اللہ ﷺ
5. عبدالرحمٰن بن عوفؓ	سعد بن الربیعؓ
6. ابو عبیدہ عامر بن الجراحؓ	سعد بن معاذؓ
7. طلحہ بن عبداللہ القرشی بن عبید اللہؓ (احد العشرۃ المبشرۃ)	کعبؓ بن مالک بن ابی کعب الانصاری الخزرجی السلمی، شاعر النبی ﷺ
8. سعید بن زیدؓ	ابی بن کعب الانصاریؓ
9. زبیر بن عوامؓ	سلمہ بن سلافہؓ
10. سید زید بن حارثہؓ	اسید بن حضیرؓ
11. سیدنا بلالؓ	ابو رویم الخثعمیؓ
12. جعفر بن ابی طالبؓ (مقیم حبش)	معاذ بن جبلؓ
13. عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن الیمانؓ
14. مصعب بن عمیرؓ	ابو ایوب انصاریؓ
15. سلمان فارسیؓ	ابو درداءؓ

16. عبیدہؓ بن الحارث بن عبد المطلب	عمیر بن حمام بن جموحؓ
17. زید بن خطابؓ	معن بن عدی العجلانیؓ
18. وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی العامریؓ	سوید بن عمرو الانصاریؓ
19. ابو مرثد غنویؓ	عبادہ بن الصامت الانصاری السلمیؓ
20. ذو الشمالین عمیر بن عبد [بن] عمیر بن نضلہ الزہریؓ	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری النجاریؓ
21. عثمان بن مظعونؓ	عباس بن عبادہ خزاعی ذو عقبتین مہاجر و انصاریؓ
22. طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدریؓ (ابن عمۃ النبی ﷺ)	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاریؓ
23. ابو حذیفہؓ بن عتبہ	عباد بن بشرؓ
24. معاویہ بن ابو سفیانؓ	حتاتؓ

مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال وزر، اسباب سامنے لاتا، اراضی سکنٰی وزرعی دکھلاتا اور نصفانصف باہمی تقسیم کر لیتا۔

سعد بن ربیع جب عبدالرحمن بن عوف کو گھر لے گئے تو اس وقت اُن کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا: ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجیے تاکہ میں اُسے طلاق دے دوں اور وہ تمہاری ضجیعہ بنے۔

ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مر جاتا تو دوسرا بھائی اُس کے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا۔ ترکہ سنبھالنے کا قاعدہ اُس وقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیے اور اپنی جائیداد پیدا کر لی اور انصار کی معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

قرآنِ مجید میں مواخات کا ذکر

قرآنِ حمید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ [آلِ عمران ۳:۱۰۳] اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اُسے یاد کرو کہ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم بفضلِ ربی بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی نشانی تم پر اس طرح واضح کر رہا ہے کہ تم ہدایت یاب بنو۔

قرآن مجید نے كُنْتُمْ اَعْدَآءً کے الفاظ میں اُن تمام لڑائیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ کو بخوبی یاد تھیں اور جن میں وہ خود یا اُن کے اقرباء و آباء، احبّاء وابناء برابر حصہ لیتے رہے تھے۔ یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کیا کرتی تھی۔

۱- خاص مکہ شہر میں بنوہاشم اور بنواُمیہ کے جھگڑے۔ ۲- قریش اور مضر کی خصومتیں۔

۳-قریش اور حرب الفجار۔ ۴-کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔

۵-عبدِ مناف اور اُس کے اتحادیوں بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تمیم، بنو الحارث اور بنو عبد الدار اور اس کے اتحادیوں بنو سہم، بنو جمح، بنو مخزوم، بنو عدی کی عداوتیں۔

۶-مکہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوکِ کندہ، ملوکِ غسان، ملوکِ حیرہ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنتِ ایران کا عرب کے ایک حصے پر اور سلطنت روما کا عرب کے دوسرے حصے پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصے پر قبضہ و غلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ و جدال اور اُس جنگ و جدال کا عربی قبائل پر بہ لحاظ ما تحتی مخالفانہ اثر۔

۷-یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔

۸-یہود یانِ بنو نضیر و بنو قینقاع و بنو قضاعہ اور خیبر و فدک و تیماء کی شرارتیں اور قبائلِ عرب کو ہمیشہ مصروفِ جنگ رکھنے کی پالیسی۔

۹-عیسائیانِ دومۃ الجندل و نجران و بحرین کی ریشہ دوانیاں۔

۱۰-بت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نبرد آزما ہونا۔

۱۱-زنادقہ و دہریہ کے منصوبے اور روباہ بازیاں۔

۱۲-عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلثہ کاثولیکی، یعقوبی اور پولوسی کے اختلافات شدید اور ان اختلافات کی ترویج میں اہلِ عرب کو قربانی کا بکرا بنایا جانا، یہ سب وہ امور ہیں جو آیت بالا کے لفظ كُنْتُمْ اَعْدَآءً کے تحت میں داخل ہیں۔

بعد ازاں اِن سب اختلافات کا اُٹھ جانا، نزاعات کا انتزاع، جھگڑوں کا خاتمہ، لڑائیوں کا انسداد و جذباتِ کینہ و انتقام کا محو ہو جانا، امن عامہ کا قائم ہو جانا اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی اعتقاد دل میں، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا، ایک ہی مسجود و معبود کا مستحق عبادت و استعانت سمجھ لینا، بھیڑیوں کا گلہ بان ہو جانا، رہزنوں کا محافظ جان و مال کے لقب سے ملقب ہونا، دشمنانِ جان کا ایمانی و قلبی اخوان

ہو جانا، در حقیقت یہ ایسی نعمتِ عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا بطورِ تذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

[اخوان، انصار و مہاجر کی فضیلت]

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔ مہاجرین کے حق میں فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ [الحشر ۵۹:۸] یہ وہ ہیں جو اپنے وطن اور گھر بار، زر و مال سے نکال دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جویا ہیں اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں، یہی لوگ تو صادق ہیں۔

آیاتِ بالا میں اُن کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج اور جائیداد سے محرومی اور باایں ہمہ اُن کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوانِ الٰہی کا جویا ہونا اور جملہ وسائلِ معیشت سے محروم ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار و استحکام کے ساتھ لگے رہنا بیان فرمایا، اور پھر حصر کے طور پر فرمادیا کہ یہی لوگ صادق ہیں۔ دوسرے مقام پر کل دنیائے اسلام کو حکم دیا:

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ [التوبۃ ۹:۱۱۹] تم کو صادق لوگوں کی معیت چاہیے۔

صادقوں کا حصر اور تعین آیت بالا میں کر دیا گیا تھا۔ انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ [الحشر ۵۹:۹] اور دار الہجرت (مدینہ) کے رہنے والے جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت اُن کو دیا جاتا ہے، اُس کی بابت اُن کے سینے میں

خلش نہیں ہوتی۔ وہ بھی ایثار کرتے ہیں، خواہ وہ خود بھی ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ہاں جو کوئی تنگ دلی سے بچایا گیا وہ تو فلاح والا ہے۔

ان آیات میں دارالہجرت کا قیام اور قدامت ایمان اور محبت مہاجرین اور عطیات میں کمی بیشی سے استغنا اور تنگی وافلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصارِ کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرّر غور کرو:

ا: مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کے لیے گھر بار، خویش وتبار کو تج دیا۔

ب: مہاجرین کی فضیلتِ ایمانی یہ کہ اُن کا مقصود رضوانِ ربانی ہے۔ انصار کی فضیلتِ ایمانی یہ کہ ہجرت سے بھی پیشتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔

ج: مہاجرین کی فضیلت یہ کہ اُن کے جملہ افعال اللہ اور رسول ﷺ کی نصرت کے لیے ہیں۔ انصار کی فضیلت یہ کہ انھوں نے مہاجرین کو محبوب بنالیا اور خود اُن کے محب ہو گئے۔

د: مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔ انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مُفلح ہیں۔

یہ ہے وہ اخوتِ اسلامی جس کا بانی اسلام ہے۔ یہ ہے وہ محبت ایمانی جس کی بنیاد نہ منفعت مالی پر ہے اور نہ لذت نفسانی پر۔ یہی وہ اخوت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیات کے اثر سے بلند تر ہے۔

[اُخوتِ اسلامی کی چند بے نظیر مثالیں]

ا- ذرا میدانِ اُحد تک اپنی نگاہِ علمی کو وسیع کرو کہ بادشاہِ دوجہان کی بیوی، چہیتی، ملکہ، مومنین کی ماں طیبہ عائشہ صدیقہؓ پانی کی مشک کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزندِ اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکا رہی ہے۔ کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھلایا ہے۔

۲- ایک صحابی کی سنو۔ حذیفہ العدوی کہتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا۔ پانی ساتھ لے گیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ اسے پانی پلانے کو تھا کہ

دوسرے زخمی کی آواز آئی: آہ! زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اُسے پلاؤ۔ وہ اُس کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ ہشام بن العاصؓ ہیں۔ انھیں پانی پلانے لگا، تو تیسرے زخمی کی آواز آئی۔ اُس نے کہا: پہلے اُسے پلاؤ۔ اُس کے پاس پہنچا تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو ہشام کو پایا کہ جنت کو سدھار گیا۔ واپس آیا اور بھائی کو دیکھا کہ وہ بھی جامِ طہور کا سرور حاصل کر چکا ہے۔

میدانِ جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلے میں دوسرے بھائی کا، جو خون کا بھائی نہیں، بلکہ ایمان کا بھائی ہے، یہ احترام، یہ تقدم، اسلام کے سوا اور کہاں نظر آسکتا ہے؟!

یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر اور [ایثار] صرف عہدِ نبوت تک ہی تھا۔ اسپین کے خلیفہ کی لونڈی زہرا کا نام آپ نے قصر زہرا کے سلسلے میں سُنا ہوگا۔ اس لونڈی نے مرتے وقت وصیت یہ کی تھی کہ اُس کا مال اُس مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں محبوس ہو۔ وصیت کے مطابق تین سال تک یورپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کی گئی۔ کوئی ایسا مسلمان نہ ملا۔ آخر اُس کا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اُس کی یادگار میں لگا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت اُن دنوں میں ۴۵ کروڑ تھی۔

کہتے ہیں کہ فری مین لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر بلاتے ہیں، اُن کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو، فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ جس اخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے، وہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل ہشتم

[شرفِ انسانی کی رفعت]

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا۔

[پرانے مذاہب میں انسانیت کا، فروتر مقام]

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان و ہادیانِ مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے، اُن پر غور کرو۔

- یہودیوں کا اعتقاد، یعقوبؑ و داؤدؑ و عُزیرؑ کی نسبت، کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا یا پہلوٹا بیٹا تھا۔
- عیسائیوں کا اعتقاد، مسیحؑ کی نسبت، کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر المطلق اور ثالث ثالوث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔
- ہندوؤں کا اعتقاد، [1] ۳۲ اوتاروں کی نسبت، کہ پرمیشر نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری فرمائی تھی۔

---

[1] (۱) انش اوتار، سب سے پہلا، جو ۹ دفعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک بار، ابھی اُس نے جامۂ انسانی میں آنا ہے۔ (۲) مچھ اوتار، مچھلی کی شکل میں ملک دکن میں نمایاں ہوا اور اُس کے ظہور کے بعد طوفان عظیم آیا اور ۱۷ لاکھ ۲۸ ہزار سال تک زمین زیر آب رہی۔ (۳) کچھ اوتار، جس کی پشت پر کوہ مندر کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوتی گئی اور ۱۴ نایاب اشیاء کا استخراج ہوا۔ ان ۱۴ چیزوں کے نام یہ ہیں: (۱) لچھمن اوتار، دلہن کی شکل میں عشرت عالم کا سامان جمع ہوا (۲) گوئستہ دمن، نہایت قیمتی ہیرے کی شکل میں، جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکا (۳) کلب، برکھ کی شکل میں اسے پار جاتک برچھ بھی کہتے ہیں، جسے خزاں نہیں آتی، جس کی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے (۴) سُرر، شراب (۵) دھنتر، طبیب کی شکل میں جس کے دہنے ہاتھ میں جونک اور بائیں ہاتھ میں ہلیلہ بوقت پیدائش موجود تھا (۶) چندر ماں، ماہتاب (۷) کام دہن، وہ گئو جس کے تھن سے جو شے چاہتے ہو دوہ سکتے ہو (۸) اپراپت، فیل سفید کی شکل میں، جس کے چار دانت تھے (۹) سنگھ، سفید رنگ

- مہابھارت کا بیان، کرشن جی مہاراج کی نسبت، کہ وہ خود خالقِ عالم وعالمیان تھا۔
- پارسیوں کا اعتقاد، زرتشت کی نسبت، کہ وہ جہاں تیرتا، یعنی عالم ملکوت سے تھا۔
- بدھوں کا اعتقاد، مہاتما گوتم بدھ کی نسبت، کہ وہ (آرہم) خود ذاتِ پاک تھا۔
- سناتن دھرمیوں کا دعویٰ، کہ پانچوں پانڈو کواکبِ نورانی کے فرزند تھے۔
- تاتاریوں کا دعویٰ، کہ آلنقوا بیگم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کے بڑھانے میں ایک قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ حالانکہ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوبؑ وداؤدؑ اور عیسٰی وعزیرؑ، کرشن ورام چندر اور زرتشت وبدھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جا سکتے، بلکہ یہ درجۂ بلند اُن ہستیوں کے لیے ہے جو حقیقتاً انسان نہ تھے۔

ایک منصف غور سے بتلائے کہ اُس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر ذلیل بنادیا ہے اور چونکہ اُس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقتاً کسی طرح نہیں کی جا سکتی اس لیے دراصل اس شخص نے اُن کی بزرگی کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے، جس نے انسانیت کے درجے کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر اُن کا، مراتبِ روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا۔

اسلام اسے بالکل غلط قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی انسانی جسم کے اندر الوہیت کا حلول تسلیم نہ کیا جائے اُس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو ابنائے جنس کی رہبری وہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہو سکے۔

کا بحری گھونگا، جس کے پاس ہوتا ہے وہی فتح پاتا ہے (۱۰) بکھ، زہر ہلاہل (۱۱) امرت، آبِ حیات (۱۲) اُشن، سات سر والا گھوڑا (۱۳) اَن بھا، خوبرو (۱۴) نیکو خو، عورت۔

[انسانی عظمت سے انکار کے نتائج]

اس غلط اصول کے مفاسد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر ایک ظالم و جابر نے بھی اپنے لیے وہی درجہ تجویز کیا تھا، جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے ہادیِ مذہب کے لیے اُن کے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا۔

۱- فرعون رعایا کو مخاطب کر کے کہتا تھا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى -[النازعات۷۹:۲۴] میں تمہارا سب سے اُونچا رب ہوں۔ وہ اپنے دربار والوں سے کہا کرتا تھا:

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ [القصص۲۸:۳۸] اے سردارانِ دربار! میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔

کلیم اللہ موسیٰؑ جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس بیان فرماتے اور فرعون کو بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور خلا و فضا کا مالک ہے، تب بھی اسے یقین نہ آتا۔ جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادوں کا پیدا کرنے والا تھا، تب بھی اُس کی دیوانگی دُور نہ ہوتی۔ جب اُسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کا خالق ہے، تب بھی اُس کی عقل درست نہ ہوتی۔ جملہ دلائل کو سُن کر، سُنا کر منہ سے بکتا تو یہ کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۔ [الشعراء ۲۶:۲۹] خبردار! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔

۲- خلیل الرحمن ابراہیمؑ کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات و موت کے اختیارات رکھتا ہے۔ یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بلاوجہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اُسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھا ہی نہیں گیا تھا۔

[الوہیت وانسانیت کے مقام کا تعین]

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علو قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منتہائے عروج تک پہنچ جائے، تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین و متبوعین بھی انسان ہی ہیں، اللہ کی مخلوق، اللہ کے بندے۔

۱- وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ [الانبیاء ۲۱:۷] ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے، ہماری وحی اُن کو ملتی تھی۔

۲- وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۔ [الانبیاء ۲۱:۸] ہم نے اُن کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے۔

۳- بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (۲۶) لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ [الانبیاء ۲۱:۲۶-۲۷] وہ تو باعزت بندے ہیں، بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے اور اللہ کے حکم پر وہ عمل کیا کرتے ہیں۔

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے، نیز ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور اُن کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے۔ منصب دارِ رسالت ہوتے تھے، دربارِ الٰہی میں اعزاز واکرام والے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا کہ اُن کی زبان اور اُن کے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے، حکم کے بغیر اُن کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا اور جب حکم مل جاتا تو اُس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔

ان آیات میں قوتِ علمیہ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے اور اُن کے مراتب روحانی کا بھی اظہار، اور یہی وہ امور ہیں، جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے، جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہو گیا، کیوں کہ انسانیت ہی شائستۂ رسالت ٹھہری۔ انسانیت ہی شرف دارِ خطابت ہوئی، انسانیت ہی علمِ الٰہی کے نزول و بروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل و تعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔

بے شک اس مسئلے کا اظہار خصوصیاتِ اسلام میں سے ہے اور انسانیت اُن کی مرہونِ احسان ہے۔

فصل نہم

[تعصب سے بالاتر]

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے۔

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اُس پر لگائے ہیں، اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے، مگر انھوں نے ہوشیاری اور عیاری یہ کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انھی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نااہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اُس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

[تعصب کے معنی]

ا: تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطائے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔

ب: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔

ج: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔

د: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات وانوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو اُن برکات وانوار سے بالکل دُور رکھا جائے۔

[اسلام کی بے تعصبی کا ثبوت]

بحمداللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص سے پاک ہے۔ قرآنِ عظیم اور رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو بُرا بتایا اور اپنے دامنِ تعلیم کو اس خارزار سے ہمیشہ بلند

ترر کھا۔ تعصب کے ہر چہار اقسام کی نفی کا یقین مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی اور معاملات اسلامی سے بخوبی ہو جائے گا۔

۱-یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ [المائدۃ۵:۱] اے ایمان والو، معاملات کو پورا کیا کرو۔

۲- وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا [المائدۃ۵:۲] اُس قوم کی نفرت، جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا، تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی اُن پر زیادتی کرنے لگو۔

۳-وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ [المائدۃ۵:۲] نیکی اور خداترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ و سرکشی میں مدد نہ دو۔

۴-وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔ [الشوریٰ۴۲:۱۵] اے رسول! کہہ دیجیے، اللہ نے جو کتاب [بھی اتاری] میرا اُس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال، تم کو تمہارے اعمال۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم کو اکٹھا کرے گا اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔

۵-یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ [المائدۃ۵:۸] اے ایمان والو! تم (۱) اللہ کے واسطے قائم رہنے والے (۲) انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بن جاؤ اور (۳) کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے (۴) عدل کیا کرو، عدل ہی خداترسی سے قریب تر ہے۔ (۵) اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

۶-قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ [آلِ

عمران۳:۶۴] اے رسول! کہہ دیجیے کہ اے یہودیو اور اے عیسائیو، اے کتاب والو! آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں، جو ہمارے تمہارے لیے مساوی ہے (۱) اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں (۲) اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں (۳) اللہ کے سوا کوئی انسان کسی انسان کو اپنا رب نہ ٹھہرائے۔ اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں، تب ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہنا، ہم تو ان حکموں کے ماننے والے (مسلمان) ہیں۔

۷-لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ [البقرۃ۲:۲۵۶] دین کے معاملے میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی کو تو صاف الگ الگ واضح کر دیا گیا ہے۔

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں اِن آیات کی تعلیم میں رواداری کے جو نمونے، بے تعصبی کے جو ثبوت ہادیِ اسلام ﷺ نے اور حضور کے خلفائے راشدین المہدیین نے اور ملوکِ عظام نے دنیا کے سامنے پیش کیے، وہ سب اسلامی کتب میں اب تک موجود ہیں۔

[نبی ﷺ اور مسلمان خلفا کی بے تعصبی]

۱- نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہویوں کے ساتھ کیا تھا، وہ قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی وہ ہیں جن کے ساتھ نہ کبھی بابل کی بت پرست سلطنت نے [اچھا] سلوک کیا اور نہ مصر کی حکومت نے اُن پر رحم کھایا اور نہ یہوداہ کی نسل میں پیدا ہونے والے مسیح کی اُمت نے اُن کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر اُن سے کوئی مراعات کی۔

۲- نصاریٰ کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ ان معاہدات کو رحمۃ للعالمین جلد اوّل میں پڑھ لیجیے اور انصاف کیجیے کہ کیا ان سے اسلام اور داعیِ اسلام کی بے تعصبی، سیر چشمی اور کس قدر رواداری ظاہر ہوتی ہے۔

۳۔ حکمرانانِ اُمویہ وعباسیّہ واندلسیہ وفاطمیّہ کی شان وشوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں تک آباد رہنا۔ یہودیوں، عیسائیوں کا بلاامتیاز اَحدے ہر ایک منصب پر فائز ہو جانا ہماری روشن دلیل ہے۔

[ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ سلوک]

ہندوستان پر نظر ڈالیے۔ اس وقت اُونچی قوموں کے لیے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے، مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیارتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے، اُس میں احاطہ مدراس اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے۔ صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ ورت کے رقبہ سے باہر ہیں۔ اس احاطہ بندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انھوں نے دریائے انڈو (اٹک) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف رہنے والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام کے تحت میں اس ملک کی رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا اور اُن میں جمعیت پیدا ہو گئی اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا تو انھوں نے ''لالہ'' کا خطاب دیا، جس کے معنی بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت اب تک سرحدی صوبہ میں اس معنی میں خود مسلمانوں میں مروج ہے۔ لالہ موسیٰ ایک مشہور بستی اور مشہور ریلوے اسٹیشن ہے، جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔

[اورنگ زیب کی بے تعصبی]

اورنگ زیب کو متعصب کہا جاتا ہے مگر اُس کے دربار کے ہندو امرا کی فہرست اکبر کے دربار سے، (جس کی بے تعصبی مسلّمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اور نگ زیب نے راجپوتانہ کی سی ہندو ریاست کو شاملِ ملکِ محفوظ نہیں بنایا، حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزوِ سلطنت بنالیا تھا۔

ستی اور صغر سنی کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دارالسطنت آگرہ اور دارالخلافہ دہلی کے قرب وجوار میں اب تک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کیے ہیں، اُن کو ملاحظہ کرو۔ کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔

[مسلمانوں کی ہندوستان سے بے تعصبی]

ذرا اس سلوک کو بھی دیکھیے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا، مگر مسلمانوں نے کبھی اُن کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں، پاٹھ شالاؤں [درس گاہوں] کے لیے جاگیریں دیں، ابھیاگتوں [جوگیوں] کے لیے لنگر کھولے۔

اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو جینے، مرنے کے لیے پسند کیا، اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو اپنی زبان بنایا اور اُسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا۔ غور کے بعد بتاؤ، بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل و قول سے پیش کر سکتا ہے؟

بیرونی تجارت عرب اور چینیوں کے ہاتھ میں تھی، جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو اُن کو خیر مقدم کہا گیا، اُن کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ رواداری اور بے تعصبی ہی اُن کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اُوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

[جہاد اور اسلام کی بے تعصبی]

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزوات و سرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروبِ عرب کو تعصبِ دینی کی دلیل قرار دیں، لیکن در حقیقت ایسا کرنا تاریخ اور علل واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہم نے غزوات و سرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب میں تحریر کر دیا ہے اور بطور نتیجہ دکھلا دیا ہے کہ نبی ﷺ کے غزوات صرف اُسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوئے، جس میں سے خود حضور ﷺ اور السابقون الاولون بھی تھے۔ حضور ﷺ ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت و مخالفت میں سارا زور لگایا اور انھی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہٰذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصب دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جنگیں نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے تھیں اور نہ دوسرے مذاہب کے لیے موجب اکراہ تھیں۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وجہ بیان کی ہے وہ قرآن مجید میں موجود ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ [الحج ۲۲:۴۰] اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعے بعض کو نہ ہٹا دیتا، تب صوامع اور بیع اور صلوات اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں اور اللہ تو اُس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

صَوَامِعُ صومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اُس عمارت کو کہتے ہیں، جو اُوپر سے پتلی ہوتی جائے درویشانِ قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔ بِيَعٌ بیعہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا۔ وَّصَلَوٰتٌ یہ عبرانی صلوٰۃ کا معرب ہے۔ عبادت گاہِ یہوداں۔ وَّمَسٰجِدُ معبد مومنین والمسلمین۔

آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کردیں، بدامنی دُور کر دیں۔ پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے۔

تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بہ عہد پرویز ایشیائے کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرادیا تھا اور دس سال کے بعد عیسائیوں نے مکرّر غلبہ کے بعد پارسیوں کی پرستش گاہوں کو فنا کر دیا تھا۔ یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہانِ روما کے ظلم و تعصب کی وجہ سے زمین کے برابر کر دیے گئے تھے، حتیٰ کہ یروشلم کی زمین کو بھی، جس کی عمارت ۸۰ عیسوی میں ''نیرو'' شاہِ روما نے گرادی تھی، قسطنطین (اولین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنایا گیا تھا۔

مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں، کیوں کہ پارسی و ترسائی و نصرانی مسلمانوں کے خلاف بالاتفاق عداوت پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور انھی کے دوش پر معابد عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور انھوں نے اس بار کو خوش گوار فرض کے طور پر اٹھایا۔

[مسلمانوں کا مشن اور اللہ کی مدد]

آیت بالا میں ایک پیشین گوئی بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جنگیں اصول بالا کے لیے ہوں گی، تب اُن کو من جانب اللہ نصرت عطا کی جائے گی اور وہ ہر ایک اُس قوم کے مقابلے میں، جو کسی دوسرے مذہب کے معابد کو تباہ کرنے والی ہے، ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔ رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیقؓ اور فاروقؓ اور ذوالنورینؓ میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ بھی شکست نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک جگہ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ [الصافات ۳۷:۱۷۳] (اللہ ہی کا لشکر غالب آئے گا) کا نظارہ نظر آتا رہا اور اس کامیابی نے یہ

بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی جنگیں ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احترامِ معابدِ مذاہبِ عالم) پر تھیں۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگیں قابلِ اعتراض ہو سکتی ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور اپنے سینوں کو آماج تیر و سنان بنا کر غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تعصبی کا ثبوت اس طریق سے دے سکتی ہے؟!

[عیسائیت کا تعصب]

ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضے سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوایانِ عیسائیت اور فرماں روایانِ کلیسیا نے عام لوگوں کو اور پھر فرقہ واری کے جنون میں خود عیسائیوں کی جان و مال کو کس قدر غیر محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خوں ریزی جاری رہی، یہ تھے:

۱- کیا مسیحؑ ایک جسم اور ایک روح والا تھا؟

۲- کیا مسیحؑ ایک جسم اور دو روح والا تھا؟

۳- اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا، تب اُس کے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح؟

۴- اگر اُس کے اندر انسانی روح تھی، تب اُس کی الوہیت کی ابتدا کس طرح سے، اور کب سے ہوئی؟

۵- اگر مسیحؑ ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الٰہی) والا تھا، تب کون سی روح غالب تھی؟

۶- کیا کبھی روحِ الوہیت روحِ انسانی پر اور کبھی روحِ انسانی روحِ الوہیت پر غالب بھی آجایا کرتی تھی؟

۷- مسیحؑ کا صلیب پر چڑھنا مع روحِ الوہیت تھا یا بلا روحِ الوہیت تھا؟

۸-اگر مصلوبی کے وقت روحِ الوہیت شامل نہ تھی، تو روحِ انسانی کیوں کر گنہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی؟

۹-اگر روحِ الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی؟

الغرض ایسی ایسی موشگافیوں نے مسیحؑ کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیحؑ کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خوں ریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

[دیگر مذاہب والوں کا تعصب]

۱-ایران پر مشروکیہ اصول کی حکومت تھی اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا، جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائیداد نہ بنادے۔ پوران دخت و ایران دخت جیسی صاحب تخت وتاج [خواتین] نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنا چاہی تو فوراً اُن کو تخت کی جگہ تختۂ موت دیکھنا پڑا۔ اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان ومال کو محفوظ کیا اور اسلام ہی کی بے تعصبی اُن کی زندگی کا سبب ٹھہری۔

۲-کتاب ستیارتھ پرکاش میں گوشائیں، بیراگی، چیرانکت (آچاری) ویشنو آوک، دام مارگی، چوبی مارگ، فرقوں کے فحش افعال اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہنود میں باہمی جنگ وجدال کا موجب تھا۔ ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو اچھوت قرار دیا تھا۔ ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوؤں کی نسلوں اور پشتوں کو تباہ کرنے میں اور شنکر اچارج کے قائم کیے ہوئے مت نے بدھ لوگوں کو ہندوستان سے خارج کرنے میں جو جو کارنامے اس ملک میں کیے ہیں وہ تعصب کی خونی داستان ہے۔ اسی تعصب اور عنادِ باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے ہندوستان پر کسی ہندو

راجہ کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برسرِ پیکار رہی۔

اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم [دی، جن] کو دولت برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے چارج میں حاصل کیا ہے اور ان سیکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا، مگر اُس کے مقابلے میں انگلینڈ و ویلز آئرلینڈ و اسکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا جن میں بلحاظِ مذہب صرف دو ہی فرقے پراٹسٹنٹ اور کاثولیک آباد ہیں۔ تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصب نہیں۔

فصل دہم

[اسلام، دین محبت]

اسلام ہی دین محبت ہے۔

[صفاتِ الٰہی اور محبت]

ذرا غور کرو کہ اسلام معرفت الٰہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے:

۱- رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو نشوونما قبول کرسکتی ہے، جو کسی حرکت سے متحرک ہے، اُسے وجود بخشنے والا، اُس کی ہستی کو قائم رکھنے والا، اُس کے خواص کی حفاظت کرنے والا، اُس کی ماہیت و کیفیت خاص سے اُسے امتیاز بخشنے والا، اُس کی ضروریاتِ حیات کو بہم پہنچانے والا وہی ہے، جو اسلام کا اللہ ہے۔

۲- وہ رَحْمٰن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ کمالِ رحمت والا ہے۔

سلسلۂ وحی کا قیام برکاتِ سماوی کا نزول، انوارِ عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ارض و سماء اور خلا و فضا کا قیام اسی رحمٰن کے حکم سے ہے۔ چرند و پرند کی بقا اسی رَحْمٰن کے عطیہ سے ہے۔

رَحْمٰن وہی ہے، جو ہر ایک درماندہ کی توانائی ہے، ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے، اُسی کی استعانت ہمیں اُس کی رحمت تک لے جاتی ہے، اُسی کی رحمت قعرِ فرش سے انتہائے عرش تک قادر و متصرف ہے۔

۳- وہ رَحِیْم ہے۔ رحم سے رحیم، لغوی حیثیت سے صفت مشبّہ کا صیغہ ہے۔ اس وزن کے الفاظ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے معنی دوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسم پاک رحیم ظاہر کرتا

ہے کہ رحم ہمارے مالک کی اُن صفاتِ کاملہ میں سے ہے، جن کو ذاتِ پاک کے ساتھ لزوم و دوام حاصل ہوتا ہے۔ حدیث ترمذی میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا:

اَلَیْسَ اللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا۔[1] کیا اللہ کا پیار، اپنے بندوں کے ساتھ اُس پیار سے زیادہ نہیں، جو ماں کو اپنے بچہ سے ہوتا ہے؟ فرمایا: یہ بات بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ۔[2] [تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔]

خواجہ حالی پانی پتی[3] اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبولِ عام و خاص مسدس میں فرمایا ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر — خدا مہربان ہوگا عرشِ بریں پر

نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا یُرْحَمُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ۔[4] جو کوئی خود رحم نہیں کرتا، اُس پر بھی رحم نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث میں ذوی الارحام (ماں کی طرف رشتہ داروں کو بھی) حصہ دار ٹھہرایا ہے اور اُس کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی کی

---

[1]-[ابن ماجہ، کِتَابُ الزُّھْدِ، بَابُ مَا یُوْحَی مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، حدیث ۴۲۹۷]

[2][ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَۃِ، بَابُ مَا جَاءَ فِی رَحْمَۃِ النَّاسِ، حدیث ۱۹۲۴]

[3] خواجہ الطاف حسین حالی انصاری کی وفات پر راقم نے یہ قطعہ تاریخ تحریر کیا تھا: سال وفات مظہر حق حالیِ بزرگسلمان سروش غیب بمن گفت یاد دار چوں سیز دہ زیادہ دوم میکنی شمار (۱۳ صفر) سہ بار سہ نویس و بیک باریک نگار (۱۳۳۳ھ)

[4] [بخاری و مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ۔ دیکھیے: بخاری، کِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ رَحْمَۃِ النَّاسِ وَالْبَھَائِمِ، ح ۶۰۱۳۔ مسلم، کِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَابُ رَحْمَتِہٖ ﷺ الصِّبْیَانَ وَالْعِیَالَ وَتَوَاضُعِہٖ، ح ۴۲۸۲۔]

زبان سے کر دی ہے: الرَّحِمُ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔[1] رحم تو رحمن سے نکلا ہے۔ جو کوئی اپنے ہاں کی قرابتِ رحم کو نہیں جوڑتا وہ رحمن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔

۴- وہ جَبَّار ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں جبار کے معنی وہ نہیں جو عوام نے سمجھے اور جبر کو ظلم وستم کا مترادف خیال کیا، بلکہ جبار کے معنی ہیں، شکستہ دلوں کی شکستگی کو دُور کرنے والا، دکھیاؤں کے درد دکھ کو توڑنے والا۔

۵- قَهَّار ہے۔ یہاں بھی قہر بمعنی غیظ وغضب نہیں، بلکہ قہر کے معنی حکومت ہیں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔

۶- وہ بَرّ ہے۔ بہترین سلوک کرنے والا، احسان فرمانے والا ہے۔

۷- وہ مُجِيْبٌ ہے۔ بندوں کی دعا پر ارتھنا کو قبول فرماتا ہے۔

۸- وہ رَقِيْبٌ ہے۔

۹- وہ تَوَّابٌ ہے۔ گنہگاروں کی معذرت قبول فرماتا، تازہ القاب سے اُن کو خوشی بخشتا ہے۔

۱۰- وہ وَهَّابٌ ہے۔ بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔

۱۱- وہ مُقِيْتٌ ہے۔ روزی رساں۔

۱۲- وہ نُوْرٌ ہے۔ آسمانوں اور زمین کی ضوء وضیاء اسی سے ہے۔ شمس وقمر کو روشنی اُسی سے ملی ہے۔ آنکھوں کو بینائی اُسی نے دی ہے۔ مومن کے دل کا چراغ اُسی کے نور سے روشن ہے۔

۱۳- وہ فَتَّاح ہے۔ انسان سے مصیبتوں کو دُور کرتا ہے، اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔

۱۴- وہ رَؤُوْف ہے۔ گہرا پیار کرنے والا، دل نواز، بندہ پرور۔

---

[1] [بخاری میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إِنَّ الرَّحِمَ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ۔ دیکھیے: كِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ مَنْ وَصَلَ وَصَلَهُ اللهُ، ح۵۵۲۹۔]

۱۵-وہ حَیّ ہے۔ زندہ اور حیات آفرین اور حیات بخش۔

۱۶-وہ قَیُّوم ہے۔ پایندہ اور قیام بخشندہ۔

۱۷-وہ عَفُوّ ہے۔ بار بار معاف فرماتا ہے، معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے۔

۱۸-وہ وَلِیّ ہے۔ ولاء و محبت اس کی ذات میں ہے۔

۱۹-وہ ھَادِیْ ہے۔ سالکانِ راہ کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

۲۰-وہ مُغْنِیْ ہے۔ غنا بخشنے والا، بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا۔

۲۱-وہ مُعْطِیْ ہے۔ اُس کا عطا و نوال بے پایاں ہے۔

۲۲-وہ کَرِیْم ہے۔ دیتا ہے اور معاوضہ کی اُسے ضرورت نہیں۔

۲۳-وہ رَزَّاق ہے۔ جسم اور روح کے قیام کے لیے جیسی خوراک بحر و بر کے رہنے والوں کی ہو اور تحت الثریٰ میں سانس لینے والوں کو ہر ایک کو مناسب غذا عطا فرماتا ہے۔

۲۴-وہ غَفُوْر ہے۔ گناہ و خطا کو چھپا دیتا ہے، دُور کر دیتا ہے۔

اسلام میں اسمائے حسنیٰ کا شمار ۹۹ ہے، جن پر میں نے ایک مستقل کتاب ”شرح اسماء الحسنیٰ“ لکھی ہے۔

[اللہ تعالیٰ کی صفت ود و داور محبت]

ہم نے اس جگہ ۲۴ نام ایسے پیش کر دیے ہیں، جن میں محبت اور آثار محبت کا جلوہ موجود ہے، اس سے آگے:

۲۵-وہ وَدُوْد ہے۔ وُدّ زبانِ عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔

ایک آیت ہے، جس میں رحمت اور وُدّ دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ فرمایا:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔[مریم ۱۹:۹۶] رحمن اُن کے لیے وُد کو مہیا فرمائے گا۔

ایک دوسری آیت میں غفران اور ودود کو جمع فرمایا ہے:

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۔[البروج ۸۵:۱۴]

بعدازاں دیکھو کہ حُب اور اس کے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملے میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کے ساتھ ہونا ثابت فرمادیا ہے:

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ۔[المائدۃ۵:۵۴] سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اُن بندوں سے محبت کرتا ہے۔

[محبت الٰہی کے مستحق لوگ]

بعدازاں صراحت مقصود کے لیے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبت الٰہی کی شائستگی کیسے بندوں کو حاصل ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔[البقرۃ۲:۱۹۵] اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔[المائدۃ۵:۴۲] عدل وانصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔[التوبۃ۹:۷] تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔[البقرۃ۲:۲۲۲] رجوع الی اللہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔[آل عمران۳:۱۴۶] صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔[التوبۃ۹:۱۰۸] پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصافِ احسان اور توبہ اور عدل و قسط، تقویٰ اور صبر اور طہارت کا اپنے اندر جمع کرلینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

[محبت الٰہی سے محروم لوگ]

چند آیات مبارک میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں، جن کو محبت الٰہی حاصل نہیں ہوسکتی:

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔[النساء۴:۱۴۸] برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔[البقرۃ۲:۱۹۰] حدود الٰہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔[النساء ۴:۳۶] اللہ تعالیٰ حیلہ باز، اِترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ۔[الانفال۸:۵۸] خیانت کرنے والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔[الحج۲۲:۳۸] خیانت کرنے والے احسان کو ملیامیٹ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ۔[القصص۲۸:۷۶] شیخی باز، اِترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔[القصص۲۸:۷۷] فساد اُٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔[الروم۳۰:۴۵] کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔[الاعراف۷:۳۱] اسراف کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔[الشوریٰ۴۲:۴۰] ظلم کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوئے: کہ برائی کی اشاعت کرنا آئین شکنی، حیلہ بازی، عیاری، خیانت، ناشکری، احسان فراموشی، اِترانا، غرور، فساد انگیزی، کفر، اسراف، ظلم، وہ اخلاق ذمیمہ ہیں جن کے ارتکاب سے انسان محبت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے کہ اسلام دین محبت ہے۔

[محبت اور احادیث رسول ﷺ]

اب سیدنا و مولانا نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو:

۱-لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا۔[1] جب تک ایمان نہیں، تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔ جب [تک] آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔

۲-مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ تَدَاعٰى لَهٗ سَآئِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔[2] آپس کی محبت، آپس کے پیار و آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جو چند اعضاء سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے، تب سارے جسم کے سارے اعضا بے خوابی و تپ و بے تابی میں اُس کا ساتھ دیتے ہیں۔

غور کرو یہاں تواد، تراحم اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ تواد بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی و خیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو دوست کی غرض و مقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔

تراحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمہارے دل میں ہو۔

تعاطف یہ [ہے] کہ ایک دکھ میں ہے تو اُس کا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام اٹکا ہوا ہے تو دوسرا اس کی تدابیر میں لگا ہوا ہے۔

۳-إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ لَأُنَاسًا مَّا هُمْ بِأَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِمَكَانِهِمْ مِنَ اللهِ تَعَالٰى۔ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللهِ عَلٰى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللهِ إِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَّإِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَّا يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ۔ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

---

[1] رواہ مسلم وابوداؤد و ترمذی عن ابی ہریرہ [مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ، ح ۱۹۴۔ ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ إِفْشَاءِ السَّلَامِ، ح ۵۱۹۳۔ ترمذی، أَبْوَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ، ح ۲۶۸۸]

[2] رواہ البخاری والمسلم عن النعمان بن بشیر [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ، ح ۶۰۱۱۔ مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ، ح ۶۵۸۶]

يَحْزَنُوْنَ [1] نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بندگانِ خدا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید، لیکن اُن کا درجہ جو اللہ کے ہاں ہے، اس کی وجہ سے نبی اور شہید بھی اُن کو چاہت کی نظروں سے دیکھیں گے۔ لوگوں نے پوچھا: حضور! وہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ محبت کرنے والے ہیں جن کی باہمی محبت صرف للّٰہیت پر ہے۔ قرابت یا مال وزر کی داد وستد پر نہیں، ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب سارے لوگ غم واندوہ میں ہوں گے، مگر اُن کو غم۔۔۔ ہوگا، نہ حزن۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے یہ آیت اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔[یونس ۱۰:۶۲] تلاوت فرمائی۔ [یعنی اللہ کے ولی، ان پر نہ حزن ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔]

اس حدیث پر غور کرو کہ ولایت ربانی کو باہمی محبت ایمانی کا ثمرہ فرمایا گیا ہے اور اس محبت کا ثمرہ وہ قرب و تمکین ہے جو بروزِ حشر اُن کو حاصل ہوگی۔

۴-يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ لِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ ۔[2] اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت فرمائے گا: کدھر ہیں وہ، جن کی باہمی محبت صرف میرے لیے تھی۔ میں آج اُن کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ والدین کا سایہ کیسے ناز و تنعم کا موجب ہوتا ہے اور کسی مہربان حکمران کا سایہ کتنے اقبال و دولت کا ضامن ہوتا ہے۔ اسی پر الٰہی سایہ کی وقعت و قدر و منزلت کا قیاس کرلو۔ اگرچہ ہم اُن نعمتوں کا قیاس کر ہی نہیں سکتے، جن کو نہ آنکھ نے دیکھا ہے نہ کان نے سُنا ہے اور نہ دل آج تک اس کی ماہیت کو سمجھ سکا ہے۔

---

[1] اخرجہ ابوداؤد عن عمر الفاروق، [ابوداؤد، كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَابٌ فِي الرَّهْنِ، حدیث ۳۵۲۷]

[2] رواہ مسلم ومالک عن ابی ہریرہ، [مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ فَضْلِ الْحُبِّ فِي اللّٰهِ، ح ۶۵۴۸۔ مؤطا امام مالک، كِتَابُ الشِّعْرِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَحَابِّينَ فِي اللّٰهِ، ح ۱۵۰۰]

۵- وَيَقُوْلُ اللهُ تعالىٰ وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔[1] (نبی ﷺ نے بتایا) کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت اُن اشخاص کے لیے واجب اور ضروری ہوگئی ہے (۱) جن کی محبت میرے لیے ہے (۲) جن کا آپس میں مل بیٹھنا میرے لیے ہے (۳) جو میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں (۴) جو میرے لیے بذل وصرف کرتے ہیں۔

[محبت کے اثرات اور تقاضے]

محبت کے آثار و موجبات بھی نبی ﷺ ہی نے بیان فرمادیے۔ فرمایا:

۱- اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَظْلِمُهٗ۔ وَاِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَّاٰى اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ۔[2] مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ وہ نہ اُسے رسوا کرے نہ جھٹلائے، نہ ظلم کرے۔ تم ایک دوسرے کے لیے مثل آئینہ ہو۔ اگر اپنے بھائی میں کوئی تکلیف دہ بات دیکھو تو اسے دُور کرو۔

۲- مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[3] جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بچایا اللہ تعالیٰ اُس کے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔

۳- مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ فِي الدُّنْيَا

---

[1] اخرجہ مالک عن ابی ادریس الخولانی عن معاذ بن جبل، [دیکھیے: كِتَابُ الشِّعْرِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَحَابِّيْنَ فِي اللهِ، ح۱۵۰۳]

[2] رواہ الترمذی عن ابی ہریرہ۔ [ترمذی: أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ، ح۱۹۲۷، ۱۹۲۹]

[3] أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ [أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبِّ عَنْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ، ح۱۹۳۱۔ حدیث کے متن میں ذَبَّ کی جگہ رَدَّ کا لفظ آیا ہے۔ (مدوّن)]

وَالْاٰخِرَةِ۔ واللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔[1] جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دُور کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اُس سے دور کرے گا۔ جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، اللہ دنیا و آخرت کے معاملات آسان فرمائے گا۔ جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی، اللہ اس کے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

[لفظ محبت کی معنوی گہرائی]

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ لفظ محبت کو عربی زبان نے معنی محبت کے لیے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حَبَّبَ الماءُ۔ پانی نتھر گیا۔ حَبَّ الْبَعِيْرُ اُونٹ زانو جما کر بیٹھ گیا۔ حباب بلندی سے ملی ہوئی پاکیزگی۔ حَبّ وہ دانہ جو رزقِ انسانی بناتا ہے اور مایہ حیات بشر سمجھا جاتا ہے۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفائی و پاکیزگی، بلندی و استقراء اور سبب حیات کے معنی میں مسلم ہو گیا، تب اسے اقوی المحرکات یعنی ضمہ سے اور زیادہ قوی بنایا اور لفظ حب کو مادہ محبت قرار دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کر دے، ورنہ کم از کم الفاظ پریم یا لو (Love) کی ترکیب لغوی ہی کے اندر اتنے دقیق معانی کا ہونا، جو ہم نے لفظ حُبّ کے اندر واضح کیے ہیں، ثابت کرے۔ الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین محبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور ہو رہا ہے۔

---

[1] الحدیث، مسلم و ابوداؤد و ترمذی عن ابی ہریرہ، [مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، ح ٦٨٥٣۔ ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابٌ فِي الْمَعْرِفَةِ لِلْمُسْلِمِ، ح ٤٩٤٦۔ ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، ح ١٩٣٠]

فصل یازدہم (۱۱)

[اسلام، مساوات کا بانی]

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے۔

مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک غدار بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک ناقابل و ناکارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا کرنا تو حقوقِ انسانیت اور حقوقِ اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اُسی ملک یا اُسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

[سلطنت برطانیہ میں مساوات کا حال]

برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ، ویلز، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ شامل ہیں، لیکن کسی آئرش کو پرائم منسٹر ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں۔ پراٹسٹنٹ اور کیتھولک، مگر آج تک کسی کیتھولیکی کو پرائم منسٹری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

۱۹۴۷ء تک ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ کنگ امپیرر کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص مراعات، قوانینِ عدالت سے بالکل علیحدہ تھیں۔ انتخابِ ممبرانِ پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس دہندگان کے حقوق اُن سے زائد ہیں، جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مالِ تجارت بھیجے جانے کے قواعد اور محاصل کی شرح بالکل الگ الگ تھی۔ پھر حقوق کے اندر تفاوت، خود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے۔ دیسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجا اور قبرستان الگ الگ ہیں۔ علیٰ ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورپین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اُس ملک سے جو خداوند مسیح کا زادبوم ہے، کوئی دیسی پوپ نہیں بنایا گیا۔

لارڈ بشپ آف کنٹربری بھی ہندوستان یا کسی دوسری کالونی کا باشندہ نہیں مقرر ہوا۔ ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے انھی امور پر نظر غور ڈالی ہے اور عدمِ مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدتِ اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کی، وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

[اسلامی مساوات کے شاندار نمونے]

۱- برامکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد انھی کا خاندان ہارون رشید کی وزارتِ عظمیٰ پر تمکنِ تام رکھتا تھا۔

۲- رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد، زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔

۳- یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔

۴- عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں، جس کی پیروی سپہ سالار پر فرض ہے۔ سلطنتِ بغداد، سلطنت ہندوستان، سلطنت مصر میں اہل السنت بادشاہوں کے وزرائے اعظم اور گورنرانِ صوبہ جات اہلِ شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

۵- تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

۶- مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

۷- ثبوت مساوات میں عمر فاروقؓ کے سفر شام کا قصہ زبان زد و مشہور تر ہے کہ اُونٹ پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے، کیوں کہ پچھلی نشست پر اُن کا زادِ راہ، ستُو (غلام و خلیفہ کے لیے) اور کھجور کی گٹھلیاں (اُونٹ کے لیے) لدی ہوئی تھیں۔ جس وقت آخری منزل پر

اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج مع سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے اِستادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تزک واحتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے، اُس وقت ان تماشائیوں نے دیکھا کہ گردِ راہ سے ایک اونٹ [نمایاں ہوا۔ سپہ سالار] اور افسروں کا اُس کے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشائیوں کے لیے نہایت تعجب خیز تھا۔ اُن میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اس اُونٹ پر سوار ہے؟ غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا: نہیں، وہ نہیں۔ ہمارا خلیفہ امیر المومنین تو وہ ہے جو اس اُونٹ کی مہار پکڑے پاپیادہ آرہا ہے، سوار تو اُن کا غلام ہے۔

۸- اس قصہ سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ تر شاندار یہ واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ ایک ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا۔ دو سوار ہو جاتے ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی ﷺ کی سواری میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان ومال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف وعزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہوں اور دوسرے لوگ (جن کی نوبت تھی) اُونٹوں پر سوار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول اس موقع پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا اور اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کا نورانی نظارہ جلوہ آرا تھا۔ اگر حضور ﷺ ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو فاروقؓ اور غلام والی کہانی بھی اوراقِ تاریخ میں نظر نہ آتی۔

۹- سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی اس صورت میں ہوتا ہے جب حسب ونسب میں مفتخر ومعزز شخص کو اپنی بیٹی کا پیوند ایسے مرد سے کرنا پڑے جو اوصاف بالا میں اُس سے کم تر ہو، مگر اسلام میں ایسے نمونے بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قُرشیہ نبی کریم ﷺ کی

سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح اوّل زید بن حارثہؓ سے ہوا تھا، جن کو اہلِ مکہ زر خرید غلام جانتے تھے اور جن کو بازارِ عکاظ سے خرید کر لانے والا حکیم بن حزام ابھی موجود تھا۔ (یہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ کے خواہر زادہ ہیں۔)

۱۰- فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قُرشیہ حضرت ابوحذیفہ کی برادر زادی ہیں اور قریش کی مشہور ترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ اُن کا نکاح ابوحذیفہ کے غلام سالم سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قریشی عورتوں کی ہیں۔

۱۱- اب اہلِ مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبد مناف قرشی کی شانِ بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ انھوں نے یثرب میں لیلیٰ سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی۔ اس تکبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلالؓ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، حبشی بھی ہوں، بے زر و مال ہوں اور باایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں، کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے؟ اُن کے اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں کی درخواست تھی کہ بلال اُن کے ہاں اپنا پیوند منظور کریں۔

۱۲- اسامہ بن زید اہلِ دنیا کی نگاہ میں غلام بن غلام تھے، مگر اسلام نے اُس کی شان کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ زینب بنت حنظلہ اُن کی بیوی تھی۔ یہ زینب اس بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امرءالقیس اس کے جدامجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اسی کی پوتی اسامہ کی کفش برداری پر نازاں ہے۔

۱۳- امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کا ایک واقعہ اُن کے زمانِ خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے۔ غلام سے فرمایا، میں نے بھی کپڑے بنوانے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دکان پر میرے لیے اور اپنے لیے پارچات پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے، امیر المومنین کے لیے۔ کچھ سستے کپڑے پسند کیے، اپنے لیے۔ وہ خرید کر لیے

گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لیے اور قیمتی پارچات کی بابت فرمایا کہ یہ غلام کے لیے قطع کر دو۔ غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المومنین ہیں، آپ کو اچھا لباس چاہیے۔ فرمایا: میں بڈھا ہوں، تم جوان ہو، تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

۱۴- حضرت ابوذرؓ کا ذکر ہے کہ ایک بار اُنھوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہہ دیا، او حبشن کے بچے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی) کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔[1] ایک دوسرے موقع کا ذکر ہے کہ اُنھوں نے غلام کو مارا۔ نبی ﷺ موقع پر آ گئے۔ فرمایا: ابوذر! جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذر زمین پر گر پڑے، غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری یہ نخوت نکل جائے۔[2]

۱۵- جنگِ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے۔ ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی ﷺ نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اُس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ اُنھوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا۔ فرمایا: میں موجود ہوں، وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کُرتہ نہ تھا۔ حضور ﷺ نے کُرتہ اُٹھا لیا تو اُس نے بڑھ کر

---

[1] [مسلم، كِتَابُ الْأَيْمَانِ، بَابُ إِطْعَامِ الْمَمْلُوكِ مِمَّا يَأْكُلُ، ح۴۳۱۳۔ شعب الایمان للبیہقی کے مطابق حضرت ابوذرؓ کا یہ واقعہ حضرت بلالؓ کے ساتھ پیش آتا تھا۔ دیکھیے: الرَّابِعُ وَالثَّلَاثُونَ مِنْ شُعَبِ الْإِيمَانِ، وَهُوَ بَابٌ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، فَصْلٌ: وَمِمَّا يَجِبُ حِفْظُ اللِّسَانِ مِنْهُ الْفَخْرُ بِالْآبَاءِ.]

[2] [اس طرح کا ایک واقع کئی کتب حدیث میں حضرت ابو مسعود انصاری بدریؓ کے بارے میں منقول ہے، مگر اس میں چہرے پر پاؤں رکھوانے کے بجائے اُن کو آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ دیکھیے: مسلم، كِتَابُ الْأَيْمَانِ، بَابُ صُحْبَةِ الْمَمَالِيكِ وَكَفَّارَةِ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ، ح۳۱۳۶ وغیرہ]

جسدِ نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔[1]

اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کیوں کر ایک ادنیٰ اُمتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جسدِ مبارک کو آمادۂ آزار و گزند بنانے پر بطیبِ خاطر رضامند نظر آتے ہیں۔ یہی مساوات حقیقی ہے۔ اس مساوات کی حمایت و حفاظت کے لیے علمبردارانِ اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کے لیے رضامند ہو جاتے تھے، مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

۱۶- جبلہ ابن ایہم سلطنتِ غسّان کا شہزادہ تھا، عیسائیت چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخلِ [اسلام] ہوا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ ہمیشہ اُس کی عزت فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طوافِ کعبہ کر رہا تھا، اُس کے شاہانہ چوغہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آرہا تھا، اُس کا پاؤں دامنِ چوغہ پر پڑ گیا۔ جب اُس نے لوٹ کر دیکھا تو اُسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا جو مستانہ و لااُبالانہ حالت میں مصروفِ طواف ہے۔ اُس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادہ کو اور بھی زیادہ غصہ آیا، لوٹ کر ایک تھپڑ اُس کے رخسار پر لگا دیا۔ بدوی نے امیر المومنین کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جب طلب ہوا [تو] شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے۔ اگر میں نے ایک طمانچہ اس کے لگا بھی دیا تو کیا ہوا؟ امیر المومنین نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں۔ یا تو اُسے رضامند کرو، ورنہ بدلہ دینا پڑے گا۔ اُس نے کہا کہ ایک دن کی مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ جبلہ شباشب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ اُس کے نزدیک اسلام میں سب

---

[1] [مَعْرِفَةُ الصَّحَابَةِ لِأَبِي نُعَيْمٍ، بَابُ السِّينِ، فَصْلُ مَنِ اسْمُهُ سُفْيَانُ، رقم ۳۱۳۳]

سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور کنوار کی وقعت برابر برابر ہے، مگر امیر المومنین اس وصف پر مفتخر تھے کہ عدالت میں ایک ذرۂ خاک راہ اور ایک کوکبِ حکومت دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ناظرینِ کتاب ان واقعاتِ صحیحہ کو ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں، مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اُس وقت معلوم ہو گی جب دُنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے گی اور طلب و تجسس بے حساب کے بعد بھی اس کی نظیر ان کو نہ مل سکے گی۔ اسلام میں ایسے نظائر بے شمار ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

۱۷- فاروق رضی اللہ عنہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا۔ کہا: علیؓ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا: ابوالحسن! سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰؓ اُٹھے، دیکھا گیا کہ اُس وقت اُن کے چہرے پر بل تھا۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا۔ مدعی جھوٹا تھا وہ چلا گیا تو پھر وہی جلسہ مصادقت جم گیا۔ فاروقؓ نے کہا: میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰؓ نے فرمایا: ضرور پوچھو۔ کہا: جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا، اُس وقت آپ چیں بہ جبیں کیوں تھے؟ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو برا سمجھا تھا؟ فرمایا: نہیں، یہ بات نہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابوالحسنؓ کہہ کر کھڑا ہونے کو کہا تھا۔ کنیت سے پکارنا شانِ عزت ہے۔ میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کو مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے، اسی لیے مدعی کے مقابلے میں اُسے بالفاظِ عزت مخاطب کیا گیا ہے۔ اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا۔

۱۸- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بلند ترین طبقہ کے ہیں۔ جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ اُن کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا: اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیامِ امن کے بعد اور دیدہ و دانستہ تھا تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ تم میری بھی ایک آنکھ پھوڑ ڈالو۔ یہ فیصلہ سن کر سب لوگ شانتی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں بہ آواز بلند پکاروں اور دنیا کو بتاؤں کہ مساوات اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل دوازدہم (۱۲)

[اسلام، جمہوریت کا بانی]

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا۔

انجیل متی میں مسیحؑ کا مشہور قول یہ ہے، جو چیز قیصر کی ہے، قیصر کو دو۔ [۲۲:۲۱] مسیحؑ نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے اور رعایا کا کوئی حق مالگزاری کی ادائی کے سوا معین نہیں فرمایا۔ یجر وید اور سام وید کو پڑھ جایئے، اُس میں راجاہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اُسی کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں۔ نوعی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔

[اسلام اور شوریٰ]

اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ۔ [الشوریٰ ۴۲:۳۸] اُن کے اُمورِ سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے۔

ہر چہار خلفائے راشدین مہدیین کا جس طرح انتخاب ہوا، ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقاریر آزادانہ ہوئیں، انصار یا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں، خود قریش کے اندر راجح و مرجوح اور اُس کی وجوہات کی بحثیں، ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا، آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ راؤں کا شمار ہوا اور بہترین اشخاص میں سے جس کی نسبت آراء کا غلبہ ہوا، اُسی کو اہتمامِ سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصار اوّلین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے دیگر مسلموں کی دوسری کونسل مقرر کی گئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا۔ جو محصول لگایا جاتا اُس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔ ذمہ دار افسروں کے تقرر کے وقت، کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے

متعلق، مثلاً ابو بکر صدیقؓ کا لشکرِ اسلام کو روانہ کرنا، عراق و شام و مصر پر اقدام خالد و ابو عبیدہ کی سپہ سالاری ذوالنورینؓ کے عہد میں عمرو بن عاصؓ کی جانشینی پر عام مشورہ لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا۔ مثلاً عمر فاروقؓ کا جنگِ ایران اور جنگِ رُوم میں خود جانے پر۔

خلیفہ کو مقررہ وظیفہ ملتا تھا اور وظیفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے پر کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ عمر فاروقؓ صرف بدریوں کا وظیفہ لیتے تھے۔

خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصولِ حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا (صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبات)

خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جواب دِہ سمجھا جاتا تھا اور بارہا اسے جوابدہی کرنی پڑتی (فاروق رضی اللہ عنہ و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں۔)

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے، لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں کے بعد کی ہے۔ آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرزِ حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے۔ اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔

[ویٹو پاور کا خاتمہ]

شوریٰ سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی کریم ﷺ کے لیے ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔[آل عمران ۳:۱۵۹] اُمورِ سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجیے۔

وہ نبی جو متبوعِ کل اور سیدِ عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرع ہے، جس کا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا، اُسے مشورہ کا حکم دیا گیا، تاکہ کوئی شخص بھی (تقدس اور کمال کی بنیاد پر) اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہدِ نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درجِ ذیل ہے:

۱- حدیبیہ سے مکہ کے لیے سفیر کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت پر طے ہوا۔

۲- میدانِ اُحد کو جنگ کے لیے انتخاب کرنے کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور اسی اصول پر طے ہوا۔ رئیس المنافقین اُبی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اُس کی رائے کی، بمقابلہ کثرت آرا کوئی وقعت نہ کی گئی۔

۳- جنگ آورانِ احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سردارانِ انصار، سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور انھی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔

۴- طائف سے محاصرہ اُٹھائے جانے کو سردارانِ فوج کے سامنے پیش کیا گیا، اور تب ہی یہ محاصرہ اٹھایا گیا جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔

۵- اسیرانِ بدر سے سلوک کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت کے بعد ہی طے ہوا۔

۶- عدالت کا اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاۃ) بالکل آزاد اور خود مختار ہوتا تھا۔ اس پر سلطنت کا رُعب یا سلطان کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ تھا۔

آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور انھی اصول کو سلطنت و حکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ اسلام کی خصوصیات سے ہے کہ اس نے جملہ اقوامِ عالم کو اس اصول سے رُوشناس کیا اور اس اصول کی برکات سے متمتع بنایا۔

فصل سیز دہم (۱۳)

[اسلام، قومیت سے بالاتر ہے]

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے۔

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ اُن کے دائرۂ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی: (۱) نسل (۲) زبان (۳) رنگت۔

[قومی امتیاز کی تین بنیادیں]

۱- بلحاظ نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں، چھتری، ویش، شودر، چنڈال لوگوں پر رہے ہیں، یا جو حقوق بنی اسرائیلیوں میں بنی لاوی کے لیے خاص ہیں یا جو حقوقِ سلطنت اولادِ یعقوبؑ میں بنی یہوداہ کے لیے مختص رہے ہیں، عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلّمہ ہے۔

۲- ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ السنۂ دیگر رہی ہے، سنسکرت کا غلبہ پراکت اور تامل وغیرہ زبانوں پر، عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لیٹن کا غلبہ یورپ کی زبانوں پر، انگریزی کا اِس وقت غلبہ اُن سب زبانوں پر جو برطانوی جھنڈے کے تلے آباد ہیں، فارسی کا غلبہ اُس وقت کا جب ہندوستان وکابل وخراسان وترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی، عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اُس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلے میں سب کو عجمی (گونگے) کہا کرتے تھے۔ [ہر زبان کا دوسری زبانوں پر غلبہ] اپنے اپنے ادوار میں رہا ہے اور اسی اتحادِ زبان یا اختلافِ زبان پر حقوقِ انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

۳- سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسی رنگ یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ انسانوں کے حقوق ومناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا

دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو جو سلوک کیے ہیں، تاریخ عالم ان واقعات پر اب تک لہو کے آنسو بہا رہی ہے۔

[ان بنیادوں کا انہدام]

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے، ان ہر سہ امتیازات کی دیواروں کو مٹایا، پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

۱-امتیاز نسل کے متعلق فرمایا:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۔[السجدۃ۸-۷:۳۲]

انسان اوّلین بشر کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔

مختصراً افرادِ انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نہ تو وہ خود نسلی امتیاز کا حق دار ہے اور نہ سب انسانوں کے باوا جان ہی تھے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔ [الحجرات۱۳:۴۹] سب انسانوں میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

۲، ۳-زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرما دیا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۔ [الروم ۲۲:۳۰] بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے نشان ہیں۔ لیجیے اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑا نہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلافِ نسل ہے نہ اختلافِ زبان ہے، نہ اختلافِ رنگ ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد خدا شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بارے میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و رضوانِ الٰہی کے جس دروازے سے چاہے اُس سے داخل ہو جائے۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

فصل چہار دہم (۱۴)

[اپنے مرکزِ اوّل میں اب تک قیام]

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے۔

[دیگر مذاہب اپنے مراکزِ اوّل سے محروم]

زرتشتؔ بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے انھوں نے پند و انذار شروع کیا تھا۔ بدھؔ گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے، جہاں اُنھوں نے سخت ریاضت برداشت کی تھی، جہاں اُنھوں نے اپنے اصول پر پہلی تقریر کی تھی۔ وہؔ وادی اور میدان جہاں رشیوں نے وید کی شرتیوں کے درشن پائے تھے۔ وہؔ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰؑ اور یوشع بن نونؑ کے معجزات و فتوحات کا تعلق ہے۔ وہؔ داؤدؑ و سلیمانؑ کے مستقر خلافت، جہاں اسباط اثنا عشر نے حکومت کی تھی۔ وہؔ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی سنگھتیں بیٹھیں۔

غرض مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن آج اغیار کی حکومت میں ہیں اور ان مقامات پر تو اُن مذاہب کا اصلی نشان بالکل نابود اور بے نشان ہو چکا ہے اور یا دیگر مذاہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں اُن کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے، اور اس اصلی مذہب کو اُس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں۔

اصطخر اور بلخ، نیپال کی ترائی اور بنارس آریہ ورت (پنجاب و یو-پی کا حصہ کثیر) آبو، الموڑہ، جگن ناتھ جی، اورست نرائن، گنگا و جمنا وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ تاکہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کے ساتھ آپ حجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت ہادیِ اسلام کے ساتھ

ہے، آج تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں ہے اور آغازِ اسلام سے لے کر آج تک ملک کے اس تاریخی مقام پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

[کسی ملک پر قبضۂ اغیار کے اثرات]

قبضۂ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نامعلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور مآثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس اُن کے پاک نوشتے موجود نہیں رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ ہوا ہوتا اور طوائف الملوکی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ویران کر دیا ہوتا، گو اُردشیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے پاس نوشتوں کی فراہمی سے (تین صدی قبل از اسلام) مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیاپٹیرا کے عہد میں سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانہ جات کبھی تباہ نہ ہوتے۔

اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا تو اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ ہر گز ہر گز آتشِ تعصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم پر پابندی کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کیے ہوتے اور راجہ اشوک اور اُس کے جانشینوں نے سختی کے ساتھ سنسکرت اُپدیشوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پر سے وید کی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو گم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرنجان مرنج اصول والوں نے نہ کی ہوتی تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہابھارت جیسی کتاب میں بیس ہزار اشلوک غیر اصلی ہیں۔ منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیانند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا ہے کہ کون کون سی عبارت وضعی و غیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہم نے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضہ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

[اسلام کی، ان اثرات سے حفاظت]

اسلام کو دیکھیے کہ مکہ و مدینہ اور اُس کے حوالی واطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدمِ اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ وہاں کی وہی زبان ہے جو پیارے مکی مدنی ﷺ کی تھی، وہاں کا وہی تمدن ہے جو مقدس رسول ﷺ کا تھا، وہی کتاب ہے جو نبی امی کی تھی۔

قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرۂ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کی جڑ قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ [ابراھیم ۱۴:۲۴] کی صورت وحالت آج تک اسلام ہی پر صادق وثابت ہے اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے۔ اس آیت کی کچھ تفسیر اسی کتاب کے باب خصائص قرآن مجید میں دوسری جگہ درج ہے۔

فصل پانزدہم (۱۵)

[اسلام اور تمدُّن]

اسلام ہی دین تمدن ہے۔

فطرتِ انسانی کا راز جاننے والا، حاجاتِ انسانی کے انجاح کی راہ بتانے والا تسلیم کرے گا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیوں کر مدنیت کو روحانیت کا مدمقابل بنایا اور تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے۔

[مذاہب قدیمہ کی تمدن سے دوری]

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم اپنی نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا اور جنگلوں میں رہ کر سخت سے سخت ریاضتوں کا متحمل بنتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اس بیدار دل نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا؟

جب ہم ویدبیاس جی کو آبادی سے نفور اور مادر و پدر سے دُور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے واجباتِ تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا؟

جب ہم انجیل میں وہ مکالمہ پڑھتے ہیں جس میں خدا کی راہ میں خصی بننے کا ذکر ہے تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ اُنھوں نے آدم و حوا کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا؟

جب ہم روما کے آسمانی گرجا کے سایہ میں لاکھوں منک اور نن [راہبوں اور راہباؤں] کو فرائض نسلی سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ اُنھوں نے خدا کے حکم ''انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا'' کی صحیح تعمیل کی ہے؟

جب آریہ ورت کے جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں، کوہستان کی چوٹیوں پر ایسے گرہستیوں کو دیکھتے ہیں جن کی عمر کے آخری حصہ میں منوسمرتی نے گھروں سے باہر رہنے کا حکم دیا ہے اور جو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر

مجبور کر دیے گئے ہیں، جو ضعیفی و پیری اور لاچاری و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق و غم گسار قریب قریب نہیں پاتے، تو کیا قرار دے سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے؟

جب ہم رشیوں، جوگیوں، سنیاسیوں، منیوں، بیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے، جٹیں لٹکائے، آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے؟

جب ہم سیکڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو ایک پتھر کی مورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسلِ انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقننین نے آبادی عالم کا سب سے بڑا گردر یافت کر لیا تھا؟

میرے دوستو! یہ سب کرشمے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا اور نہ اُس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دُور کر دیتا ہے، جملہ ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے، تمام ناروا ستم اور جور و جفا دُور کر دیتا ہے، جو مدنیت اور انسانیت کو ترقی کے [محمل] میں سوار کر دیتا ہے، جو بجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف و سفید روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتاتا ہے: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا ۔ [الحدید ۵۷:۲۷] ترکِ تمدن محض بدعت ہے۔

[اسلام کے اُصولِ تمدن]

عورتوں کے حقوق: اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور اُن کے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ۔ [البقرۃ ۲:۲۲۸] عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔

بچوں کے حقوق: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۳۱] تنگدستی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔

والدین کے حقوق: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۲۳] ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔

حکومت کے حقوق: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ [النساء ۴:۵۹] اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرماں برداری کرو۔

اقسامِ تعاون: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ [المائدۃ ۵:۲] نیکی اور خداترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

عدمِ تعاون کی اقسام: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ [المائدۃ ۵:۲] گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔

ایفائے معاہدات کا حکم: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔ [المائدۃ ۵:۱] اے ایمان والو! سب قراردادوں کو پورا کیا کرو۔

عداوتِ قومی کے ہو جانے کی حالت میں بھی عدل کا لزوم اور بے انصافی کی نہی: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ [المائدۃ ۵:۸] کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم اُن سے عدل نہ کرو، ہاں عدل ہی کرو، ایسا کرنا ہی خداترسی کے لیے قریب تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خداترسی پر قائم رہو۔

معاہد غیر مسلم اور غیر معاہد مسلم میں معاہد غیر مسلم کی رعایت اور نیوٹرل (غیر جانب دار) رہنے کی ہدایت: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ۔ [الانفال ۸:۷۲] (الف) جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے انھوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا۔ (ب) جنھوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔

یہ دونوں [گروہ، ایک دوسرے] کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ۔ [الانفال ۸:۷۲]

(ج) جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، تم کو اُن کی ولایت کچھ بھی نہیں، جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔ [البقرۃ ۲:۲۰۵] اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ۔ [القصص ۲۸:۷۷] دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔

خلافت راشدہ کی علامت: وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ [النور ۲۴:۵۵] خوف جاتا رہے گا اور امن اُس کی جگہ سنبھال لے گا۔

حقوق کی ادائیگی کی تاکید: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ۔ [الروم ۳۰:۳۸] قرابت داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرے۔

عبادالرحمن کی صفاتِ حسنہ حقوقِ تمدن کے متعلق: (الف) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ [الفرقان ۲۵:۶۳] رحمن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں اور جب جاہل اُن سے بات کرتے ہیں تو یہ اُن کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔

(ب) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ [الفرقان ۲۵:۶۷] رحمن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے، بلکہ درمیانی راہ پر قائم رہتے ہیں۔

(ج) وَلَا يَزْنُوْنَ۔ [الفرقان ۲۵:۶۸] رحمن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔

(د) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ۔ [الفرقان ۲۵:۷۲] رحمن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔

سچی شہادت کے ادا کرنے کی فرضیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ۔ [النساء ۴:۱۳۵] اے ایمان والو! انصاف پر قیام کرنے

والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمہاری وہ شہادت خود تمہارے خلاف ہو، تمہارے والدین اور نہایت قریبیوں کے خلاف ہی ہو۔

اخفائے شہادت کی حُرمت: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔ [البقرۃ۲:۲۸۳] شہادت کو مت چھپاؤ، جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے اُس کا دل بھی گناہ گار ہو جاتا ہے۔ یہ ضمیر کو گندہ کرتا ہے۔

ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے فوائدِ تمدن اور حفاظتِ تمدن اور قیامِ تمدن کے لیے کیسے اصولی احکام دیے ہیں اور یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اُس نے روحانیات کے ساتھ ساتھ مدنیات کی تعلیم پر بھی پورا زور دیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم، اللہ کا سچا بندہ، اہلِ دین کا کامل ہمدرد، والدین کا سعادت مند فرزند، تمدن کا پورا محافظ، اچھا شہری، وفادار، راست گو، صلح پسند، فساد کا دشمن، نسلِ انسانی کا دوست دار ہو۔

فصل شانزدہم (۱۶)

[اسلام کی فیض رسانی]

اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوامِ عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کیے اسلام رحمۃ للعالمین ﷺ کا سکھلایا ہوا دین ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اُس کے احکام جملہ عوالم واقوام کے لیے رحمت ہوں۔ اگر نبی ﷺ کے احکام مختص بہ مسلمین ہوتے تو اُن سے دیگر اقوام کا استفادہ دشوار تھا۔

لیکن تاریخِ عالم کو اُٹھا کر دیکھو کہ جب سے اسلام نے اپنی تعلیم کو عام کیا اور دشمن و دوست کے سامنے یہ دستر خوانِ نعمت بچھا کر سب کو صدائے عام سے پکارا، اُسی وقت سے اُن اقوام نے بھی جو آج تک اسلام سے دُور دُور رہنے کی دعویدار ہیں، اسلام سے متواتر فیوض حاصل کیے۔

[تہذیب پارسی اور اسلام کا فیض]

خدا کا غلط تصور: پارسی عہدِ قدیم سے یزدان کو خالقِ نور، اور اَہرمن کو خالقِ ظلمات تسلیم کرتے تھے اور وہ یزدان کی طرح کسی دوسرے کو اُس کے برابر کا خالق تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔

یزدان واَہرمن کی فوجیں ہمیشہ نبرد آزما رہتیں، جیسا کہ آریہ ورت میں بھی دیوتاؤں اور راکھشوں میں ہمیشہ جنگ اور جدل جاری رہتا تھا، لیکن آج ان ہر دو مقامات میں یزدان کی برتری اَہرمن پر اور دیوتا کی برتری راکھشس پر تسلیم کی جاتی ہے۔

محرمات سے شادی: پارسیوں میں غیر معین وقت سے محرمات ابدیہ کی حدود ٹوٹ چکی تھیں۔ شہنشاہ ایران [دارایوش] کا باپ بہمن تھا، اور یہی بہمن بن اسفندیار اُس کا نانا بھی تھا کیونکہ داراب کی ماں ''ہما'' دخترِ بہمن ہے۔

نہ دربارِ ایران نے اس انوکھے رشتے کو وارثِ تاج و تخت تسلیم کرنے میں چون وچرا کی اور نہ رعایائے ایران نے اس پر کچھ تعجب کا اظہار کیا۔ بلکہ بہمن کے مر جانے پر اُس کا تاج اُس کی بیٹی ہما کے شکم پر رکھ دیا گیا اور دنیا میں اس آنے والے مولود کو خوشی خوشی بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

دارا ابن [دارایوش] جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اُس کے آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اُس کے پاس پہنچ گیا اور اُس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روشنک بنت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابلِ غور ہے کہ "جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا" کے الفاظ دارا نے زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے تھے، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہی ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اُٹھا دیا تھا۔

ایران میں مزدکیہ مذہب اسی لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات ابدیہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ مزدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے۔ ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

[تہذیب ہندی اور اسلام کا فیض]

پنڈت دیانند سرستی نے اپنی کتاب ستیار تھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کانشی جی جیسی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیرا مشہور ہے موجود ہے، اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ نکلتے سورج کی شعاعیں اُن تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اُس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر

ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اُتارتے ہیں اور سننے والے شرم وحیا کی پروانہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سُندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع النظر مورخ بتلائے کہ کیا اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتون سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے؟

[تہذیب رومی اور اسلام کا فیض]

سلطنتِ روما کے ایمفی تھیٹروں کے دل دہلا دینے والے نظارے سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے مجسمے کیا اسلام ہی نے زیرِ خاک نہیں کیے؟

کیا اِن سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اُٹھانے، خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں؟

[آزادی و مساوات کا اسلامی فیض]

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں جو حقوق اپنے لیے خاص ٹھہرا لیے تھے، پطرس اعظم کے جانشین پوپ روما نے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے جن کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا، برہمنوں نے سرگ و نرگ میں مردہ کی جان دھکیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔

سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی، پروٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے بیزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ اُن کی اصلاحات کا زمانہ اشاعتِ اسلام سے پیشتر کا تھا؟ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں

کہ اس آزادی کو حاصل کرنے سے پیشتر اسلام کے علمی اور عملی کارنامے اُن کی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے؟

اِن حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیا میں ترقیِ اذہان اور آزادیٔ احساس اور تمیز، نفع وضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

[تحدیدِ ازواج کا اسلامی فیض]

سو بیویوں والے بادشاہ کو اکلوتا کہنے والے یہودی، ایک ہزار خواتین والے بادشاہ کو خدا جیسا دل رکھنے والا بتانے والے اسرائیلی، سولہ ہزار سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے [اور] کرشن جیو کو سولہ سنگار کہنے والے ہندو، نشانہ بازی میں جیتی ہوئی دروپدی، ایک عورت کو پانچ پانڈوؤں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد زوجات کے متعلق اُن کے خیالات کس قدر ہموار ہو گئے ہیں؟ کیا کوئی شخص اس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ عیسائیت کی تعلیم تعدد ازواج کے بارے میں خاموش ہے اور اُن کا عملی نمونہ اُس آئینی قانون کا نتیجہ ہے جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یورپ نژاد کے لیے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے الفاظ فَوَاحِدَةً ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں۔

[حرمت شراب کا اسلامی فیض]

شراب سے بھرے ہوئے جامِ جَم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جامِ جہاں بتانے والے ایرانی، دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مدھ چڑھانے والے آریہ ورتی، مسیحؑ کے

اوّلین کارنامہ پانی کے مٹکوں کو خمہائے شراب بنادینے کا واقعہ فخر ومباہات کے ساتھ سنانے والے عیسائی، سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو التزاماً شامل کرنے والے پولوسی، میدان ہائے جنگ کو بادۂ آتشیں سے گرمانے والے اطالین اور عرب اور افریقی، کلوپیٹرا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے رومی، کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں، جو حُرمت شراب کی صورت میں اُس نے جملہ اقوام وادیان پر عام کیا؟ نہیں! ہر گز نہیں! اسلام ہی نے شراب کو ''اُم الخبائث'' کالقب دیا۔ اسلام ہی نے اُسے روحانیت کا دشمن بتایا۔ اسلام ہی نے اُسے شرارت انگیز وعداوت خیز بتایا۔ اسلام ہی نے اُسے شیطان ابلیس اور راکھشس (اہرمن) کا عمل بتایا۔

جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں انگلستان اور روس اور امریکا کو یکے بعد دیگرے مجبوراً اُسے ترک کرنا پڑا۔ کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیوض نہیں؟

[سلطنتِ جمہور کا اسلامی فیض]

بھارت اعظم کی اولاد میں مہاراجگی کو خاص کرنے والے اور اسی دُھن میں کورو چھیتر کی خوں آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی)، کیانِ ایران کو شایانِ خسروی بتانے والے اور اسی لیے تاتار اور یونان اور بابل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے (پارسی)، خاندان ''چُو'' کو فرزندانِ آسمانی کہنے والے اور دنیا کو ایک ثلث رعایا اور اُن کے دیوتاؤں سے بھی اُوپر ہو کر سیاہ وسفید کرنے والے (چینی)، یورپ پر تفوق اور غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان کو نوعِ انسانی پر فرماں دہی کا چارٹر رکھنے والے (فرنچ) غور کریں کہ اسلام کے حکم وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔[آل عمران ۳:۱۵۹] اور وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۔[الشوریٰ ۴۲:۳۸] نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا۔ اُن کو تحفظ نوعی وجنسی اور تعاونِ افرادی وقومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے اور اسی لیے وہ ''اماں پارلیمنٹ'' کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ درست، لیکن کیا اُس کی قدامت

قرآنِ مجید کے اس حکمِ محکم سے بھی قدیم تر ہے؟! اور اگر نہیں، اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہر گز نہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیوض سے مستفیض اور اُسی کے خوانِ کرم کے نمک خوار ہیں۔

[تثلیث اور اسلام کا فیضِ توحید]

برہما، بشن، مہیش کا ترسول بلند کرنے والے (آریہ ورتی)، خدا، عقلِ کل و نفسِ کلّی کی حکومت ماننے والے (افلاطونی)، باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس کہنے والے (انگلش چرچ)، باپ خدا، بیٹا خدا، جان (لچیسی) ماننے والے (رشین چرچ)، باپ خدا، بیٹا خدا، مریم کو اقانیم کہنے والے (قدیم یونانی)، پرماتما، آتما اور پرانوں کو قدیم جاننے والے (آریہ) دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی تثلیث کے پھیلانے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلۂ توحید کی برتری کے اقراری ہیں اور عقیدۂ توحید پر فخر کرتے ہیں اور اپنی اپنی تثلیث کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمان اپنے اِن نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے انصاف و حق پسندی پر اُمید لگائے ہوئے ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضانِ بالواسطہ کا اقرار کریں گے اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے فیوض و برکات و انوار سے بلاواسطہ مستفیض ہونے کے لیے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دیں گے۔ اُن کے دل اپنے اندر کشائش اور انبساط اور اُن کی روح اپنے لیے سرور و نشاط پائے گی اور وہ سب اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

فصل ہفدہم (۱۷)

[اسلامی ہدایت، کل عالم کے لیے]

اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا۔

[مذاہب قدیمہ کا محدود خطاب]

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وحیِ ربانی کا شرف صرف اسباطِ یعقوبؑ کے لیے خاص ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔

ایران والوں کا دعویٰ ہے کہ سروشِ آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی اور زرتشت و جاماسپ ہی کے خانوادے اس بزرگی کے تاجدار ہوئے اور سب ملک اس عزت سے دُور دُور ہیں۔

آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا و جمنا کی وادیوں میں رہنے والوں کو درشن دیے اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کا دعویٰ ہے کہ اسی ملک کے رہنے والے فرزندِ آسمانی ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور کسی کو اس مشرقِ اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں۔

[محدود خطاب کے نتائج]

یہ دعاوی ہر چند کہ شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن ان دعاوی کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلے میں کیا تھا۔

۱-ایک دوسرے کی تکذیب: نتیجہ اوّل یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔

جب اسرائیلی صرف بنی اسرائیل کے لیے وحی ربانی کو خاص بتلاتا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔

اور جب کوئی پارسی نژاد ایرج ہی کے اس دعویٰ کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو ظاہر کرتا ہے۔

اور جب کوئی آریہ ورتی و سناتن دھرمی اپنی بات کو دہراتا ہے تو جہاں و جہانیاں کو (جس میں اسرائیلی و پارسی بھی شامل ہیں) ستّ کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کانفیوشس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر ابنائے جنس کو اس شرف سے مہجور تجویز کرتا ہے تو وہ ہر ایک ملک کو جس کے اندر (ہندوستانی، ایرانی، کلدانی و اسرائیلی بھی شامل ہیں) سیاہ و تاریک بتاتا ہے۔

لہٰذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں محفوظ رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان نے صادق کہا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگایا تو اب اُس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بچ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضا میں کوئلہ پھیلا دیا اور پھر یہ تصور کر لیا کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہوں گے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ تر کرنا شروع کیا۔ اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا منصب صرف اولادِ ہارون کے لیے خاص کر دیا اور سناتن دھرمیوں نے [سمدیو] وہر دوار و کانشی کے پانڈؤں کو سرگ و نرگ کا خزانچی بنایا۔ رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کُنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں، کیونکہ وہ اُس گرجا کا صدر نشین ہے جسے پطرس نے تیار کیا تھا، اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کُلی اختیار مسیحؑ نے دے دیا تھا۔

[۲-ایک دوسرے سے نفرت]: نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہو گئی اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولہا چوکا الگ الگ کر لیا۔ محبت انسانی گم ہو گئی اور قومیں قوموں سے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہو گئیں۔

[۳- مذہب پر قوم کا غلبہ]: نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہو گئیں اور آہستہ آہستہ اُن رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور و ضعیف اور بے نشان و گم ہو گئے۔

[اسلام کا خطابِ عام]

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دُور کیا، اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے یہ ایک جدید علمی اکتشاف کیا کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ [الفاطر ۳۵:۲۴] یعنی ہر ایک بستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا، بُرے افعال کے بُرے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔

اے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوؤں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو، اور اے ہندوؤ! تم کیوں اسرائیلیوں کے انبیاء کی تکذیب کرتے ہو؟ اے ایرانیو! تمہارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو؟

اے چینیو! تمہارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ؟

اَب مل جاؤ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا و ہادی و داعی کی تعظیم کرتے ہوئے اس ناموسِ قدرت کو بھی دیکھو، جس نے تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کے لیے بحرِ روم کے متصل ایک مقام کو انتخاب کیا، جہاں سے متمدن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ بآسانی کی جاسکتی تھی اور جہاں ٹھہر کر بحر و بر کے وسائل آمد و رفت سے بخوبی کام لیا جاسکتا ہے۔

[دین ابراہیمی اور اہل کتاب کی باہمی چپقلش]

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار سال سے بنیاد قائم کی اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب و گیاہ میدانوں میں رہ کر، جس نے آباد و شاداب قطعات سے الگ ہو کر، جس نے نفائس مادی میں سے صرف سدّ رمق پر اکتفا کر کے، حفاظت معبد کو اپنا مقصود بنایا اور اسی کی دربانی

کو اپنے لیے افتخار شاہی سمجھا، حتیٰ کہ وہی سید عالم ﷺ پہنچ گیا اور وہی سرورِ کائنات ظاہر ہو گیا جس نے اختلاف کو ایتلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا۔ وہ کیسا زمانہ تھا اُس وقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار ربانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۔[البقرۃ۲:۱۱۳] یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں۔

وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۔[البقرۃ۲:۱۱۳] نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں اور وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔

آیت وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہے، جو یہودیوں کی کتاب کو عہد نامۂ قدیم اور ہولی بائبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور باایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ نیز اس کا تعلق یہودیوں سے بھی ہے جو انجیل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ تورات موسیٰؑ کی مصدق ہے اور باایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

[اسلام کا فیصلہ]

بہر حال ہر دو فریق (وفد نجران) اور علماءِ یثرب (یہود) نے اِن فقرات کو دُہرایا اور اپنی اپنی تنگ مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔ الٰہی فیصلہ یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔[المائدۃ ۵:۶۷-۶۸] اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے، اُسے پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اے عیسائیو! اے اہلِ کتاب ہونے کے مدعیو! تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو۔ جب تک تورات اور انجیل پر اور اس کتاب پر

جو تمہارے رب نے تمہارے لیے نازل کی قائم نہیں ہو جاؤ گے۔ ہاں! ان میں بہت کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے اُتارے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافروں کے گروہ پر آپ افسوس نہ کریں۔

یہود اور نصاریٰ کی تعداد اُس وقت مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی۔ دو اور سو کی نسبت، اُس وقت ان میں ہو گی۔ یہود زر و مال والے تھے، تجارت والے تھے، سارے عرب پر اُن کا اقتدار تھا۔ مسلمان اور بت پرست سب اُن کے مقروض تھے۔ نصاریٰ، فوج اور طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا، جو اُن کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا، آسان نہ تھا۔ لہٰذا آیات کے شروع میں نبی ﷺ کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا ہے اور بطور پیشین گوئی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس فیصلے کے بعد خواہ یہود کتنا ہی ٹرّائیں اور نصاریٰ کتنا ہی بھُنّائیں، مگر وہ آپ کو کسی طرح کا گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ عصمت الٰہی ہمیشہ آپ کو اُن کے آزار سے بچائے گی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیے اور ہر دو کو تورات و انجیل کا اتباع کرنا چاہیے۔

[دلیل نصاریٰ اور اسلام کی حقانیت]

جو دلیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ نصاریٰ اُن کی کتاب اور اُن کے نبی (موسیٰؑ) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ لہٰذا یہی دلیل مسلمانوں کے ہاتھ میں بمقابلہ نصاریٰ اور یہود (ہر دو) حاصل ہے، کیونکہ مسلمان دونوں کتابوں اور کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیحؑ کی بابت پیشین گوئیاں تورات سے نکالتے ہیں اور اُنھیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان، یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں بائبل سے پیش کرتے ہیں اور ہر دو محبت الٰہی کا اتمام کرتے ہیں۔

اب خلاصہ معلوم ہو گیا کہ جب یہود اس لیے مغضوب ہیں کہ انھوں نے تعلیم مسیحؑ سے انکار کیا، جب کہ مسیحؑ تورات کو تسلیم کرتے ہیں تو نصاریٰ بھی اس لیے ضال ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں، جس کی تصدیق مسیحؑ نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اس لیے بے بنیاد اور لاشے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں، جس کا وعدہ موسیٰؑ کی پانچویں کتاب کے ۱۸ باب کی آیت ۱۵ تا ۱۸ میں موجود ہے۔ نیز جس کی خبر انجیل یوحنا باب ۱۶ کی آیات ۱۱ تا ۱۶ میں موجود ہے۔

[وحدانیتِ ربانی اور اسلام کی دعوتِ اتحاد]

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے اور تمام جہاں کا پروردگار، صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔ اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کر کے جملہ اقوام وادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار وفیوض کا یکساں حصہ دار قرار دیتا ہے۔

وہ کسی بزرگ کا مکذب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں ہے، بلکہ سب کو سب کے مقبولہ اُصول کے تحت میں لا کر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقیہ کی طرح، سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔

مبارک ہے اسلام، جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کے لیے سب کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور مبارک ہیں وہ قومیں جنھوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عام کو اپنا مسلک بنایا۔

فصل ہشدہم (۱۸)

[اسلام، نیکی کا مذہب]

اسلام ہی دین البِرّ (نیکی کا مذہب) ہے۔

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور وخوض کرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیحہ کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے: (۱) نیکی، (۲) صداقت، (۳) حسن۔

[اسلام میں نیکی کا وسیع تصور]

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ [البقرۃ ۲:۱۷۷] یہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلیا کرو، نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو: (۱) جو اللہ پر اور قیامت پر، ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیا پر یقین رکھتے ہیں (۲) جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبیوں کو، یتیموں کو، مسکینوں، مسافروں کو، مانگنے والوں کو، آزادیِ غلاماں میں، اپنا مال دیتے ہیں (۳) نماز کی پابندی کرتے ہیں، (۴) زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں (۵) عہد کرکے عہد کو پورا کرتے ہیں اور (۶) تنگ دستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں، یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی تو متقی ہیں۔

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ [الممتحنۃ ۶۰:۸] (غیر مذہب والوں سے بھی) نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى۔ [البقرۃ۲:۱۸۹] نیکی تو خدا ترسی میں ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ [المائدۃ۵:۲] نیکی اور خدا ترسی کے کام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ۔ [الانبیاء ۲۱:۷۳] ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ(۵۷) وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (۵۸) وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ(۵۹)وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ(۶۰) اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ(۶۱) [المؤمنون۲۳:۵۷-۶۱] جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت، ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بناتے، جو اللہ کے دیے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے، یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لیں گے۔

[اسلام میں نیکی کے اُصول]

نبی کریم ﷺ نے انواع البر (نیکیوں کی اقسام) کے متعلق جو احکام دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں:

۱۔ عظمت الٰہی کا احساس اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔

۲۔ احساناتِ الٰہی کی یادداشت اور اس یادداشت سے حیرت کا طاری ہونا اور طیران حیرانیت سے اثراتِ حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔

۳۔ اقارب اور ہمسایہ، ایامیٰ، یتامیٰ، اہل قریہ، اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

۴- خندہ روئی سے ملنا، راہ میں سے کانٹے یا ٹھوکر ہٹادینا، کنویں سے پانی نکال کر دینا، بھولے ہوئے کو رستہ بتادینا، تاریکی کے وقت روشنی دکھادینا، بوجھ اُٹھوادینا۔

دوسرے کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا یہ سب نیکیوں میں شمار کیے گئے ہیں۔ باپ کا اپنے بچے کو تعلیم دینا صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔[1]

اپنے کنبے سے بھلائی، نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے۔[2]

بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔[3]

ایک بلی کو عذاب دینے والے کے لیے دوزخ کا[4] اور ایک کتے کو پانی پلانے کے لیے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے۔[5]

اور بالآخر فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ ۔[6] کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک جاندار جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے (یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔

ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دِيْنُ الْبِرِّ ہے۔

---

[1] ترمذی، عن جابر بن سمرۃ [أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ. ح ۱۹۵۱]

[2] ترمذی، عن عائشہ [بَوَابُ الْمَنَاقِبِ. بَابُ فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ح ۳۸۹۵]

[3] ابوداؤد، عن ابی سعید [كِتَابُ الْأَدَبِ. بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامَىٰ، ح ۵۱۴۷]

[4] صحیحین، عن ابن عمر [بخاری، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ. بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ، ح ۲۳۶۴۔ مسلم، كِتَابُ السَّلَامِ. بَابُ تَحْرِيمِ قَتْلِ الْهِرَّةِ، ح ۵۸۵۲]

[5] ابوداؤد، عن ابی ہریرہ [كِتَابُ الْجِهَادِ. بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ عَلَى الدَّوَابِّ، ح ۲۵۵۰]

[6] ابوداؤد [كِتَابُ الْجِهَادِ. بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ عَلَى الدَّوَابِّ، ح ۲۵۵۰]

فصل نوازدہم (۱۹)

[اسلام، پارسائی کا مذہب]

اسلام دین التقویٰ ہے۔

[ام الخبائث، شراب اور سابقہ مذاہب]

[الف-عیسائیت]

پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے، مگر پولوس نے (۱-تمطاؤس ۵-۳۲میں) یہ حکم دیا ہے کہ ''آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر، بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی مَے (شراب) پی۔''[1]

[عیسائی معاشروں پر شراب کے اثرات]

شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یورپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی اور شراب اُن تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی جسے قرآنِ پاک نے اور ارشاداتِ نبوی ﷺ نے صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔

(۱) محکمۂ حفظانِ صحت نے پولوس کی وجہِ علّت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلادیا ہے کہ شراب کا بُرا اثر معدہ، جگر، دل، دماغ اور شُش [پھیپھڑے] پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔

---

[1] [پیش نظر نسخہ میں اس کا حوالہ ۱-تمطائوس ۳۲-۵ درج ہے۔ مگر راقم کے سامنے بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، ۱۹۹۰ء کے نسخے میں یہ بات الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تیمتھیُس (۱) باب ۵، درس ۲۳ میں موجود ہے۔ (مدوّن)]

(۲) جنگِ عظیم ۱۹۱۸-۱۹۱۴ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کے لیے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔

(۳) اپنی فوج کے لیے کنگ جارج نے نمونہ بننا پسند کیا اور زارِ روس نے اُن کی پیروی کی۔

(۴) امریکہ نے شراب کی ساخت، ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں۔

(۵) علمِ اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔

(۶) عالمانِ اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔

(۷) اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائم سنگین قتل، زنا بالجبر، راہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدمستی شراب کی حالت میں ہوتا ہے۔

[ج-ہندومت]

ہندوؤں میں بھی دیوی اور دیوتاؤں کے خوش کرنے کے لیے شراب کا چڑھاوا دیا جاتا ہے۔ پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو، اُسے پجاری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں۔ بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اُس کا نام "گنگا جل" رکھ دیا۔

[اسلام اور شراب]

اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب ہے جس نے شراب کو رِجس بتلایا۔ عمل الشیطان اور اُم الخبائث اس کا نام رکھا۔ ایسے نشہ کی مقدارِ قلیل کو بھی، جو مقدارِ کثیر میں پہنچ کر نشہ آور ہو، حرام بتایا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔

[اسلام اور زنا]

الف: اسلام میں زنا حرام ہے اور اُس کی حُرمت کو مضبوط و محکم کرنے کے لیے جو حکم دیا گیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ [بنی اسرائیل ۱۷:۳۲] زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ب: اس حکم سے اُن اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے، جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔ مردوں، عورتوں کا اختلاط اور ہنسی و مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش، دل ربائی اور حسن نمائی کے طریقے نظر بازی وغیرہ۔

ج: اسی حُرمت کو مضبوط کرنے کے لیے وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ [النساء ۴:۲۲] بھی فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لیے سڑک بناتا ہے۔ وہ جس سڑک پر چل کر دوسروں کے پاس پہنچتا ہے اُسی سڑک پر چل کر دوسرے اُس کے گھر آ جاتے ہیں۔

د: حکم دیا گیا:

لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔ [النساء ۴:۲۵] کسی عورت کا کوئی مرد آشنا نہ ہونا چاہیے۔

وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔ [المائدۃ ۵:۵] اور کسی مرد کی کوئی عورت آشنا نہ ہونی چاہیے۔

ہ: اس پارسائی کو قائم رکھنے کے لیے تدبیر بھی بتائی اور اُس کی تعمیل بھی فرض ٹھہرائی۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ [النور ۲۴:۳۰] مومن مردوں سے کہہ دیجیے گا کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ [النور ۲۴:۳۱] عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھیں۔

و: اس حکم کے بعد یہ بھی فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ [الاعراف ۷:۳۳] فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کر دیا ہے۔

ز: حکم بالا کی رُو سے تو فواحش حرام ہوئے، لیکن ابتدائی مراتب میں جب کہ فحش کے اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں اُسے اسلام نے لفظ اِثْمٌ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ [الانعام ۶:۱۲۰] گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دیا کرو۔

[اسلام کی پارسائی پر اعتراض کرنے والوں کی حالت]

تعجب ہوتا ہے کہ شراب پینے والے مردوں، عورتوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے، عبادت گاہوں میں جاکر بھی آتشِ رخسار کے حُسن سے آنکھیں سینکنے والے، نمائشِ حُسن کے پیرایہ میں ننگی تصویر کھچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے، کھلے "پَن گھٹوں" پر ننگے اشنان کرنے والے، اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لیے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عُریانی کے اعتراف کا مترادف ہے۔

[اسلام کی پارسائی کی مسکت دلیل]

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو اُبھار اُبھار کر اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حُرمت کا حکم کبھی نہ دیتا (اور ایسا حکم نہ دینا، اس کے لیے کچھ موجبِ اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی اُس پر خموشی کبھی موجبِ اعتراض نہ ہوسکتی تھی) اور زنا کی روک تھام کے لیے ایسے سخت قیود عائد نہ کرنا (اور ان قیود کو عائد نہ کرنے سے اُن قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جو اولاد لینے کی غرض سے بیاہتا عورت کو، اور اولاد دینے کی غرض سے بیاہتا مرد کو، عارضی جوڑ بنا لینے کی اجازت دیتے ہیں، کچھ اعتراض بھی نہ ہوتا) لیکن اسلام نے عفّت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

[تعدُّدِ ازواج کا اعتراض]

معترضین کے پاس اس کے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے؟

مگر غور تو کرو کہ داؤدؑ کو خدا کا اکلوتا بیٹا [زبور-۱] کہنے والے، اُس کی سو بیویوں پر، اور سلیمانؑ کو خدا کا سا دل والا بتانے والے اس کی ایک ہزار بیویوں پر، ابراہیمؑ کو خلیل اللہ ماننے والے اس کی بیویوں اور لونڈیوں پر، کرشن جی مہاراج کو اوتار ماننے والے اُن کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ سکھیوں پر، اور اُن کو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانۂ حال کے لیڈر اُن کی آٹھ مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے، تو پھر اُن کا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زائد بیوی کرنے پر اعتراض کریں۔

[تعددِ ازواج اور عدل کی شرط]

ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لیے، اُن کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہیں، جس کا فقدان اُن کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے روک بن سکے، مگر اسلام میں شرطِ عدل موجود ہے، اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ فقدان ہی پر نہیں) احتمالِ فقدان کی حالت پر بھی فَوَاحِدَةً [النساء ۴:۳] کا ارشاد موجود ہے۔

کیا کوئی مذہب ہے، جو اپنی کتاب پاک میں فَوَاحِدَةً کا ہم معنی لفظ نکال کر دکھا دے؟ کوئی مذہب ہے جو مسیحؑ یا موسیٰؑ یا کرشن و رام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فَوَاحِدَةً کے ہم معنی ثابت کر دے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تب اُس کو اقرار کرنا چاہیے کہ یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو فخر ہے، وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

فصل بستم (۲۰)

[اسلام، سچائی کا مذہب]

اسلام دین الصِّدق ہے۔

[سچائی کی تعریف]

صدق کی تعریف علماءِ اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

۱- عمل اور علم کی موافقتِ باہمی کا نام صدق ہے۔

۲- دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔

۳- سرّ و علانیہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔

۴- اُس راست بازی کو، جس میں تباہی کا اندیشہ ہے، اُس کذب سے بہتر سمجھنا جس میں رہائی کا گمان ہے، صدق کہتے ہیں۔

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی بہ زاں کہ دروغت دہد از بند رہائی

[قرآن و حدیث میں صدق کا بیان]

مندرجہ ذیل آیات و احادیث پر غور کرو:

ا: صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ [آل عمران ۳:۹۵] اللہ نے تو سچ فرمایا ہے۔

ب: صدق اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک ﷺ کے اوصاف میں سے ہے:

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ [الاحزاب ۳۳:۲۲] اللہ نے اور اُس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔

ج: مریم صدیقہؓ کا درجہ بوجہ صدق بر تر و بلند تھا:

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا۔ [التحریم ۶۶:۱۲] اُس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔

د: اصحابِ نبویہ کا درجہ بوجہ صدق ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ [الاحزاب ۳۳:۲۳] یہ وہ جواں مرد ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیے ہیں وہی سچے کر دکھلائے۔

ہ: نبی ﷺ کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے:

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ ۔ [الزمر ۳۹:۳۳] نبی وہ ہے جو صدق لے کر آیا اور اُس کی تصدیق بھی کی۔

و: صدق کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعودؓ موجود ہے:

اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا۔[1] صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بناتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے ہاں بھی صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھلاتا ہے اور گناہ دوزخ کی راہ دکھاتے ہیں۔ انسان جھوٹ بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنالیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

ز: سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اُسے صحیح بتایا ہے کہ ابو الحوراء نے امام حسنؓ سے پوچھا کہ آپ نے نبی ﷺ سے کون سی بات سیکھی؟ فرمایا: میں نے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

---

[1] مؤطا و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی [بخاری، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ، ح ۶۰۹۴۔ مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ قُبْحِ الْكَذِبِ وَحُسْنِ الصِّدْقِ، ح ۶۶۳۹۔ ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ التَّشْدِيدِ فِي الْكَذِبِ، ح ۴۹۸۹۔ ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ، ح ۱۹۷۱۔ مؤطا امام مالک، كِتَابُ الْكَلَامِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ]

دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ الطَّمَأْنِينَةُ وَالْكَذِبَ رِيبَةٌ۔[1] جو چیز شک پیدا کرے اُسے چھوڑ دے اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لے لے۔ کیوں کہ ''صدق'' تو طمانیت کا نام ہے اور ''کذب'' شک کو کہتے ہیں۔

ح: اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے:

كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ۔[التوبۃ۹:۱۱۹] اہلِ صدق کا ساتھ دو۔

ط: عربی زبان میں صدق کے مدارجِ علیا کے مطابق اس مصدر سے فاعل کے تین صیغے [بنتے] ہیں: صادق، صدوق اور صدیق، اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیاءؑ پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔

ابراہیم خلیل الرحمنؑ کو اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔[مریم۱۹:۴۱] اور یوسفؑ کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔

سیدہ مریم بتول [کو بھی سورۂ مائدہ [۵:۷۵] میں وَاُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ فرمایا گیا اور پھر سورۂ نساء [۴:۶۹] و سورۂ حدید [۵۷:۱۹] میں اُمت محمدیہ کے افرادِ ممتاز کے لیے صدیقیت کا درجہ تجویز کیا گیا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ۔[الحدید۵۷:۱۹] یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں۔ اپنے رب کے پاس ہیں ان کے لیے، اجر بھی ہے اور نور بھی۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ صدق کے شانِ بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے، اور اس بیان سے عہد حاضر کے فلاسفروں کا وہ مطالبہ پورا ہو جاتا

---

[1] [نسائی، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى تَرْكِ الشُّبُهَاتِ، ح۵۷۱۴۔ ترمذی، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ، بَابُ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ، ح۲۵۱۸]

ہے کہ دین طبیعی کے لیے صدق کا ہونا شرط ہے۔ الحمدللہ کہ اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے۔

فصل بِست ویکم (۲۱)

[اسلام اور حسن و جمال]

اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے۔

[حسن و جمال کے مفہوم میں اختلاف]

لوگوں نے صرف عورتوں کے خط و خال و ناز و انداز کا نام حُسن رکھ چھوڑا ہے، لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے، اور صرف ایامِ شباب کا محدود مذاق ہے۔ بایں ہمہ دُنیا کے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کے مذاق اس بارے میں بھی اس قدر مختلف ہیں کہ حُسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

رُوس کے شمال میں صاف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایتِ حُسن سمجھی جاتی ہیں۔ اہلِ عرب ازرق چشم [نیلی آنکھوں والی/والے] کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔

یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حُسن سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کو سفید رنگت پر ناز ہے مگر حبشیوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

[اسلام کا تصورِ حسن و جمال]

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان دِیْنُ الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ ثبت کیا تو اُس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حُسن نسائی کا سراپا نگار ہے، غلط اور قطعاً غلط ہے۔

ہاں! اسلام حُسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صُنعِ ربانی قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سرتاپا حُسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شے آئینہ دارِ جمال ہے۔

انسانی حُسن و جمال

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ [التین ۹۵:۴] ہم نے انسان (مرد و زن) کو سب سے زیادہ خوش نما ڈھانچے پر پیدا کیا۔

لفظ تقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں۔ عالمانِ علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ، انسانی قلب و جگر، احشا و اعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلے میں کس قدر برتری حاصل ہے۔ اس کے دانت اور معدہ میں کیوں کر نباتاتی غذا اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

صورت کی خوشنمائی

وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ۔ [التغابن ۶۴:۳] اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔

عام اصنافِ انسان کو وہ زنگی ہو یا فرنگی دیگر حیوانات پر صفائی بُشرہ، لینتِ جلد، استقامتِ قد اور خوشنمائیِ خد کے بارے میں جو خصوصیت حاصل ہے اس کا بیان فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ میں آجاتا ہے۔

ہر شے کا زمین کے لیے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ نے معلوم کیا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ زمین کے لیے اپنی خوشنمائی سے زینت ہے اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے، درخت اُن کی جھومنے والی ڈالیاں، ان کی سایہ گستر شاخیں اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں۔ شوخ و شنگ رنگ رکھنے والے پھول، بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل، عجیب و غریب اشکال کے اوراق، مختلف تاثیرات و خواص رکھنے والے پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید خیمے کھڑے کرنے والی برف، اور میدانوں کی چٹیل زمین پر نرم نرم فرش بچھانے والی ریت، آبشاریں، غار،

مرغزار اور جنگل، وادی و ہامون آبادیاں اور ویرانے، اپنی اپنی حالت، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے تمام کرۂ ارضی کے حُسن کو بڑھانے والے، جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں، یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں، ان کی خوبصورتی کو دکھلانے والا یہی دین اسلام ہے جو دِیْنُ الْحُسنِ وَالْجَمَالِ ہے۔

آیت بالا میں صنعتِ ربانی کے حسنِ جمال کے بیان کے بعد ایک تقابل بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حُسنِ عمل ہے۔ وہ قدرتِ ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا، جس نے ہر شے کو حُسن و زینت کا خزینہ دار بنایا، کیا اُس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصرِ سلطانی میں داخل ہوتا ہے، وہاں کی بیش بہا اور قیمتی اشیا کا ملاحظہ کرتا ہے، وہاں کی اعلیٰ زیبائش و آرائش کو دیکھتا ہے تو اُس شخص سے، اُس کی قوتِ ضمیر سے یہی اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ وہاں جا کر نہ نقصان کرے گا، نہ چیزوں کو بگاڑے گا، نہ خس و خاشاک پھیلائے گا۔ یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داوری گاہِ عالم میں کی گئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون و مکان میں وہ رہتا ہے وہ بھی سراپا حُسن و جمال ہے، تو پھر انسان کا احسن اعمال کو پیش نہ کرنا اور دنیوی حسنہ و اُخروی حسنہ کا طالب نہ ہونا اُس کی عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۔[السجدۃ:۳۲] ہر شے کو اُس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں بہت خوش نما اور بہت خوب بنایا ہے۔

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں، ہزاروں قسم کے پھول ہیں، ہزاروں قسم کے درخت ہیں، ہر قسم کے جان دار، زمین کے اندر رہنے والے، پیٹ کے بَل چلنے والے، پائوں پر دوڑنے والے، سمندروں کے اندر رہنے والے موجود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے

خواص، اپنی اپنی آواز، اپنے اپنے افعال میں اس قدر حسین و جمیل، خوش منظر اور زیبا پیکر واقع ہوئے ہیں کہ چشمِ انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

فہرست کتب

جن سے کتاب ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' میں استفادہ کیا گیا۔ [مؤلف]

1. قرآن مجید
2. جلاء الافہام لابن القیم، طبع الکتاب السنہ، امر تسر
3. مؤطا امام مالکؒ، طبع دہلی ۱۲۹۳ھ
4. الطریق الحکمیہ لابن القیم، طبع مصر ۱۳۱۷ھ
5. کتاب الام، تالیف امام شافعیؒ طبع بولاق، مصر ۱۳۲۶ھ
6. نہج البلاغۃ، سیر شریف من کلام امیر المومنین علی مرتضیٰؓ، طبع تبریز، ۱۲۶۷ھ
7. کتاب الخراج، قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ، طبع مصر
8. کتاب الکامل، ابو العباس مبرد، طبع بیروت ۱۳۱۷ھ
9. صحیح بخاری، طبع بمبئی ۱۲۶۸ھ
10. معجم البلدان، یاقوت حموی، طبع مصر ۱۳۰۹ھ
11. صحیح مسلم، طبع دہلی ۱۲۹۴ھ
12. کتاب بکر و تغلب محمد بن اسحاق، طبع بولاق ۱۳۱۷ھ
13. سنن ابو داؤد، طبع دہلی ۱۳۰۵ھ
14. فتح الباری، طبع حسینیہ، مصر ۱۳۱۴ھ
15. سنن نسائی، طبع دہلی ۱۲۶۲ھ
16. تاریخ ابو الفداء، طبع حسینیہ، مصر ۱۳۲۵ھ
17. شمائل ترمذی، طبع مصر، ۱۳۱۸ھ
18. کتاب الارشاد، شیخ مفید، طبع تبریز ۱۲۷۰ھ

19. سنن دارمی، مطبوعہ دہلی ۱۲۶۲ھ
20. اعلام النبوت
21. دار قطنی، مطبع فاروقی دہلی
22. تیسیر الوصول، ابن اثیر، طبع لکھنؤ
23. دلائل النبوت حافظ الکبیر ابو نعیم اصفہانی، طبع دکن ۱۳۲۰ھ
24. مدارج النبوت، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، طبع شاہدرہ ۱۲۸۱ھ
25. تاریخ الامم والملوک، ابن جریر طبری، طبع حسینیہ مصر
26. زرقانی، طبع ازہریہ، مصر ۱۳۲۸ھ
27. طبقات الکبیر لابن سعد، طبع لیدن ۱۳۲۲ھ
28. انسان العیون، علامہ علی الحلبی، طبع مصر ۱۳۲۸ھ
29. الاصول الکافی، شیخ الکبیر محمد بن یعقوب کلینی، طبع نول کشور ۱۲۰۲ھ
30. سیرت محمدیہ (تلخیص عیون الاثر) مولوی کرامت علی دہلوی، طبع دکن
31. الاستیعاب ابن عبد البر، طبع دکن ۱۳۱۸ھ
32. تاریخ العرب، پروفیسر سیڈیو، طبع مصر ۱۳۰۹ھ
33. کتاب الفصل فی الملل والنحل، ابو محمد علی بن احمد بن حزم، طبع مصر ۱۳۲۰ھ
34. تاریخ دول العرب والاسلام محمد طلت بک، طبع الٰہ آباد
35. کتاب الشفا، قاضی عیاض غرناطی، طبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ
36. خطبات احمدیہ، سر سید احمد، طبع علی گڑھ
37. زاد المعاد، ابن القیم الجوزی الدمشقی، طبع نظامی کانپوری ۱۲۹۸ھ
38. حسن الصحابہ، تالیف جانی زادہ، طبع قسطنطنیہ، ۱۳۲۵ھ
39. الفاروق بین المخلوق والخالق، احمد الفرانی، طبع موسوعات، مصر ۱۳۱۸ھ

40. نتائج الافہام محمود پاشا فلکی، طبع مصر ۱۳۰۵ھ
41. ہدایت الحیاری، ابن القیم الجوزی، طبع مصر ۱۳۱۸ھ
42. ازالۃ الخفاء، حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع صدیقی بریلوی ۱۲۸۶ھ
43. عمدۃ المطالب، لکھنؤ ۱۲۷۰ھ
44. انڈین کرونالوجی، مدراس ۱۹۱۱ھ
45. تجرید اسماء الصحابہ، ذہبی، طبع دکن ۱۳۱۵ھ
46. انڈین اے زار کننگھم، کلکتہ ۱۸۹۶ھ
47. ہدایت السائل نواب صدیق حسن خاں مرحوم، طبع بھوپال ۱۳۹۲ھ
48. انڈین کلینڈرز، رابرٹ سیول، لندن ۱۸۹۶ء
49. کتب العہد القدیم والجدید، طبع آکسفورڈ ۱۸۰۱ء
50. الآثار الباقیہ عن القرآن الخالیہ، ابوریحان، بیرونی، طبع لیپ زک، جرمنی
51. مجموعہ بائیبل اُردو، آرفن، سکول پریس ۱۸۷۰ء، آرہ
52. انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع نہم لندن
53. مروج الذہب مسعودی، طبع مصر ۱۳۰۵ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قصیدہ

در حمد باری تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہٗ

خدائے عزوجل کے لیے ہے شکرِ نعم	زیادہ حدّوعدد سے ہیں جس کے فضل و کرم
وہی ملک ہے، وہی مستعاں، وہی معبود	وہی الٰہ، وہی ہادیِ رہِ اَقوم!
وہی ہے غافر ذنب اور وہی ہے قابلِ توب	وہی ہے نارِ ارض و سما و نور و ظلَم
وہی ہے رافع عزّ و عُلا و مجد و عطا	وہی ہے دافع درد و بلا و رنج و سُقَم
جلال اُس کا ہی آفاق کے لیے ہے محیط	نوال اُس کا ہے ارزاق کے لیے مقسم
کمالِ عقل ہے عرفانِ کنہ میں قاصر	زبان نطق بیانِ ثنا میں ہے ابکم
نمونہ قدرتِ باری کا ہے کہ صفحۂ چرخ	ہجومِ نجم سے ہوتا ہے اطلسِ مُعْلَم
ہے شان صنعتِ صانع کہ ارض کا یہ کرہ	وفورِ سبزہ سے بنتا ہے صفحۂ مُلحَم
اُسی کے حکم سے قائم جبال شامخہ ہیں	اُسی کے امر سے سائر ہے نیرِ اعظم
اُسی کے فیض سے باغِ حدوث ہے شاداب	اُسی کے نام سے قلبِ سلیم ہے خرّم
اُسی کی داد سے مہ کو ملا ہے سکّۂ سیم	اُسی کے جُود سے ماہی کو کیسۂ درہم
اُسی نے فرش زمیں کو بچھا دیا ہموار	اُسی نے سِلک ثریّا کو کر دیا درہم
اُسی کے قصد میں پوینده ہیں اُلُوفِ مِلَل	اُسی کی حمد میں گوینده ہیں صنوفِ اُمم
اُسی کے خوض میں ہے تہ نشینِ دریادُر	اُسی کے شوق میں ہے آسماں گرا شبنم
اُسی کا نور ہے چشمِ جہاں کی بینائی	اُسی کا حکم بقا و فنا کا مستلزم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے ہبُوبِ ریاح	جو بادلوں کو ہے کرتی فراہم و درہم

اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے تلّمع برق	چمک میں جس کی ہے بیم ورجا کی شان بہم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے نزولِ میاہ	کہ مرگ وزیست کی ملتی نظیر ہے پیہم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ مردہ زمین	حیاتِ تازہ سے بارِدِ گر ہوئی منضم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ خاکِ سیاہ	ہزاروں بیش بہا گنج کی بنی مدغم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ لیل ونہار	ہمیں سکھاتے ہیں طرز وطریق رامش ورَم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ بینِ بہار	بنادیے ہیں جزیرے مثال باغِ ارم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ گنبدِ چرخ	مثالِ سقف بغیر از عمد رہا ہے تھم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ انسان کی	لِسان ولون میں نوعیں جدا جدا ہیں علم
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ ہوتا ہے	یہ موسموں کا تغیر یہ انقلابِ اُمم
اُسی کے امر سے تھامے ہوئے ہیں سب طائر	فضا میں جسم کو اپنے بلا تردّد وغم
اُسی کے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ ابحار	کہ موج موج کا اندر ہے اپنی حد کے قدم
اُسی کے نورِ تجلی سے طور ہے روشن	اُسی کی ذرّہ نوازی سے نخل ہے مُلْهَم
اُسی کی ذاتِ مقدس حقیق سجدہ ہے	اُسی کے اسمِ معظم کے واسطے ہے قسم
اُسی جناب میں ہوتی ہے عرض رَبِّ اغْفِرْ	اُسی سے کہتے ہیں وارحم کہ سب سے ہے ارحم
اُسی کی غایتِ حمد وثنا ہے لا اُحْصِی	اُسی کے اول ادراک پر ہے لا اَعْلم
وہی ہے، ایک وحید اور لاشریك لهٗ	کہ ملک وحمد اُسی کو ہے اور کبر وقدم
غنی ومقتدر وباسط وودود وجلیل	کبیر وقادر وبرّ ورؤف وحیّ وحکم
سلام ومومن وقدوس ووالی وباری	احد ہے اور صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ
غفور وباقی وستّار اور حکیم حِکَم	مثال وکفو سے ہے پاک تر بحدِّ اتم

ہے شرک جو اُسے کہتا ہے صرف ربّ النوع	وہ ہے مصورِ اشیا و خالق عالم
شریک خلق میں اُس کے نہ مادہ ہے نہ روح	مشیر امر میں اُس کے وزیر ہیں نہ خدم
اُسی کے خلق ہیں اور اُس کو پا نہیں سکتے	حواس سمع و بصر، عقل، درک لمس اور شم
و گر ہے صدقِ ارادت! تو برگ برگ گیاہ	ہے بامِ معرفتِ لایزال کا سُلَّم
مرے کریم مرے ذوالجلال والاکرام	عمیم ہیں ترے احساں کثیر تیری نعم
ہے ایک حکم میں تیرے حیات اور ممات	ہے سب کا تیرے ہی دو حرف میں وجود و عدم
نہیں وجود عوالم سے تیری قدرت بیش	نہ انعدام خلائق سے تیری صنعت کم
ہو تیری عفو و رحیمی کا جس جگہ اظہار	ہے مستحقِ کرامت گناہ اور ظلم
مقرّبین ہیں بین رجا و خوف ترے	کہ ہے حجابِ عدالت میں رحمت اور کرم
فرشتگانِ مکرم کہ انبیائے کرام	عبودیت پہ تری شاد ہیں بفخرِ اتم
تری جناب میں سب کی ہے التماسِ دُعا	تری حضور میں سب کا سرِ ارادت خم
نہ مال میرے مآلِ طلب نہ حشمت و جاہ	کہ سب ہیں مشتمل اس فیض میں بنی آدم
یہ التجا ہے، یہی آرزو، یہی خواہش	مدام دل کی تمنا یہی بدیدۂ نم
رہوں سدا متمسک نبی کی سنّت سے	قدم ہوں میرے صراطِ ہدیٰ پہ مستحکم
رگوں میں جوش، لہو میں محبتِ اسلام	بدن میں جان رہے جب تک اور دم میں دم
ترے حبیب نے جو اُمّیوں کو دی تعلیم	وہی ہو میرا عقیدہ نہ اُس سے بیش نہ کم
رسول سیّد ابرار بندۂ رحمن	نبی جہاں کے لیے رحمت اور مطاعِ اُمم
سراج و شاہد و داعی مُبشِّر و مُنذِر	ملاذِ کعبہ و حامیٔ قدس و شاہِ حرم
ہماری جان پہ ہم سے سوا رؤف و رحیم	شفیع و حامد و احمد محمد و خاتم

عوام کا اب وجد سے ہے مایۂ نازش	ہیں اس کی ذات پہ نازاں خلیلؑ اور آدمؑ
درود اُس پہ اور اصحاب و آل پر اُس کے	کہ پُر ہے اُن کے فضائل سے مصحفِ محکم
تو قبر کی متوحش جگہ میں ہو مونس	تو ہولناک قیامت میں بن مرا ہمدم
الٰہی رحم مرے والدین پر فرما	اِسی سوال میں سارے سوال ہیں منضم
نفس ہے سینے میں سلمان کے رواں جب تک	نبی کی نعت میں چلتی رہے زبان و قلم